مسکراتے زخم

مجاہد میری اس خستہ حالی پہ دیکھنے والے
کہ اب زخم جسم کے بھی تو ہنستے معلوم ہوتے ہیں

از قلم
حضرت مولانا محمد مسعود ازہر

ناشر
مکتبہ عرفان

مُسکراتے زخم

ازقلم

حضرۃ مولانا محمد مسعود ازھر

ناشر:

مکتبہ عرفان

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

''مسکراتے زخم'' کا پہلا حصہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ کتاب پندرہ روزہ جیش محمد ﷺ میں شائع ہونے والے سلسلے ''چاک قفس سے'' کی ابتدائی بتیس (۳۲) قسطوں اور ایک انٹرویو پر مشتمل ہے۔

انڈیا کیوں، کب اور کیسے جانا ہوا؟ وہاں پر کیا مشغولیات رہیں؟ بابری مسجد پر حاضری کس طرح ہوئی؟ کشمیر کن مقاصد کیلئے جانا ہوا؟ گرفتاری کیسے ہوئی؟ تفتیش کے مراحل کس طرح سے گزرے؟ ابتدائی تین عقوبت خانوں میں کیا کچھ بیتا؟......ان تمام سوالات کے جوابات اس پہلے حصے میں آگئے ہیں۔ رسالے میں شائع ہونے والے ان مضامین پر نظر ثانی کے بعد بعض مقامات پر تصحیح بھی کی گئی ہے جب کہ بعض جگہوں پر حذف واضافہ بھی ہوا ہے۔

اس خودنوشت سوانح کے بارے میں بندہ کی شروع دن سے یہ کوشش رہی ہے کہ یہ آپ بیتی نہ بننے پائے چنانچہ اس میں اپنے حالات بہت کم اور عمومی حالات کافی زیادہ بیان کئے گئے ہیں۔ جیل کے مشکل ایام واحوال کو تحریکی زندگی کے مصروف ایام واحوال میں لکھنا میرے لئے کسی حد تک پریشان کن ضرور رہا اور کئی واقعات کو صحیح طور پر لکھا بھی نہ جا سکا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہی اور چند ٹوٹے ہوئے جملے ہر پندرہ دن بعد تقریباً پابندی سے قارئین تک پہنچتے رہے۔ بیماری کے دنوں میں ''چاک قفس سے'' کی کئی قسطیں اکٹھی لکھنے کی فرصت ملی تو اسے

کتابی صورت میں شائع کرنے کا داعیہ بھی وجود میں آ گیا۔ یہ تحریری سلسلہ پندرہ روزہ جیش محمد ﷺ میں جاری ہے۔ آگے آنے والے کئی عقوبت خانوں، جیلوں اور جیلوں میں کھودی جانے والی سرنگوں...... اور بہت سارے واقعات کا تذکرہ ابھی باقی ہے۔ (ہمارا پندرہ روزہ رسالہ جیش محمد ﷺ اب بند ہو چکا ہے)

آپ اس حصے کو پڑھ کر اگلے حصے کی تکمیل کیلئے دعا فرما دیجئے اور اگر آپ کو اس کتاب سے کچھ نفع حاصل ہوا ہو تو بندہ کی نجات کیلئے دعاء کا احسان فرما دیجئے دنیا کی جیل اور اس کے چھ سال گزر گئے اور ماضی کا قصہ بن گئے، مگر ابھی تک زندگی کی جیل اور اس کی چکی چل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد جیل اور قید خانے سے بچا دے اور موت آزادی کا پیغام بن کر آئے اور وہ مالک راضی ہو جائے جس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا ہے۔ یہی دل زخمی کی خواہش ہے، یہی آرزو ہے، یہی تمنا ہے۔ یا اللہ! اس کتاب کو قبول فرما کر اس تمنا کے پورا ہونے کا ذریعہ فرما دے۔

آمین یا رب المجاهدین والمستضعفین

فقط

محمد مسعود ازہر

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

بمطابق ۱۱/اگست ۲۰۰۱ء

جامعۃ الفرقان، کراچی

زخم میرے مسکرائے ہیں کچھ اس انداز سے

چھ سال چوبیس دن کی قید کیسے گزری؟ ان دنوں کتنے نشیب وفراز دیکھے؟ تنگ وتاریک کوٹھڑیوں کے اندر کی دنیا میں کیا ہوتا ہے؟ پوچھ تاچھ کے اذیت ناک مراحل کس طرح طے ہوتے ہیں؟ پھراس دردناک ماحول میں اہل ایمان کی مسکراہٹیں اور بعض اوقات قہقہے کس طرح بلند ہوتے ہیں؟ جیل کی نماز، اذان، درس وتدریس، مجالس ذکر، جلسے، احتجاج، پہرے، اندر کھودی جانے والی سرنگیں اور کھانا پینا کیسا ہوتا ہے؟ رہائی کیلئے باہمی خفیہ مجلسیں، عجیب وغریب تدبیریں اور پھران کی ناکامیوں اور کامیابیوں کی کیا صورت ہوتی ہے؟ یہ موضوع یقیناً اہم اور تفصیل طلب ہے۔ گرفتاری کے اسباب کیا تھے اور یہ کن حالات میں ہوئی؟ یہ بھی اس موضوع کا اہم حصہ ہے۔ گرفتاری کے ایام میں لکھے جانے والے پانچ سو سے زائد خطوط بھی اس موضوع سے کسی حد تک تعلق رکھتے ہیں۔ رہائی کیلئے ہونے والی کئی بڑی بڑی کوششیں اوران کی ظاہری ناکامی اور اس ناکامی کے اسباب بھی اس قابل ہیں کہ ان پر لکھا جائے اوران پرغور کیا جائے اور پھرآخری اور کامیاب کوشش اوراس کے وہ مراحل جن پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں اس موضوع کا دلچسپ ترین حصہ ہیں۔ ویسے تہاڑ جیل میں قیام کے دنوں میں راقم نے قید اور جیل کے بعض دردناک اور دلچسپ عنوانات پر کچھ مضامین لکھے تھے جن کی تعداد پچاس سے زائد تھی ان میں

سے کئی مضامین تو ہفت روزہ ضرب مؤمن میں مفتی خبیب کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ دوستوں نے احتیاطاً میرے لئے یہ قلمی نام تجویز فرمایا تھا پھر اسی نام سے انہوں نے میری کتاب زاد مجاہد اور جیل سے متعلق مضامین شائع کئے مضامین کا یہ مجموعہ انشاء اللہ عنقریب مسکراتے زخم کے نام سے شائع ہونے والا ہے۔ کتاب کا یہ نام راقم نے جیل ہی سے خود تجویز کیا تھا اور اس کے سرورق پر یہ شعر لکھنے کی گزارش کی تھی۔

زخم میرے مسکرائے ہیں کچھ اس انداز سے
دشمنوں کے دل جلے اور دوستوں کی نکلی آہ

رستے زخموں کی مسکراہٹ کا عنوان حضرت خواجہ مجذوب علیہ الرحمۃ نے بھی اپنے اس شعر میں اختیار فرمایا ہے۔

نہ جائیں میری اس خندہ لبی[1] پر دیکھنے والے
کہ لب پر زخم کے بھی تو ہنسی معلوم ہوتی ہے

یہ کتاب تکمیل کے بالکل آخری مراحل میں ہے۔ لیکن راقم کو ان دنوں ہجوم مسائل نے اس طرح گھیر رکھا ہے کہ اب تک نظر ثانی کے لئے وقت نہیں نکل سکا۔ محترم قارئین اس سلسلے میں خصوصی دعاء فرمائیں۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ اس کتاب کے اوّل و آخر میں چند نئے احوال و مضامین لکھ کر اس موضوع کو بند کر دیا جائے لیکن جب پندرہ روزہ جیش محمد ﷺ نامی رسالہ نکالنے کا مشورہ ہوا تو احباب نے حکم دیا کہ اسارت و رہائی کی روئیداد قسط وار اس رسالے میں آنی چاہیئے۔ احباب کا تقاضا زوردار اور دلائل وزنی تھے اس لئے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر حامی بھر لی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس موضوع کا حق ادا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور اس سلسلے کو جہاد کیلئے اور امت مسلمہ کے لئے نافع بنائے انشاء اللہ آئندہ شمارہ سے قسط وار یہ سلسلہ پیش کرنے کی کوشش کی جائیگی۔

[1] مسکراہٹ

سورج کی پیشانی پر

بابری مسجد کی شہادت ایک خوفناک المیہ تھا لیکن یہ المیہ مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقے کی بیداری اور نجات کا ذریعہ بن گیا۔ بابری مسجد کی شہادت کے ذریعے طاغوتی طاقتوں نے مسلمانوں کے جذبات کی آزمائش کی تھی لیکن یہ آزمائش کافروں کو الٹی پڑی اور اس سانحے کی بدولت بہت سارے نام کے مسلمان کام کے مسلمان بن گئے اور ہندوستان کے مسلمانوں کو گاندھی واد، اہنسا (عدم تشدد) اور سیکولرازم کا حقیقی چہرہ نظر آ گیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آج سے پندرہ بیس سال پہلے تک مسلمان مجموعی طور پر جہاد سے غافل ہو کر غلامی کا طوق اپنے گلے میں پھنساتے جا رہے تھے اور خلافت چھننے کے بعد ان کے دلوں سے مرکزیت، آزادی اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی اہمیت تک ختم ہو رہی تھی۔ چنانچہ چند کفریہ طاقتوں نے پوری دنیا کو بانٹ لیا اور مسلمانوں کو تقسیم کر کے اپنی رعایا بنا لیا۔ مسلمان بے بسی کے ساتھ یہ سب کچھ سہتا رہا اور یہی سمجھتا رہا کہ اب اس کے پاس غلامی برداشت کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کے اسلامی تشخص پر چار تکبیریں پڑھ لی جاتیں کہ اچانک چند ایسے واقعات رونما ہوئے جنھوں نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کر دیا اور ان کے ہاتھوں سے غلامی کا ہل

اور درانتی چھین کر عزت کا نشان اسلحہ دے دیا۔ حضور اکرم ﷺ کی امت میں پھر سے وہ جانباز پیدا ہونے لگے جن کے نام سے کفر تھر تھر کانپتا ہے اور جن کے سروں کی قیمتیں لگائی جاتی ہیں۔ ماؤں کی گود ہری ہوئی اور ان کے بچوں کا خریدار رب تعالیٰ خود بنا۔ پٹاخوں سے ڈرنے والے دھماکوں کے خوگر بنے اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلام نے اپنی قوت اور مسلمان نے اپنا لوہا منوالیا۔ وہ واقعات جو مسلمانوں کی عمومی بیداری کا ذریعہ بنے ویسے تو بہت سارے ہیں لیکن بنیادی طور پر ان تین حادثات نے مسلمانوں کو عزم نو اور تازہ ولولہ بخشا۔

(۱) افغانستان میں روسی افواج کا داخلہ

(۲) بوسنیا پر سرب درندوں کی یلغار

(۳) بابری مسجد کی شہادت

انہیں تین واقعات نے مسلمانوں کے حال کو ان کے ماضی کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا اور مسلمانوں میں وہ ہستیاں پھر پیدا ہو گئیں جن کی للکار سے کفر لرزہ براندام ہے۔ انہیں تین واقعات نے کشمیر کے مسئلے میں جان ڈالی اور جنت نظیر وادی جنتی ارواح کا مسکن بن گئی۔ انہیں تین واقعات کی بدولت مشرق وسطیٰ میں اسلام کو دفن کرنے اور مسجد اقصیٰ کو فروخت کرنے کا حتمی منصوبہ ناکام ہوا، عرب وعجم اور یورپ وامریکہ کے مسلمانوں میں سربکف جانباز مجاہدین اور تاریخ ساز شہداء پیدا کرنے میں بھی بڑا حصہ انہیں تین واقعات کا تھا۔ گویا کہ کافروں کی یہ تین غلطیاں مسلمانوں کے حق میں اجتماعی طور پر مفید ثابت ہوئیں اور وہ زخم جو افغانستان بوسنیا اور ہندوستان میں امت مسلمہ کے سینے پر لگائے گئے تھے ان زخموں کا درد تیزی کے ساتھ کفریہ طاقتوں کی طرف منتقل ہوا اور وہ اب تک اس درد سے کراہ رہے ہیں، بلبلا رہے ہیں۔ میری گرفتاری کے پیچھے بھی یہی تین واقعات پوری آب وتاب کے ساتھ موجود ہیں۔ افغانستان کے جہاد نے مجھ ناکارہ انسان کو میدان عمل میں اتارا۔ بابری مسجد کی شہادت نے میری روح کو بے چین کیا اور میری ناتواں آواز کو بے شمار مسلمانوں تک پہنچایا اور بوسنیا کے مظالم نے میرے قلب وجگر کو زخمی کیا چنانچہ میں جہاد افغانستان کے شعلوں کو بابری مسجد کے قاتلوں کے خلاف ہندوستان منتقل کرکے بوسنیا کی طرف عازم سفر تھا کہ جہاد کشمیر کی مقدس تحریک میں مختصر شرکت کے دوران قید کر لیا گیا میری گرفتاری کے دوران جہاد افغانستان اپنے تابناک ترین دور میں داخل ہوا اور وہاں پر الحمدللہ اسلامی امارت قائم ہوئی اور مسلمانوں نے (جوان چوزوں کی طرح پریشان حال تھے جن کی ماں

مرچکی ہو) دوبارہ اطمینان کا سانس لیا اور الحمدللہ اسلام اور مسلمانوں کو ایک عظیم اور محفوظ پناہ گاہ نصیب ہوگئی۔ میں نے یہ سارے دلکش مناظر بہت دور بیٹھ کر دیکھے اسی اسارت کے دوران بوسنیا کی آگ تو کچھ ٹھنڈی ہوئی مگر اس آگ کے شعلے کوسوو میں منتقل کر کے ہمارے سینے پر خنجر چلائے گئے۔ میں نے سلاخوں کے پیچھے کوسوو کے اس درد کی ٹیسیں محسوس کیں بابری مسجد کی شہادت کے بعد فرعون صفت ایڈوانی کا ارادہ مزید تین ہزار مساجد کو ویران کرنے کا تھا اور اس کے ناپاک ہاتھ کانشی اور متھرا کی مساجد تک پہنچ چکے تھے لیکن برہمنی سامراج کے پاؤں زمین میں دھنسنے لگے اور ترشول بردار مشرکین کے دستے بغلیں جھانکنے لگے۔ میں نے اسلام کی فتح اور مشرکین کی شکست کے یہ خوبصورت مناظر جیل کی کال کوٹھڑی میں دیکھے۔ عراق پر دوبارہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی بمباری اور چیچنیا پر روس کے خوفناک مظالم کی داستان بھی جیل کی آزمائش کو مزید بڑھاتی رہی۔ تحریک کشمیر کے اتار چڑھاؤ اور ہندوستان میں کروٹ لینے والی تحریکوں کو میں نے چھ سال کے عرصے میں بہت قریب سے دیکھا خلیج میں امریکی عمل دخل اور پھر افغانستان پر کروز میزائل کے حملے نے حالات کے ایک نئے رخ کو اس وقت میرے سامنے لایا جب میں خود حالات کا شکار تھا۔

خونخوار بیسویں صدی عیسوی اپنے سوسالہ کارناموں اور خون کے سمندروں کے ساتھ غروب ہورہی تھی۔ پاپائے روم یہ اعلان کر رہا تھا کہ اکیسویں صدی میں عیسائیت پورے ایشیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ ہندوستان کے نجومی اور جوتشی یہ اعلان کر رہے تھے کہ اکیسویں صدی میں پورے ایشیا پر ہندوستان چھا جائے گا۔ دنیا کے سرکردہ ممالک اس بات کا متفقہ اعلان کر رہے تھے کہ اکیسویں صدی میں اسلامی دہشت گردی (یعنی اسلامی قوت، اسلامی تشخص اور جہاد) کا مکمل خاتمہ کر دیا جائے گا۔ انہیں بلند و بانگ دعوؤں اور زلزلہ خیز عزائم کے اعلان کے ساتھ بیسویں صدی کا آخری سورج طلوع ہوا اس سورج کی متجسس نگاہیں کچھ ڈھونڈ رہی تھیں اور وہ اکیسویں صدی کے بارے میں کوئی واضح پیغام دینے کیلئے بے چین تھا۔ اتفاق یہ رہا کہ بیسویں صدی کا آخری سورج نہ تو یہودیوں کی پسند کے مطابق ہفتے کو نکلا اور نہ عیسائیوں اور مشرکوں کی خواہش کے مطابق اتوار کو بلکہ سورج مسلمانوں کے مبارک دن جمعہ کو طلوع ہوا اور ابھی اس سورج نے آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ کفر کے عزائم خاک میں اور اس کی ناک مٹی میں ملنے لگی سورج مغرب کی طرف جارہا تھا تب قندھار ائیر پورٹ پر ایک طیارہ اتر رہا تھا اور سورج کی لال

انگارہ آنکھیں کافروں کو یہ بتا رہی تھی کہ تم ہار چکے ہو، شکست تمہارا مقدر بن چکی ہے، اسلام جیت چکا ہے جہاد اپنا لوہا منوا چکا ہے۔ اسلامی اخوت کی تابناک صبح طلوع ہو چکی ہے۔ اسی اثناء میں عصر کا وقت آ پہنچا۔ سورج چھپ چھپ کر دیکھ رہا تھا کہ بیت اللہ اور مسجد نبوی شریف سے لے کر امریکہ اور یورپ کی مساجد میں خوشیاں منائی جا رہی ہیں شکرانے کے نوافل پڑھے جا رہے ہیں مٹھائیاں بٹ رہی ہیں۔ جبکہ کفر کی صفوں میں ماتم ہو رہا ہے منافقوں کی آنکھیں صدمے سے باہر آ رہی ہیں وہ ٹیلیویژن اور ریڈیو جو خود انہوں نے ایجاد کیا تھا اس دن خود ان کی شکست کی خبر کو بار بار سنا رہا تھا اور یوں بیسویں صدی کے آخری دن اسلام کی فتح اور عظمت کا حتمی فیصلہ اکیسویں صدی کا رخ متعین کر رہا تھا، کاش! مسلمان اسے سمجھیں تا کہ جانبازوں کی سرفروشی شہداء کے خون اور اسلام کی فتح کا یہ تابناک سلسلہ چلتا رہے۔ کاش! کافر اسے سمجھیں اور اسلام کے دامن میں پناہ لے کر مزید رسوائی سے بچ جائیں۔

بابری مسجد کی شہادت ہندوؤں کو بڑی مہنگی پڑی

۳۱؍دسمبر ۱۹۹۹ء کے ایمان افروز فاتحانہ معرکے کی کڑیاں ۶؍دسمبر ۱۹۹۲ء کے اندوہناک دن کے ساتھ جا ملتی ہیں، اگرچہ میری گرفتاری تو ۱۱؍فروری ۱۹۹۴ء کے دن ہوئی لیکن میری اسارت کی پوری تاریخ ۶؍دسمبر ۱۹۹۲ء سے لے کر ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۹ء پر مشتمل ہے۔ آیئے چھ دسمبر ۱۹۹۲ء کی طرف مڑتے ہیں۔ جب ہندوستان کے صوبے اتر پردیش (یوپی) کے ضلع فیض آباد کے ایک قصبے ایودھیا میں وحشت ناک قہقہوں کے بیچ ہم مسلمانوں کی عزت اور غیرت پر کدالیں ہتھوڑے اور پھاوڑے برسائے جا رہے تھے۔ مسلمانوں کی غفلت کا شکار اور آئندہ ان کی بیداری کا ذریعہ بابری مسجد شہید کی جا رہی تھی۔ دہلی میں قائم نرسمہا راؤ کی کانگریس حکومت گاندھیائی منافقت کا لبادہ اوڑھے اپنا سر گھٹنوں میں دبائے بیٹھی تھی۔ جب کہ یوپی کی صوبائی حکومت کلیان سنگھ نامی مشرک وزیر اعلیٰ کی قیادت میں مسجد گرانے کا کام اپنے ہاتھوں سے کر رہی تھی۔ اس دردناک دن دیوبند اور سہارنپور کی مساجد میں نمازیں پڑھنے والوں سے لے کر بمبئی کے فلم اسٹوڈیو میں ناچنے اور تھرکنے والے مسلمانوں تک سبھی حیران و ششدر تھے۔ وہ بھی رو رہے تھے جو عرصہ دراز سے متعصب ہندوؤں کے عزائم سے واقف تھے۔ اور وہ بھی چیخ رہے تھے

جنہیں ہندوستان کے نقلی سیکولرازم پر اب تک مکمل اعتبار تھا اور وہ بھی سکتے میں تھے جواب تک ہندوستان کو مسلمانوں کیلئے پاکستان سے زیادہ محفوظ قرار دے رہے تھے۔اس دن مسلمانوں کو اجتماعی طور پر محسوس ہوا کہ وہ ہندوستان میں تنہا ہیں اور ان کی پونجی لٹ چکی ہے۔اور ان کی نسلوں کا مستقبل خطرے میں ہے۔وہ مسلمان جنہیں علی گڑھ کی یونیورسٹی اور ضمیر فروش مسلمان لیڈروں نے غفلت کے انجکشن لگا رکھے تھے ان کا ایمان اور ان کی غیرت بھی انگڑائیاں لینے لگی اور سیکولرازم کے نعرے کی خواب آور گولیاں اپنا اثر کھونے لگیں۔

ہندوؤں نے ستر سال تک اپنے کام کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ان کا ایک طبقہ تو آر ایس ایس (راشٹریہ سوئم سیوک سنگھ) اور وی ایچ پی (وشوا ہندو پریشد) کی قیادت میں اندر ہی اندر پل رہا تھا اور ہندوستان کے فوجی اور سول اداروں پر آہستہ آہستہ قبضہ کر رہا تھا اور نوجوانوں کو خفیہ عسکری تربیت دے رہا تھا اور پورے جنوبی ایشیا کو اکھنڈ بھارت بنانے کیلئے زیر زمین تحریک چلا رہا تھا۔جب کہ ان کا دوسرا طبقہ اپنے سر پر گاندھی ٹوپی رکھ کر مسلمانوں کو دھوکہ دینے انہیں خواب غفلت میں مبتلا رکھنے اور سیکولرازم کی تھپکیاں دے کر ان کے ایمان اور غیرت کو سلانے میں مصروف تھا۔یہ دونوں طبقے مسلمانوں کیلئے خطرناک تھے۔ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ترشول (ہندوؤں کا مذہبی ہتھیار) تھا جس کی تینوں نوکیں مسلمانوں کے خون میں نہانے کیلئے بے تاب تھیں۔جبکہ دوسرے کے ہاتھ میں میٹھے زہر کا جام تھا جو مسلمانوں کو دونوں ہاتھوں سے صرف اس لئے پلایا جاتا تھا کہ وہ مسلمان نہ رہیں اور ہمیشہ آپس میں لڑتے رہیں۔یہ دونوں طبقے برصغیر کی تقسیم کے بعد سے اپنا کام بڑی تیزی سے کر رہے تھے اور مسلمان مرکز، مرکزیت اور قیادت کھو دینے کی وجہ سے ان دونوں طبقوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار تھے۔اسی طرح وہ بعض نام نہاد فرقے جنہیں اس بات کا اصرار ہے کہ وہ مسلمان ہیں ہندوؤں کی ان تمام سازشوں میں ان کا مکمل ہاتھ بٹاتے رہے۔اس سلسلے میں اہم کردار قادیانیوں، چکڑالویوں (منکرین حدیث) اور بعض دیگر فرقوں نے ادا کیا۔

ان حالات کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمانوں کو طرح طرح کے مسائل، مصائب اور خدشات کا سامنا تھا اور دوسری طرف پوری اسلامی دنیا نے ہندوستان کے مسلمانوں کو فراموش کر دیا اور انہیں اپنے سے کٹا ہوا ایک الگ حصہ سمجھ لیا۔چنانچہ ہندوستان کے مسلمانوں کیلئے حالت یہاں تک آ پہنچی۔

منزل نہ رہی ساحل نہ رہا ساحل کی تمنا بھی نہ رہی
اے پوچھنے والے ظاہر ہے انجام ہمارا کیا ہوگا

غلامی خود ایک ایسی بیماری ہے جو قوم کو طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ غلام قومیں اعتدال سے محروم ہو جاتی ہیں۔ انہیں ہر سانس جینے کیلئے نفاق کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اس لئے جھوٹ اور موقع پرستی ان کی عادت بن جاتی ہے۔ غلامی انسان کی زبان کو تیز اور ہمت کو پست کر دیتی ہے اور انسان میں کرنے کی بجائے صرف کہنے اور زیادہ سے زیادہ بولنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ غلامی انسان میں احساس کمتری کا خوفناک مرض پیدا کر دیتی ہے جس کے نتیجے میں تصنع بناوٹ اور تکبر کے امراض پیدا ہوتے ہیں اور انسان ہر وقت خود کو سنبھالنے، چڑھانے اور بڑھانے کے فضول کام میں لگا رہتا ہے۔ غلامی میں پلنے اور بڑھنے والی قومیں دل کو بھول کر پیٹ کی فکر میں لگ جاتی ہیں اور پیٹ کی یہ زیادہ فکر انہیں ہر جرم میں مبتلا کر دیتی ہے۔ غلامی کا درد انسان کو نشے اور طرح طرح کے لہو ولعب میں پھنسا دیتا ہے اور انسان اپنے درد کو بھلانے کیلئے خود فراموشی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ غلام قومیں عام طور سے ایثار قربانی اور وفاداری سے محروم ہو جاتی ہیں اور مسائل و مصائب کی کثرت انہیں خود غرض بنا دیتی ہے۔ وہ اپنے لئے جیتے ہیں اور اپنے علاوہ کسی کی فکر نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ان کی سوچ محدود اور ان کا دائرہ عمل سکڑ جاتا ہے اور وہ گھٹیا اور عام چیزیں ان کے ہاں اہمیت حاصل کر لیتی ہیں جن کی طرف انسان کا زیادہ توجہ کرنا انسانیت کیلئے سوائے عار کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

غلامی میں رہتے ہوئے غلامی کے موذی اثرات سے بچنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا ہے۔ پھر انسانی فطرت یہ ہے کہ وہ آسانی سے اپنی غلطی اور شکست تسلیم نہیں کرتا، غلام قومیں بعض اوقات غلامی کو شکست سمجھ کر اس سے نکلنے کی بجائے غلامی کو فخر سمجھنا شروع کر دیتی ہیں تب انہیں حقائق کا انکار کرنا پڑتا ہے اور آزاد قوموں کے عیب نکالنے پڑتے ہیں۔ بس غلامی کا یہ درجہ انتہائی خطرناک ہوتا ہے کیونکہ اس درجہ پر پہنچنے کے بعد آزادی کی خواہش دم توڑ دیتی ہے اور انسان خود کو حالات کے حوالے کر کے تباہی اور ذلت کو اپنا مقدر سمجھ لیتا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں سے وحید الدین خان کی کتابوں کو اگر آپ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ غلامی کے اس خطرناک درجے تک پہنچ چکے ہیں چنانچہ اس کی خاطر وہ جہاد اور آزادی جیسے حقائق کا انکار بھی کر رہے ہیں اور آزاد منش مجاہدین بھی ان کو بہت برے لگتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر کی غیر

منصفانہ تقسیم نے ہندوستان کے مسلمانوں کو غلامی کی غار میں دھکیل دیا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل اور اکابرین کی محنتوں کا ثمرہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی ایک قابل قدر تعداد غلامی کے موذی اثرات سے محفوظ رہی لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے غلامی کے مختلف اثرات کو قبول کرلیا ہے۔ چنانچہ وہ خوفناک بیماریاں ان میں صاف نظر آرہی ہیں جن کی طرف ہم نے چند سطروں میں پہلے اشارہ کیا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ غلامی انسان میں چونکہ خود نمائی اور تکبر بھی پیدا کردیتی ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ ہماری یہ بات ہندوستان کے بعض مسلمانوں پر گراں گزرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح سے کوئی انسان اپنی ذات میں یا اپنے گھر والوں میں کوئی عیب اور بیماری اس لئے تلاش کرتا ہے تاکہ اس کا علاج اور ازالہ کیا جاسکے۔ اسی طرح ہم اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں کیلئے فکرمند ہیں اور الحمدللہ ہندوستان کے اکثر مسلمان ہماری اس نیت اور ارادے کو اچھی طرح سے سمجھتے ہیں۔ اسی طرح غلامی کے امراض گنوانے کا مقصد یہ بھی ہرگز نہیں ہے کہ آزاد مسلمان دودھ کے دھلے ہیں اور پاکستان والوں میں کوئی عیب نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو آج اجتماعی طور پر غلامی کے طوق کا سامنا ہے اور ہم میں سے کوئی بھی مکمل طور پر آزاد نہیں ہے۔ جہاد چھوڑنے کی لعنت نے ہمیں ذلت کی پستیوں میں گرادیا ہے اور یہودیوں کی بہت ساری عادتیں اپنانے کی وجہ سے ہم قدم قدم پر ذلیل ہورہے ہیں۔ (من حیث القوم) ہم اجتماعیت سے بھی محروم ہیں اور مرکز سے بھی۔ اگر کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو وہ بتائے کہ آج ہمارا مرکز کونسا ہے؟ ایسا مرکز جو ہم سب کیلئے برابر ہو اور ہم سب کا غمخوار ہو ایسا مرکز جسے ہم مکمل طور پر اپنا کہہ سکیں اور جہاں پر ہم مسلمانوں کو غیروں پر ترجیح دی جاتی ہو۔ ایسا مرکز جہاں پہنچ کر ہم خود کو محفوظ سمجھیں۔ اور جہاں پر ہمارے ساتھ رنگ نسل اور علاقے کا امتیاز نہ برتا جاتا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ اب چند سال سے الحمدللہ ایک مرکز کے آثار نمایاں ہورہے ہیں لیکن ہماری غفلت سستی اور خودغرضی کی وجہ سے وہ مرکز بھی اب تک مکمل طور سے محفوظ و مضبوط نہیں ہو سکا۔ خیر چھوڑیئے درد کی اس داستان کو کسی اور وقت کیلئے اٹھا رکھتے ہیں۔ ہم تو ہندوستان کے حالات کی بات کہہ رہے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان غلامی کے خنجر تلے دم توڑ رہے تھے جب کہ متعصب ہندو اژدہا طویل غلامی کے اثرات سے نکل کر آہستہ آہستہ اپنا پھن اٹھا رہا تھا۔ آر ایس ایس نامی تنظیم اپنی ستر سالہ خفیہ محنت کے بعد اس حیثیت میں پہنچ چکی تھی کہ اب وہ آخری

معرکہ گرم کرے اور ہندوستان کو مسلمانوں کیلئے دوسرا اسپین بنادے۔ آر ایس ایس کی نظریہ ساز تنظیم وشوا ہندو پریشد بھی اپنا کام وسیع کر چکی تھی۔ آر ایس ایس کا عسکری بازو بجرنگ دل اور شیو سینا وغیرہ ناموں سے اپنی طاقت بنا چکا تھا۔ عام سویلین اداروں سے لے کر حساس اداروں تک میں نیکر دھاری ہندو نظر آ رہے تھے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کی مکمل صفائی کیلئے سکھوں کو ساتھ لینا بھی ضروری سمجھا۔ چنانچہ آر ایس ایس نے اکالی دل کے سب سے مضبوط دھڑے کو اپنے ساتھ ملالیا اور یوں ہندوستان کو اسپین بنانے کی تیاری مکمل ہو چکی تھی مگر ہندوؤں کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ آغاز کہاں سے کیا جائے؟

بہت غور فکر کے بعد مسلمانوں کی مکمل بربادی کے آغاز کیلئے بابری مسجد کو منتخب کر لیا گیا۔ غالباً اس انتخاب میں مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھا گیا:

۱۔ بابری مسجد کی جگہ رام مندر کا اعلان سارے ہندوؤں کو ایک پلیٹ فارم پر لے آئے گا کیونکہ کوئی بھی ہندو رام کی یا اس کے نام سے بننے والے مندر کی مخالفت نہیں کرے گا۔

۲۔ بابری مسجد طویل عرصے سے ویران پڑی ہے۔ اس کے گرنے سے ہندوستان کے مسلمانوں کا خصوصاً اور دنیا بھر کے مسلمانوں کا عموماً ردعمل آئندہ کے اقدامات کی راہ متعین کرے گا۔

۳۔ یوپی میں مسلمانوں کی آبادی پانچ کروڑ سے زائد ہے اور مسلمانوں کی قیادت بھی عام طور پر یوپی سے جنم لیتی ہے۔ چنانچہ ان کے مرکز میں ہونے والا دھماکہ حالات کو اچھی طرح واضح کرے گا۔

۴۔ یوپی میں صوبائی سطح پر بی جے پی کی حکومت تھی اس لئے یہ کام آسان تھا اور پھر رام مندر کا نعرہ بی جے پی کو یوپی سے مرکز تک پہنچا سکتا تھا۔

غالباً انہیں وجوہات کی بناء پر بابری مسجد کو منتخب کر لیا گیا اور چھ دسمبر کی تاریخ مقرر کی گئی بظاہر تو مشرکوں نے بہت غور و فکر کے بعد یہ انتخاب کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ کم عقل مشرک سے اس انتخاب کے معاملے میں بڑی غلطی ہوئی اور آئندہ کے حالات نے یہ واضح کر دیا کہ بابری مسجد کا انتخاب ہندوؤں کو بہت مہنگا پڑا۔ چھ دسمبر کے اس غمناک واقعہ کا میری گرفتاری سے بہت گہرا تعلق ہے۔

دو کُڑھتے دل

میں ان دنوں افغانستان کے جہاد میں مگن تھا اور کشمیر کی جہادی تحریک میں بھی اپنا کمزور سا حصہ ڈالتا رہتا تھا۔ جہاد کی دعوت کے حوالے سے مختلف ملکوں اور شہروں میں دورے اور تقاریر بھی ہوتی تھیں اور جہاد کے عنوان سے تھوڑا بہت لکھنے کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ تنظیم کا دعوت وارشاد کا شعبہ اور ماہنامہ صدائے مجاہد کی ادارت میرے ذمہ تھی اور ساتھ ساتھ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں تدریس کی سعادت بھی حاصل تھی۔ بابری مسجد شہید ہوئی تو حقیقت میں مجھے بے حد صدمہ پہنچا۔ کیونکہ اس دردناک سانحے سے کئی ماہ قبل میں اپنے رسالے میں ''آہ بابری مسجد'' کے عنوان سے اس موضوع پر لکھ چکا تھا اور میں نے اس دردانگیز مضمون کے ذریعے بابری مسجد کے گرد جلنے والی آگ کو بجھانے کیلئے ایک ادنیٰ اور حقیر سی کوشش کی تھی۔ مجھے علم ہے کہ اس تحریر کو پڑھ کر بہت سارے مسلمان شدت جذبات سے رو پڑے۔ بہت ساروں کے دلوں میں کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہوا لیکن مرکز، وسائل اور جہاد کے عمومی رجحان کے فقدان نے کچھ نہ ہونے دیا اور سوا ارب مسلمانوں کی کھلی آنکھوں کے سامنے بابری مسجد کو گرا دیا گیا۔ اس دن سے میں نے بابری مسجد کا درد بانٹنا اور رونا شروع کر دیا۔ بابری مسجد کی شہادت

کے موضوع پر پے در پے تین تقاریر ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان تقاریر کو دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں افراد کے کانوں اور دلوں تک پہنچا دیا۔ معصوم بچوں نے ان تقاریر کو سن کر یاد کیا تو بڑوں نے ان کی کیسٹیں پھیلانے کا کام شروع کر دیا۔ معلوم نہیں وہ کون سی ہوائیں تھیں جن کے کاندھوں پر ان تقاریر نے پورے عالم کا سفر طے کر ڈالا۔ غالباً یہ بابری مسجد کی مظلومیت کی شدت تھی کہ اسکا تذکرہ ہر طرف پھیل گیا ورنہ نہ تو میں کوئی مقرر و خطیب تھا اور نہ کوئی خوش الحان بیان باز۔ اور نہ ہی میں نے ان کیسٹوں کو پھیلانے کی کوئی کوشش کی تھی۔ بس یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور جہاد کی برکت تھی کہ ہر طرف کیسٹیں پھیلتی چلی گئیں اور مختلف دلوں میں مختلف اثرات ابھارتی چلی گئیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں تک یورپ، امریکہ اور بعض عرب ممالک کے توسط سے یہ کیسٹیں پہنچیں تو وہاں عجیب ماحول برپا ہو گیا۔ نوجوان شدت جذبات سے بے چین ہوئے اور بزرگوں نے اپنے ہاتھوں سے ان کیسٹوں کو تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ بابری مسجد کی شہادت کے اصل زخم خوردہ ہندوستان کے ہی مسلمان تھے اور انہی کے مکمل خاتمے کے آغاز کا نام تھا ''بابری مسجد کی شہادت'' اس لئے ان تقاریر کا سب سے زیادہ اثر ہندوستان کے مسلمانوں نے لیا اور انہیں اس بات سے ڈھارس ملی کہ ان کے ملک کی سرحدوں کے پار ان کے درد کو محسوس کرنے والے موجود ہیں اور انہیں یہ تسلی بھی ملی کہ وہ اکیلے نہیں ہیں۔ مگر سوال یہ تھا کہ یہ تقریر کس کی ہے؟ بعض کیسٹوں پر نام لکھا ہوا تھا مگر یہ نام اکثر لوگوں کیلئے اجنبی تھا۔ غریب مسلمانوں نے تو تقریر سنی نام پڑھا اور آہیں بھر کر خاموش بیٹھ گئے۔ لیکن بعض اہل ثروت مسلمانوں نے اس آواز کو ڈھونڈنے کی ٹھان لی۔ ان میں بعض علماء کرام تھے اور بعض سیاستدان۔ ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ وہ اس شخص کو ڈھونڈ کر اس سے مشورہ کریں جو بابری مسجد کے درد کو مسلمانوں کے سامنے لایا ہے ممکن ہے اس کے یہاں ہندوستان کے مسلمانوں کے مسائل کا کوئی حل نکل آئے۔

ادھر کئی مسلمان اس فکر میں تھے کہ اس آواز کو ڈھونڈیں اور دوسری طرف میں اپنے رفقاء کرام کے ساتھ ان مشوروں میں مصروف تھا کہ ہندوستان کی دیگر مساجد کا تحفظ کس طرح کیا جائے؟ بابری مسجد کی دوبارہ تعمیر کیلئے کونسا راستہ اختیار کیا جائے؟ اور متعصب ہندوؤں کے خوفناک سیلاب کی زد سے مسلمانوں کو کس طرح سے بچایا جائے ہمارے پاس اللہ تعالیٰ پر توکل اور عزم کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ہم نہتے تھے۔ جبکہ ہمارے سامنے ایک طاقتور، ضدی اور گھمنڈی دشمن تھا۔ ہم کمزور اور بے بس تھے لیکن جہاد اور اس کے نتائج کے بارے میں نازل ہونے والی

آیات ہماری ڈھارس بندھا رہی تھیں۔ چنانچہ ہم نے یہ عزم کرلیا تھا کہ بابری مسجد کو گرا کر لال کرشن ایڈوانی اور بال ٹھاکرے نے جو چیلنج مسلمانوں کو دیا ہے ہم اسے باوجود بے سروسامانی کے قبول کرتے ہیں۔

کام کس طرح سے اور کہاں سے شروع کیا جائے؟ اس بارے میں غور وفکر جاری تھا کہ ایک غیر ملکی سفر کے دوران فجر کی نماز میں میری بائیں جانب ایک صاحب آ کر کھڑے ہوگئے چونکہ اقامت پڑھی جا رہی تھی اس لئے نہ ملاقات ہوسکی نہ تعارف۔ نماز کے بعد وہ بھی اور میں بھی اپنے معمولات میں مشغول رہے۔ مجھے اس بات کا ہرگز احساس نہیں تھا کہ وہ میرے انتظار میں میرے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں اور ہزاروں میل کا سفر طے کر کے ملاقات کیلئے تشریف لائے ہیں۔ میں اپنے معمول کے مطابق جب فارغ ہو کر کھڑا ہوا تو وہ بھی کھڑے ہوگئے اور نہایت گرم جوشی کے ساتھ بغلگیر ہوگئے۔ میرے جاننے والے ایک صاحب نے ان کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ یہ فلاں ملک سے آئے ہیں اور آپ سے کچھ الگ بات کرنا چاہتے ہیں۔ ملاقات کا وقت طے ہوگیا۔ زخمی دل لئے وہ شخص اور میں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ گفتگو کے آغاز ہی میں دوسرے ملک سے آنے والے صاحب کی آنکھیں چھلک پڑیں انہوں نے بابری مسجد والی تقریر کا حوالہ دیا اور فرمایا کہ نوجوان بے تاب ہیں بزرگ رو رہے ہیں مسلمانوں پر عجیب بے چینی اور بے تابی کی کیفیت طاری ہے خدا کیلئے آپ کچھ کریں راستہ بتائیں چلنے والے بہت ہیں، وہ جذبات اور بے خودی میں تمام احتیاطوں کو بالائے طاق رکھ کر بہت کچھ فرما گئے اور دوران گفتگو اپنے ہم خیال کئی افراد کا تعارف بھی کرا گئے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس قدر حساس اور خطرناک موضوع پر پہلی ہی گفتگو میں دونوں افراد نے ایک دوسرے پر مکمل بھروسہ اور اعتماد کرلیا حالانکہ اس طرح کے معاملات میں پھونک کر قدم اٹھایا جاتا ہے اور مہینوں کی جانچ پڑتال کے بعد اعتماد کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ لیکن بعض حالات اور بعض افراد عمومی قوانین سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ اس ملاقات میں بھی ایسا ہی ہوا دو کڑھتے دل آپس میں مل گئے اور یہ طے پایا کہ ہر حال میں کام شروع کر دیا جائے اور کام کا مبارک آغاز رمضان المبارک کے برکت والے مہینے میں مسجد نبوی شریف کے پاکیزہ جہادی ماحول سے کیا جائے۔ ملاقات ختم ہوگئی ایک سفر کے بعد دوسرے سفر کا دور چلتا رہا مگر دل بے چین اور بے قرار تھا کہ کب رمضان المبارک آئے گا؟ اور کب مسجد نبوی شریف میں بیٹھ کر دیوانے ایک اہم فیصلہ کریں گے؟

جدہ ائیر پورٹ پر

میں پاکستان سے دور ایک افریقی ملک میں اپنے دوست احباب کے ساتھ تھا۔ رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو چکا تھا اور اسی مبارک مہینے کی۔ تیئسویں رات ہم نے مدینہ منورہ میں ریاض الجنۃ کے مقام پر جمع ہونا تھا۔ وسط رمضان گزرنے کے بعد میں نے اپنے ایک دوست کے توسط سے سعودی سفارتخانے سے رجوع کیا۔ سعودی سفیر کے ساتھ گہرے دوستانہ مراسم کی برکت سے میرا یہ دوست صرف ایک گھنٹے کے اندر عمرے کا ویزہ لینے میں کامیاب ہوگیا۔ ورنہ کہاں پاکستانی پاسپورٹ اور کہاں سعودی حکام کی یہ نظر عنایت، پاکستان میں تو الحمدللہ عمرے کے ویزے کے سلسلے میں کبھی زیادہ دشواری نہیں ہوئی لیکن دوسرے ممالک میں میرا یہ تجربہ رہا ہے کہ پاکستانی پاسپورٹ دیکھتے ہی سعودی سفارتخانے محبت ومودت کے تمام دروازے بند کر دیتے ہیں اور عمرے کے ویزے کیلئے اتنا رلاتے ہیں کہ اونٹوں کا سفر زیادہ آسان لگنے لگتا ہے اور سعودیہ سے نکلنے والا زمینی تیل اسلامی اخوت کے گلے پر چلنے والی تلوار دکھائی دیتا ہے۔ اس میں کچھ قصور تو پاکستانیوں کا بھی ہے کہ وہ چند ریالوں کے لالچ میں سعودیہ میں ڈیرے ڈال دیتے ہیں اور کچھ نازیبا حرکتیں بھی کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تیل کی دولت نے بہت سارے عربوں

سے انسانیت اور دینی قیادت چھین لی ہے اور وہ ان اخلاق سے عاری ہوتے جارہے ہیں جن کی بدولت انہیں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور حرمین کی خدمت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ خیر مجھے اس بار آسانی سے ویزہ مل گیا جس پر میں نے اللہ تعالیٰ کا خوب شکر ادا کیا۔ ۲۳ تاریخ قریب آرہی تھی مجھے اطلاع ملی کہ اجتماع کے بعض شرکاء جدہ پہنچ چکے ہیں۔ چنانچہ میں نے بھی رخت سفر باندھ لیا۔ یہ بہت طویل اور تھکا دینے والا سفر تھا۔ ایک جہاز کے بعد دوسرا جہاز لینا پڑتا تھا اور راستے میں ان گندے ایئرپورٹوں پر انتظار کی گھڑیاں کاٹنی پڑتی تھیں جہاں انسانیت دم توڑ چکی ہے۔ حسن اتفاق سے بعض اچھے رفقاء سفر نصیب ہوگئے۔ ان کی منزل بھی مکہ مکرمہ تھی۔ قرآن مجید بھی ساتھ تھا اور پھر حرمین شریفین کی زیارت کیلئے دل کی تڑپ اور عظیم کام کے مشورے میں شرکت کا جنون بھی سفر کو آسان کرنے میں مددگار ثابت ہوا۔ بالآخر چھتیس گھنٹے کے سفر کے بعد ہم جدہ پہنچ گئے۔ یہاں امیگریشن کی لائینیں لگی ہوئی تھیں سحری کا وقت ختم ہو رہا تھا، ہم نے ماحضر کے ساتھ روزہ رکھ لیا اور اپنے نمبر کے انتظار میں کھڑے ہوگئے۔ حسب معمول سعودی عملے کے تیور کافی گرم تھے۔ پاکستان سے آنے والے جہاز کے مسافروں کو جلاب کی گولیاں کھلائی جارہی تھیں اور بیت الخلاء لے جا کر یہ دیکھا جارہا تھا کہ ان میں سے منشیات کا سامان کون نگل کر آیا ہے۔ احرام کی خوبصورت چادروں میں ملبوس زائرین کے چہروں سے بے چینی ناگواری اور غصے کے آثار جھلک رہے تھے مگر وہ کیا کرتے؟ جبر کے ساتھ سب کچھ سہہ رہے تھے۔ ہم چونکہ ایک دوسرے ملک کے جہاز سے آئے تھے اس لئے جلاب کی گولیوں والے ناگوار عمل سے بہرحال محفوظ رہے۔ امیگریشن کا عمل اپنی روایتی سست رفتاری کے ساتھ چل رہا تھا۔ سعودی عملے کے ارکان کو اس بات کا کوئی احساس نہیں تھا کہ وہ حرمین شریفین کی زیارت کیلئے آنے والوں کے میزبان ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مسلمانوں کی قیادت کیلئے اور اسلام کے مرکز کی حفاظت کیلئے مامور فرمایا ہے۔ سگریٹ کے لمبے کش ہر چند منٹ بعد خوشبودار قہوے کی چسکیاں، ہر آدھے گھنٹے کے بعد بلاوجہ سیٹ چھوڑ کر چلے جانے کا عمل اور بعض اوقات طویل باہمی گفتگو میں انہاک یہ سارے کام توجہ کے ساتھ ہو رہے تھے۔ اور نہایت بے رغبتی اور سست رفتاری کے ساتھ پاسپورٹوں کو بھی بھگتایا جارہا تھا۔ یہ عمل میں اس سے پہلے بھی کئی بار دیکھ چکا تھا اور آج پھر میرا دل یہ سب کچھ دیکھ کر کڑھ رہا تھا۔ بوڑھے زائرین تھک کے قطاروں میں بیٹھ چکے تھے۔ عورتیں سخت پریشان تھیں بیماروں کا کوئی پرسان حال نہیں تھا اور اس پوری صورت حال کی شکایت بھی کسی سے

نہیں کی جاسکتی تھی۔ معلوم نہیں ہمارے ان عرب بھائیوں کو کیا ہوگیا ہے؟ وہی قوم جس نے قیصرو کسریٰ کے تخت وتاج اکھاڑ پھینکے تھے آج اپنی شہوت پرستی دنیاداری اور سستی کی بھینٹ چڑھ رہی ہے اور غلامی کی ان کھائیوں میں جا گری ہے جن کا تصور بھی روح فرسا ہے۔ یہی عرب جنہوں نے پوری دنیا کو اسلامی اخوت کا سبق دیا تھا آج غریب مسلمان ممالک کے افراد اور پاسپورٹ دیکھ کر ان کی آنکھوں سے نفرت چھلکنے لگتی ہے اور کافروں کے رخساروں پر ان کی دولت پانی کی طرح بہتی ہے۔ عرب چاہتے تو پٹرول کے خزانے کو استعمال کر کے ساری دنیا کے مسلمانوں کو آزادی دلا سکتے تھے اور اسلام کی عظمت رفتہ کو بحال کر سکتے تھے لیکن وہ تو خود پٹرول میں بہہ کر غلامی کی دلدل میں جا پھنسے ہیں اور اب ان سے ان کی تہذیب وثقافت اور ان کا دین سب کچھ چھینا جا رہا ہے۔ ایک زمانہ تھا (اور یہ زمانہ پھر آئے گا) جب لوگ ایمان بچانے کیلئے حرمین کی طرف دوڑتے تھے۔ لیکن آج حرمین والوں کو اپنا ایمان بچانے کیلئے افغانستان کے سنگلاخ پہاڑوں کی پناہ لینا پڑتی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب عرب سوکھی روٹی کھا کر دنیا پر حکومت کرتے تھے لیکن آج وہ سونے چاندی میں نہا کر بھی محکوم ہیں اور اپنے ملکوں میں اجنبی اور غلام بنتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عربوں پر اور تمام مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ اب تو بعض عربی قلمکار اسلام کو ایک طرف ہٹا کر اپنے عربی ہونے پر فخر کر رہے ہیں۔ کسی نے ایسے ہی لوگوں کو کیا خوب جواب دیا ہے:

''اے عربی مسلمانو! تمہاری عزت اور افتخار کی وجہ تمہارا عرب ہونا نہیں ہے۔ تمہیں آج جو کچھ ملا ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ملا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر تمہاری تاریخ سے نکال دیا جائے تو پھر دیکھو تم کون ہو؟ عاد وثمود کے کافر جن کا وجود زمین نے گوارا نہ کیا۔ لوط علیہ السلام کی قوم کے بدکار جن پر آسمان نے پتھر برسائے، ابوجہل وابولہب جیسے جہالت اور ظلم کے پتلے جن پر انسانیت کا سر شرم سے جھک گیا اور بتوں کے سامنے ننگے جھکنے والے وہ حیوان نما انسان جن کی زندگیاں ان کے پیٹ اور شرمگاہوں تک محدود تھیں۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ پر قرآن نازل ہوا تو عربوں کی قسمت کا ستارا بھی جگمگا اٹھا۔ عربوں کو عزت اور عظمت اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ملی ہے'' پس جب تک وہ اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخلص و وفادار رہیں گے عزت وعظمت ان کے قدم چومے گی، لیکن جب وہ اسلام سے دور ہٹ جائیں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کے دین اور طریقوں کو چھوڑ دیں گے تو پھر وہ زمین پر بدترین بوجھ بن جائیں گے۔ آج کا عربی کہاں کھڑا ہے؟ لازماً اسے اس پر غور کرنا ہوگا۔ دنیا کی ریل پیل اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ یہ پاخانے کے ڈھیر کسی کے پاس زیادہ ہوں یا کم اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ چنانچہ شاہ فیصل مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس پٹرول کی وجہ سے ہماری اسلامی عزت یا غیرت پر آنچ آئی تو ہم اپنے محلات گرا کر دوبارہ خیموں میں چلے جائیں گے اور تلواروں کے سائے تلے عزت کی زندگی گزاریں گے۔ کاش شاہ فیصل مرحوم کی یہ سوچ ان کے جانشینوں میں بھی منتقل ہو جائے اور وہ اپنے دین اور اپنی قوم کا اس قدر سستا سودا نہ کریں جس قدر آج ہو رہا ہے اور یہودی منہ چھپا چھپا کر ہم مسلمانوں پر ہنس رہے ہیں۔ میرا جب بھی سعودی عرب جانا ہوتا ہے وہاں کے ائیر پورٹ سے ہی یہ خیالات میرے ذہن کو کچوکے لگاتے ہیں۔ سعودی اہلکاروں کی نفرت بھری نگاہوں پر مجھے غصہ کم اور رحم زیادہ آتا ہے۔ کیونکہ وہ جس مال کے بل بوتے پر یہ سب کچھ کرتے ہیں وہ مال تو خود ان کے لئے وبال بنتا جا رہا ہے اور ان کی نسلوں سے اسلام اور عربیت نکلتی جا رہی ہے اور دنیا کے بڑے کافروں نے ان عرب شہزادوں کو اپنا بار بردار جانور سمجھ رکھا ہے۔ ایسا جانور جو ان کے ہر نخرے کو برداشت کرتا ہے۔ ہر حکم پر لبیک کہتا ہے اور ان کے کہنے پر اپنی ملت اور قوم تک سے غداری کرتا ہے۔ کاش! عربوں کو بھی اپنے میں سے کوئی ملا عمر ملے جو اس قوم کو غیرت عزت اور استغناء کا بھولا ہوا سبق یاد دلا سکے اور دوست دشمن کی پہچان کرائے۔

کئی گھنٹوں کے انتظار کے بعد امیگریشن کا مرحلہ مکمل ہوا تو سامان کی چیکنگ کا مرحلہ شروع ہو گیا۔ حرمین شریفین میں امن وامان برقرار رکھنے کے لئے اس معاملے میں جتنی سختی کی جائے وہ کم ہے۔ لیکن اگر انداز اور رویہ میزبانوں والا ہو اور خود کو خدام الحرمین سمجھا جائے تو نہ معلوم کتنے مسلمانوں کو راحت مل جائے اور کتنے بددین دیندار بن جائیں۔ لیکن یہاں بھی معاملہ بالکل حاکمانہ اور معاندانہ ہوتا ہے۔ میرے پاس مجاہدین کے کچھ اموال ڈالروں کی شکل میں تھے۔ سامان چیک کرنے والے سے میں نے جلدی کی درخواست کی اس کی طبع نازک پر یہ درخواست گراں گزری۔ اس نے میرے سامان سے ڈالروں کی گڈی نکال کر باریک بینی سے چیک کرنا شروع کر دی پھر ایک دوسرے ماہر کو بلا لیا۔ اس ماہر نے ڈالروں کو الٹا پلٹا کر دیکھا اور نہایت خوشی میں نعرہ لگایا: ''اے خالد! مبارک ہو ان میں بہت سارے ڈالر جعلی ہیں''۔ خالد صاحب جو مجھ سے انتقام لینے پر تلے ہوئے تھے فوراً خوشی سے اچھل پڑے۔ چالیس کے قریب نوٹوں کو جعلی قرار

دے دیا گیا اور مجھے مجرموں کی طرح الگ کر دیا گیا۔ عملے کے کئی افراد نے جمع ہو کر میری دوبارہ جامہ تلاشی لی، میرے جوتے کو کاٹ ڈالا اور مجھے ایک کمرے میں منتقل کر دیا گیا، اس کمرے میں ڈالروں کو چیک کرنے والی مشین لگی ہوئی تھی۔ چالیس جعلی نوٹوں کو مشین پر ڈالا گیا تو مشین نے ان میں سے بارہ کے علاوہ باقی نوٹوں کو بری کر دیا۔ اب بارہ نوٹ اور ایک مجرم کو ایک اور کمرے میں لایا گیا۔ یہاں ایک اور ماہر نے اپنی مشین کے روبرو بارہ نوٹوں کو پیش کیا تو اس مشین نے چار نوٹوں کو مشکوک اور باقی کو خالص امریکی قرار دے کر بری کر دیا۔ اب مجھے ایک بڑے کمرے میں پندرہ کے قریب آفیسروں کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ سب مجھے گھور رہے تھے اور طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے۔ میں نے انہیں کہا فجر کی نماز قضا ہو رہی ہے مجھے نماز پڑھنے دی جائے، انہوں نے اجازت دیدی۔ میں نے کمرے سے نکل کر ایک کونے میں نماز ادا کی اور اپنا معاملہ مالک حقیقی کے دربار میں رکھ دیا۔ میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور میں بار بار یہی کہہ رہا تھا ''یا اللہ! میں تو تیرے گھر کی زیارت کیلئے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کی حاضری کیلئے اور جہاد کے فریضے کو زندہ کرنے اور بابری مسجد کا حساب چکانے کیلئے یہاں حاضر ہوا ہوں۔ مگر میرے ساتھ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ دعا کے بعد دل میں سکون سا محسوس ہوا۔ میں دوبارہ بڑے کمرے میں پہنچا تو ایک صاحب مجھے پولیس تھانے میں پہنچانے کیلئے تیار تھے۔ بڑے آفیسر نے مجھے کہا کہ چار ڈالر مشکوک ہیں اس لئے تھانے تو جانا ہوگا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر بات شروع کر دی اور چیخ چیخ کر ان عرب آفیسروں سے کہنے لگا: ''کیا آپ لوگوں کی یہی مہمان نوازی ہے؟ کیا آپ لوگ مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں'' پھر اللہ تعالیٰ نے میری زبان پر جو جاری فرمایا میں نے کہہ ڈالا اور اپنے دل کا بوجھ خوب ہلکا کیا۔ میں نے انہیں جہاد کے متعلق بھی بتایا اور ان کی ذمہ داریوں کے متعلق بھی توجہ دلائی۔ میری گفتگو تسلسل کے ساتھ جاری تھی۔ میری آواز غم کی وجہ سے کانپ رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ان میں سے بعض کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ آخر تھے تو مسلمان، تھے تو عرب شہزادے۔ چنانچہ اسلام اور جہاد کی برملا دعوت نے ان کے ضمیر جھنجھوڑ دیئے اور ان کی غیرت کو جگا دیا۔ میں نے اپنی بات ختم کر کے کہا: ''لے چلو مجھے تھانے اور خوب ثواب کماؤ؟'' میں اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا مگر وہ سب بیٹھے رہے۔ ایسا لگتا تھا کہ ان پر سکتہ طاری ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کے حواس بحال ہوئے تو بڑے آفیسر نے بے ساختہ کہا: ''میں تو انہیں تھانے نہیں بھیجوں گا'' باقی نے بھی ہاں میں

ہاں ملائی۔ صرف وہ شخص ڈٹا رہا جس سے میں نے جلدی کی گستاخانہ درخواست کی تھی۔ لیکن سارے افسروں کو اپنے خلاف دیکھ کر وہ بھی نرم پڑ گیا۔ پھر ایک افسر نے میرا سامان اٹھایا دوسرا میرے آگے چلتا ہوا دروازے تک آیا۔ دونوں نے دروازے کے پاس مجھے گلے لگا کر رخصت کیا۔ ان میں سے ایک نے معذرت بھی کی اور میں اطمینان کا سانس لے کر ائیر پورٹ کی اندرونی عمارت سے باہر نکل آیا۔ مجھے اطلاع تھی کہ کچھ لوگ مجھے ائیر پورٹ پر لینے آئیں گے۔ میں دائیں بائیں انہیں تلاش کرنے لگا۔ اچانک میری نگاہ سامنے والی پارکنگ پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ وہ ہستی جس سے میری ملاقات ایک مسجد میں ہوئی تھی بے چینی کے ساتھ میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں آگے بڑھ کر ان سے بغلگیر ہو گیا۔ وہ میرے دیر سے نکلنے پر فکرمند تھے جبکہ مجھے جلد کعبۃ اللہ پہنچنے کی فکر تھی۔

روضۂ رسول کے جوار میں

دوسرے تمام ساتھی پہلے سے ہی جدہ میں منتظر تھے۔ جدہ میں مختصر قیام کے بعد ہمارا قافلہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔ سب نے احرام کی سفید چادریں باندھ رکھیں تھیں اور زبانوں پر **لبیک اللھم لبیک** کا اعلان وفا تھا۔ حدود حرم شروع ہوتے ہی دل کی کیفیات بدل جاتی ہیں اور مکہ مکرمہ کے شروع ہونے کا احساس اس وقت زیادہ ہوتا ہے جب شارع ستین کا قدیم علاقہ شروع ہوتا ہے۔ میرے ساتھ یہ عجیب معاملہ ہے کہ جب بھی مکہ مکرمہ میں حاضری نصیب ہوتی ہے تو دعاؤں کا حرص بڑھ جاتا ہے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ پہلے کیا مانگوں اور کس دعا کو مؤخر کروں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کریم میزبان نے اپنے گھر کی حاضری کے ساتھ اپنی رحمت کے بھی تمام خزانے کھول دیئے ہیں اور اپنے چھوٹے سے مہمان کو ان خزانوں میں سے مانگنے کا کھلا اختیار دے دیا ہے۔ مجھ جیسے بے کار اور چھوٹے سے انسان کو اپنے گھر بلا لینا ہی مالک کا اتنا بڑا فضل ہے جس کا شکر ادا کرنے سے زبان قاصر ہے۔ زبان پر طرح طرح کی عربی دعائیں اور اردو التجائیں آرہی تھیں۔ دل میں دینی اور ایمانی تمناؤں کے طوفان اٹھ رہے تھے۔ دل اور آنکھیں کعبۃ اللہ کی زیارت کیلئے اور زیادہ بے تاب ہورہی تھیں۔ پھر چونکہ اس بار کی

حاضری ایک خاص مقصد کے تحت تھی اس لئے دعاؤں میں اسی مقصد کا حصہ غالب تھا۔ مسجد حرام پہنچ کر بلا تاخیر اس میں حاضری کی ترتیب بنالی گئی۔ رمضان المبارک کے ہجوم میں بچھڑنے کی صورت میں ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کا نظم بھی طے کرلیا گیا۔ اور اچھا یہی ہوتا ہے کہ انسان ہر طرح کی فکروں سے آزاد ہوکر کعبہ شریف کے سائے میں پہنچے تاکہ کعبہ شریف پر پڑنے والی پہلی نگاہ کے پورے مزے لوٹ سکے اور اپنے دل کی مرادیں مالک کے دربار میں پیش کرسکے، کیونکہ اگر یہاں پہنچ کر بھی انسان مالک کی طرف یکسو نہ ہوا تو پھر کہاں ہوگا؟ یہاں پہنچ کر بھی اگر دل مالک کے ساتھ نہ جڑا تو پھر کہاں جڑے گا؟ یہاں پہنچ کر بھی گناہوں سے نفرت نہ ہوئی تو پھر کہاں ہوگی؟ یہ شکوہ بجا ہے کہ کعبہ کے میزبانوں نے اس کے اردگرد کے ماحول کو دنیا داری سے سخت متاثر کردیا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ دنیا کی ریل پیل اور کعبہ کے اردگرد کی دکانوں پر بکنے والا سامان زائرحرم کو غافل کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو جانتا ہو اور اسے پہچانتا ہو اسے اردگرد کی چیزوں سے کیا غرض؟ اللہ تعالیٰ کے سچے عاشق کو تو جنت کی عالی قدر نعمتیں بھی مالک حقیقی سے غافل نہیں کرسکتیں۔ چہ جائے کہ دنیا کی حقیر وغلیظ چمک اسے غافل کردے۔ سچے مومن کے نزدیک دنیا کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہوتی وہ مالک کی چوکھٹ پر سر رکھنے آتا ہے اور اپنے دل میں یہ تمنا لے کر آتا ہے کہ مالک اس کے سر کو اپنے راستے میں قبول فرمالے اور وہ مالک کی چوکھٹ پر سر رکھ کر اس سر کے بدلے مالک کو راضی کرنے آتا ہے۔ چنانچہ وہ لبیک **اللھم لبیک** کہہ کر خود کو پیش کرتا ہے اور اپنے سر کر جھکاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے خود اسی (یعنی اللہ تعالیٰ) کو مانگتا ہے۔ عشق کی اس تجارت اور محبت کے اس نرالے انداز میں دنیا کی حقیر وملعون چیزیں کہاں آڑے آسکتی ہیں؟ الحمد للہ آج پھر مالک نے کرم فرمایا اور اپنے ادنیٰ سے غلام کو اپنے گھر آنے کی توفیق بخشی۔ میں نے اور میرے رفقاء کرام نے ہاتھ اٹھالئے اور دھڑکتے دل کے ساتھ دعائیں کرنے لگے۔ کہاں یہ چند نہتے افراد اور کہاں جموں سے لے کر کنیا کماری تک ٹھاٹھیں مارتا ہوا شرک کا طوفان۔ لیکن یہ چند نہتے افراد آج اپنا معاملہ اس ذات کے حضور پیش کررہے تھے جس کی بے پناہ طاقت ونصرت کے سامنے ٹھاٹھیں مارتے سمندر بھی پانی کے ایک قطرے سے زیادہ کمزور اور بے بس ہوکر رہ جاتے ہیں۔ وہ رب جب چاہتا ہے تو چھوٹی سی کنکریوں اور مکڑی کے جالے کو قوت عطا فرمادیتا ہے اور جب وہ چاہتا ہے تو ہاتھیوں کے لشکر اور انسانی قوت کے ستونوں کو حقیر وذلیل کرکے رکھ دیتا ہے۔ سارے ساتھی دل

کھول کر اور دل بھر کر دعائیں مانگتے رہے۔ اس کے بعد طواف، دوگانہ طواف، زمزم، صفا مروہ کی سعی اور حلق کے مراحل آئے۔ ہر مرحلہ پُر کیف تھا، کئی بار ارادہ ہوا کہ حرمین کی باتیں لکھی جائیں لیکن نہ دل نے ساتھ دیا نہ قلم نے۔ ہر بار یہی سوچا کہ انشاء اللہ اگلی بار۔ مگر کبھی نوبت نہ آسکی اور یہ حقیقت ہے کہ عشق کی باتیں لکھنا نہ تو آسان ہے اور نہ ہر کسی کیلئے ممکن۔ پھل کی مٹھاس کھانے والا ہی محسوس کرتا ہے پھر اس مٹھاس کو لاکھ انداز سے لکھا جائے لیکن پڑھنے والا حقیقی لطف نہیں پا سکے گا، البتہ اس میں بھی مٹھاس کو حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو جائے گا۔ یہی حال جہاد کی مٹھاس کا بھی ہے کہ جب تک چکھ نہ لیا جائے اس وقت تک اس کی حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اور جہاد کی بدولت جو ایمان نصیب ہوتا ہے وہ صرف میدانوں میں نکل کر ہی مل سکتا ہے۔ میدانوں سے باہر بیٹھ کر لاکھ کوشش کی جائے اس ایمان کی حلاوت نہیں مل سکتی۔ یہی حال شہادت کا ہے اس کی اصل حقیقت اسے پا لینے کے بعد ہی معلوم ہوتی ہے اسی لئے شہید کے بارے میں آتا ہے کہ وہ جنت کی تمام نعمتیں پا کر بھی شہادت کو نہیں بھولے گا بلکہ اس کی تمنا کرے گا، آج بہت سارے لوگ دنیا کی تھوڑی سی عافیت اور دنیا کے تھوڑے سے سامان کی خاطر شہادت کا راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ حقیر دنیا تو کیا چیز ہے جنت کی نعمتیں بھی شہادت کا مزہ نہیں بھلا سکیں گی لیکن دنیا میں رہتے ہوئے اس نعمت کی اصل حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی اور جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ تو صرف شوق بڑھانے کیلئے ہے۔ اسی لئے روایات میں آتا ہے کہ شہید یہ تمنا بھی کرتا ہے کہ یا اللہ مجھے دنیا میں دوبارہ بھیج دیجئے تاکہ میں شہادت کی حقیقت اپنے ساتھیوں کو سمجھا سکوں۔ حالانکہ شہید جانتا ہے کہ میرے ساتھیوں کو شہادت کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ انہیں معلوم ہے وہ شہادت کی حقیقت سمجھنے کیلئے کافی نہیں اس لئے وہ خود آکر بتانا چاہتا ہے۔ بے شک اپنے پیارے مالک کے لئے جان دینا اور مالک کا اس جان کو قبول کر لینا کوئی معمولی بات نہیں ہے اور اس نعمت کی حقیقی قدر تب ہی معلوم ہو سکتی ہے جب یہ نعمت مل جائے۔

خیر میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ حرمین شریفین کے احوال لکھنے کا ارادہ باوجود تمنا کے پورا نہیں ہو سکا اور آج کی نشست میں جو چند باتیں ضمناً لکھ دی گئی ہیں وہ بھی جہاد کے تذکرے کی برکت سے آگئی ہیں۔ بس ان باتوں کو یہیں پر روک کر ہم آگے بڑھتے ہیں۔ عمرے کی ادائیگی کے بعد ہمارا قافلہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ دل پر فرحت، خوشی، جذبات اور شرمندگی کی ملی جلی

کیفیات طاری تھیں۔ انتظار تھا کہ اس بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک شہر میں کون کون سی رحمتیں نصیب ہوں گی۔ اس سے پہلے جب بھی حاضری ہوئی میزبانی کے عجیب انداز نے ایمان کو بڑھایا۔ یہاں دعاؤں سے زیادہ درود شریف پڑھنے کا مزہ آتا ہے۔ اور ان مقامات میں انسان کھو جاتا ہے۔ جن مقامات کے تذکرے قرآن مجید نے بار بار چھیڑے ہیں۔ خصوصاً شہداء احد کے پاس بیٹھنے کے بعد اٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔ مسجد نبوی میں بائیں جانب روضہ مبارکہ اور ریاض الجنۃ میں پرسکون اور محفوظ گود کا احساس ہوتا ہے اور حقیقت ہے کہ مسجد نبوی کے ہر دروازے، ہر کونے اور مدینہ منورہ کے ایک ایک پتھر سے جہاد اور شہادت کی یادیں ابھرتی ہیں اور دل کو بے قرار کر دیتی ہیں۔ اس مبارک شہر کا ہر ذرہ انسان کو جہاد کی حقیقت سمجھاتا ہے اور یہ سچ ہے کہ پوری دنیا میں انسان جہاں کہیں ہو اس پر مدینہ منورہ میں حاضری کا شوق سوار رہتا ہے۔ لیکن خود مدینہ منورہ پہنچ کر انسان پر میدان جہاد میں دیوانہ وار کود پڑنے کا جنون سوار ہو جاتا ہے۔ مدینہ منورہ سراپا دعوت جہاد ہے۔ میں اگر اس موضوع میں کھو جاؤں تو یقیناً قارئین کرام کو میری روئیداد اسارت پڑھنے کیلئے مزید کئی ماہ انتظار کرنا پڑے گا۔ اسی لئے میں حسب وعدہ داستان اسارت سنانے کیلئے دوسری باتوں میں زیادہ نہیں الجھتا، حالانکہ بہت سارے ایسے مقام آتے ہیں کہ دل کے تار ہل جاتے ہیں اور قلم اس موضوع کی طرف مڑ جاتا ہے لیکن میں جلد ہی اپنی کیفیت پر قابو پا کر اصل موضوع کی طرف لوٹنے کی کوشش کرتا ہوں۔

رمضان المبارک کی وہ تیئسویں تاریخ تھی۔ رمضان کے آخری عشرے میں مسجد نبوی کی رونق بڑھ جاتی ہے اور تراویح کے علاوہ قیام اللیل کی نماز بھی باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ عام دنوں میں مسجد نبوی شریف رات کو عشا کے کچھ دیر بعد بند کر دی جاتی ہے۔ لیکن رمضان المبارک میں وہ چوبیس گھنٹے کھلی رہتی ہے اور جذبۂ توحید سے سرشار عاشقان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دل کھول کر فیض حاصل کرتے ہیں۔ تراویح کی نماز کے بعد ہم اپنی رہائش گاہ پر واپس آ گئے۔ اور رات کا کھانا کھانے کے بعد سب ساتھیوں نے دوبارہ مسجد نبوی شریف جانے کی تیاری شروع کر دی۔ وضو وغیرہ کرنے کے بعد سارے ساتھی مسجد نبوی شریف گئے اور اتفاق سے ریاض الجنۃ میں جگہ بھی مل گئی۔ دوران سفر آپس میں بہت ساری تفصیلات طے ہو چکی تھیں۔ اور بہت سارے معاملات پر تفصیلی تبادلہ خیال بھی ہو چکا تھا۔ اب تو صرف حتمی فیصلے کرنے تھے اور رسول کریم امام المجاہدین صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں اللہ تعالیٰ سے نصرت اور توفیق کی دعا مانگنی تھی۔

جنت کے ٹکڑے میں ہونے والا فیصلہ

ریاض الجنۃ مسلمانوں کیلئے ایک جذباتی اور روحانی مقدس مقام ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے منبر اور اپنے حجرے (جس میں آپ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ قیام پذیر تھے اور یہی مبارک جگہ آپ کا مدفن بنی) کی درمیانی جگہ کو جنت کے باغات میں سے ایک باغیچہ قرار دیا ہے۔ واقعی یہ مقام بلاشبہ ریاض الجنۃ ہے اور جسے جنت ڈھونڈنی ہو اسے حضور اکرم ﷺ کے منبر مبارک سے لے کر آپ کی قبر مبارک کے درمیانی سفر کو دیکھنا سمجھنا اور ماننا ہوگا۔ آپ ﷺ کے منبر پر جو کچھ بیان ہوا وہ ہمیں حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارک تک پہنچاتا ہے اور آپ ﷺ کی ذات مبارک ہمیں اللہ تعالیٰ سے ملاتی ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکا کر ہر کسی کے سامنے جھکنے سے بچاتی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارک سے تعلق ہمیں اس منبر تک پہنچاتا ہے جس منبر سے وحی الٰہی کی صداقتیں بیان ہوئیں اور وحی الٰہی کی یہ سچائیاں ہمیں اللہ تعالیٰ تک پہنچاتی ہیں اور اسکا کامیابی والا راستہ بتاتی ہیں۔ آج کی رات چند کمزور انسان اس مبارک منبر اور مبارک بستر کے درمیان سر جوڑ کر بیٹھے تھے۔ ان کے پیش نظر کشمیر میں بھڑکتے آگ کے وہ شعلے تھے جن میں رسول اللہ ﷺ کی امت جل رہی تھی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے

بابری مسجد کی مسمار شدہ وہ عمارت تھی جس سے خون کے آنسو ٹپک رہے تھے۔ان کے سامنے ترشول بردار ہندوؤں کے وہ چیختے چلاتے جتھے تھے جو ہندوستان کے دریاؤں کو مسلمانوں کے خون سے رنگین کررہے تھے۔ان کے مدنظر ہندوستان کے بیس کروڑ مسلمانوں کا وہ مستقبل تھا جس پر اسپین کے ظالمانہ پروگرام کی چھری چمک رہی تھی۔ریاض الجنۃ میں بیٹھے چاروں افراد نے اس پورے چیلنج کا جواب دینے کا فیصلہ کرلیا اور یہ فیصلہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کیا گیا کیونکہ ان سب کا بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر تھا اور وہ حضور اکرم ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مشرکوں سے ٹکرانے کا عزم رکھتے تھے۔ان چاروں نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے کی فکر مند چیونٹی کی طرح اپنی قوم کو بچانے اور جگانے کیلئے آوازیں لگائیں گے اور ابابیلوں کی طرح اپنی چونچ کی بقدر مشرکین پر وار کریں گے۔اور نار نمرود کو بجھانے کیلئے اپنی ہمت اور وسعت کے مطابق پانی کے چھینٹے پھینکیں گے اور اس کام کا نتیجہ اسی ذات پر چھوڑ دیں گے جس نے فکر مند چیونٹی کی آواز کو قرآن کی آیت بنایا اور ابابیل کے پتھروں کو ہلاکت خیز قوت عطا فرمائی۔

مگر اس کام کی ذمہ داری کس کے کندھے پر ڈالی جائے؟ تینوں افراد کی نگاہیں میری طرف تھیں اور میں اپنی کمزوری اور کم ہمتی کے بوجھ سے شرمسار ہو رہا تھا۔کافی بحث وتمحیص کے بعد میرے نہ چاہنے اور انکار کرنے کے باوجود اس عظیم کام کا بوجھ مجھ پر ڈال دیا گیا۔کچھ ذمہ داریاں باقی تین میں سے دو افراد پر بھی ڈالی گئیں۔اب تقریباً سب کچھ طے ہو چکا تھا۔چاروں افراد نے اپنی گردنیں مالک کے دربار میں جھکا دیں اور رحمت ونصرت کی بھیک مانگنے کیلئے اپنے ہاتھ اور دامن پھیلا دیئے۔کافی دیر تک دعا کا سلسلہ جاری رہا اور پھر ہمارا اجلاس ختم ہو گیا۔پہلے قدم کے طور پر میں نے اسی رات یا اگلی صبح ایک چھوٹا سا کتابچہ لکھا اور اس کتابچے کو مصنف کے نام کے بغیر کئی زبانوں میں چھپوانے کیلئے کئی جگہوں پر بھجوا دیا۔اور یوں ایک ایسے کام کا آغاز ہوا جس کا انجام ابھی تک ظاہر نہیں ہوا۔اس کام کی قدرے تفصیلات جاننے کیلئے ہمیں تھوڑی دیر کیلئے اپنی اس داستان کا سلسلہ روکنا ہوگا۔آیئے اب وہ مضمون پڑھتے ہیں جو میں نے اپنی گرفتاری کے تقریباً دو سال بعد تہاڑ جیل میں لکھا تھا۔اس مضمون میں کام کرنے کا جذبہ رکھنے والوں کیلئے کافی کچھ آج بھی موجود ہے اور یہ مضمون آپ کو رمضان المبارک کی تیئیسویں شب ریاض الجنۃ کے مقام پر ہونے والے اجلاس کے اہداف ومقاصد سے بھی کسی قدر آگاہ کرے گا۔

لیجئے وہ مضمون پڑھئے جس کا عنوان ہے ’’سوتی رومال‘‘

سوتی رومال

جہاز ایک جھٹکے کے ساتھ رن وے پر اتر گیا۔ جہاز کی بتیاں روشن ہو گئیں اور میں خیالات کی دنیا سے واپس آ کر گرد و پیش کا گہرائی سے جائزہ لینے لگا۔ یہ میری زندگی کا عجیب سفر تھا اور اس سفر کی انتہا ابھی تک نہیں ہوئی۔ بنگلہ دیش کی قومی ہوائی کمپنی بیمان ایئر لائن کا بوئنگ طیارہ دہلی کے پالم ایئر پورٹ (جسے اندرا گاندھی ایئر پورٹ کا نام دے دیا گیا ہے) پر اتر چکا تھا اور اب تیز رفتاری کے بعد آہستہ آہستہ رینگ رہا تھا۔ بالکل میری طرح، میں بھی زندگی کے چند سال اسی تیزی سے گزار کر جس تیزی سے جہاز اترنے کے بعد دوڑتا ہے اب آہستہ آہستہ رینگ رہا ہوں۔ مجھے ہمیشہ ہر سفر میں اس وقت کوفت ہوتی ہے جب جہاز اترنے اور فراٹے بھرنے کے بعد کافی دیر اس طرح ٹہلتا ہے۔ جس طرح کوئی تفریح کر رہا ہو اور مجھے وقت کے ضیاع کا افسوس دامن گیر ہوتا ہے۔ دوران سفر تو میں اپنا وقت پڑھنے لکھنے میں بخوبی گزار لیتا ہوں مگر جب جہاز اتر جاتا ہے تو کام بند کرنا پڑتا ہے۔ پھر بے صبر مسافر تہذیب و شائستگی کے تمام تقاضے بھول کر آپا دھاپی میں لگ جاتے ہیں۔ بچوں کا شور کرسیوں کے درمیان مسافروں کی قطار اور سیٹیں پھلانگنے کا تکلیف دہ عمل، ان تمام باتوں سے سخت کوفت ہوتی ہے اور جب یہ خیال آتا ہے کہ ہوائی اڈہ کے باہر کیسے کیسے عظیم لوگ انتظار کی تکلیف برداشت کر رہے ہوں گے تو دل گھٹنے لگ جاتا ہے۔ دس پندرہ منٹ کا یہ وقت صدیوں سے زیادہ لمبا نظر آنے لگتا ہے۔ ایئر پورٹ کے باہر کبھی روحانی مرشد، کبھی والد محترم اور پیاری امی اور کبھی اپنے جہادی کمانڈر، کبھی تبلیغی احباب اور کبھی بہت ہی عزیز دوست انتظار میں ہوتے ہیں۔ مجھے ان میں سے بہت ساروں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ تشریف لائے ہوں گے۔ بس ان کے انتظار کی تکلیف ان کی بجائے مجھ پر سوار ہوتی ہے۔ یہ ماضی کا حال تھا۔ اب جبکہ جہاز نہیں بلکہ میں خود رینگ رہا ہوں اور ارد گرد بد تہذیبی اور ناشائستگی کے سارے نقشے موجود ہیں اور آپا دھاپی اور شور شرابا بھی ہے اور بھی بہت کچھ ایسا ہے جو نہیں ہونا چاہئے اور میرے روحانی مرشد، میرے محبوب اساتذہ، میرے پیارے والدین، میری لاڈلی بہنیں، میرے عزیز بھائی اور میرے ہمسفر، مجاہد اور امت مسلمہ کے بہت سارے افراد میرا انتظار کر رہے ہیں۔ مگر وقت گزرتا جا رہا ہے۔ کوئی دروازہ نہیں کھل رہا جس سے

گزر کر میں ان سب تک پہنچ سکوں۔ ان کی آہیں مجھے اور میری سسکیاں انہیں تڑپا رہی ہیں۔ مگر کیا کریں۔ وہ بھی بے بس اور میں بھی بے بس۔ ان کی نظریں بھی آسمان کی طرف اٹھی ہوئی ہیں اور میری نظریں بھی کہ کب ہم سب کا مالک کوئی دروازہ کھولے اور میں ان منتظر ہستیوں سے بغل گیر ہوسکوں اور ان میں سے بعض کی قدم بوسی کرسکوں۔

جہاز سے اتر کر میں پالم ائیر پورٹ کے وسیع لاؤنج میں پہنچ گیا۔ میں نے کفر کی بستی میں داخل ہو کر وہ دعائیں پڑھیں جو مجھے پڑھنا تھیں۔ آج خلاف معمول رش یا بھیڑ کچھ نہیں تھی۔ میں نے امیگریشن فارم پر کیا اور ایک آفیسر کو اپنا پاسپورٹ پیش کیا اس نے پس وپیش کے بغیر داخلے کی مہر لگا دی اور میں دار الحرب میں قانونی طور پر داخل ہو گیا۔ امیگریشن میں اس قدر سہولت پر میں بہت مسرور تھا اور اپنے رب کا شکر ادا کر رہا تھا۔ حالانکہ اس سفر سے ایک سال پہلے میں صرف ٹرانزٹ میں بمبئی ائیر پورٹ پر اترا تھا۔ میرے پاس ڈالر بھی تھے اور پاؤنڈ بھی۔ انڈیا کے لالچی مشرکوں نے مجھے گھیر لیا تھا۔ کچھ آفیسر دھمکیاں دے رہے تھے اور کچھ دوسرے ماہر دلالوں کی طرح مجھے چند ڈالر دے کر جان چھڑانے کا مشورہ دے رہے تھے۔ بدعنوانی اور بے شرمی کا یہ ناچ چند منٹ جاری رہا اللہ کی مدد سے مجھے اس دن اتفاقاً بروقت غصہ آ گیا اور میں بھول گیا کہ میں اپنے بدترین دشمن کے ملک میں ہوں یا کراچی میں نشتر پارک کے اسٹیج پر انڈیا کے خلاف کسی جلسے میں تقریر کر رہا ہوں۔ بمبئی ائیر پورٹ پر جب میں نے اپنی بلند آواز کو تھوڑا بلند کیا اور کھری کھری سنانے لگا تو مجمع جمع ہونے لگا، دوسرے آفیسر بھی آ گئے اس منظر سے وہ آفیسر کھسیانے ہو گئے جن کے منہ سے تھوڑی دیر پہلے رال ٹپک رہی تھی۔ وہ ایک سیدھے سادے مولوی صوفی کو لوٹنے کی فکر میں تھے مگر ماحول خراب ہو گیا اور انہیں رشوت کی بجائے شرمندگی ملی اور میں اطمینان سے انڈین ائیر لائن کے جہاز پر کراچی کی طرف روانہ ہو گیا۔ بمبئی کے معرکے میں ملی کامیابی کا نشہ ابھی اترا نہیں تھا کہ کراچی ائیر پورٹ پر محکمہ صحت والوں نے یلو کارڈ نہ ہونے کی وجہ سے آٹھ دن کیلئے ایک ہسپتال میں نظر بند کر دیا۔ وہ بھی عجیب داستان تھی انشاء اللہ پھر کبھی موقع ملا تو سناؤں گا۔

دہلی ائیر پورٹ سے میں نے ٹیلی فون کیا سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ میں ٹیکسی لے کر ہوٹل کی طرف روانہ ہوا ٹیکسی والے مجھے موٹا عرب شیخ سمجھ کر کچھ پروگرام بنا رہے تھے۔ مگر میں جاگ رہا تھا میں نے باتوں باتوں میں انہیں خوفزدہ کر دیا۔ چنانچہ وہ سیدھے ہوٹل چھوڑ آئے ہوٹل کے

کمرے میں میں نے گرم پانی سے وضو کیا، نماز ادا کی، رات کے دو بجے میرے احباب پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر ملاقات اور ہلکی پھلکی گفتگو سے یہ محسوس ہوا کہ سب کچھ الحمدللہ ٹھیک ہے۔ مجھے کامیابی سامنے نظر آرہی تھی۔ اللہ کی مدد سے ساری کڑیاں خود بخود ملتی جارہی تھیں وہ کام جس کیلئے میں تین سال سے لگاتار محنت کررہا تھا، اس کام کا حتمی فیصلہ رمضان المبارک کے مبارک مہینے کی تیئیسویں شب قائد المجاہدین ﷺ کے روضہ اقدس کے سامنے بیٹھ کر روتے روتے کیا تھا مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین پر مجھے اس کام کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ مدینہ منورہ کی سرزمین پر میں نے اپنے کام کی دعوت اور اپنی تحریک کے منشور پر مبنی دستاویز لکھی۔ جس کا قابل اشاعت حصہ کئی زبانوں میں چھپ چکا تھا مگر مصنف کے نام کے بغیر۔ یہ تحریک معمولی تحریک نہیں تھی۔ یہ دو سوملین مسلمانوں کے تحفظ کا معاملہ تھا، یہ تین ہزار مساجد کے تحفظ کا پروگرام تھا۔ یہ بعض مقبوضہ اسلامی خطوں کی آزادی میں تعاون کی تحریک تھی۔ مجھے کام کیلئے ہر طرف سے بے پناہ تعاون ملا۔ جس پر میں اللہ کا شکر گزار تھا اور حیران بھی تھا مجھے ہر طرف سے تائید ہی تائید نظر آرہی تھی، ہر مرحلہ تیزی سے طے ہورہا تھا۔ اس چیز نے مجھ میں خود اعتمادی پیدا کی۔ میں نے سمجھا یہ کام انشاء اللہ مقدر ہو چکا ہے۔ چنانچہ سب معلومات کو اپنی ذات تک محدود رکھا، کیونکہ بات کو زیادہ پھیلانا کچھ مناسب نہیں لگتا تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ جیسے جیسے ترتیب کے مطابق کام شروع ہوگا ویسے ویسے متعلقہ شعبوں کے افراد کو ساتھ لیتا جاؤں گا۔ کام اگرچہ مشکل، کٹھن، طویل اور صبر آزما تھا مگر بہت ہی عمدہ نتائج کی توقع تھی۔ اب جبکہ تمام ابتدائی کام مکمل ہو چکے تو میں نے مناسب سمجھا کہ خود میدان عمل کا جائزہ لوں اور تحریک کا باقاعدہ آغاز کروں۔

مگر اسی سرزمین پر ریشمی رومال کی تحریک بھی راستے میں رک گئی تھی۔ انفرادی فوائد اس تحریک نے بہت دیئے مگر وہ ہدف جس کیلئے تحریک اٹھی تھی۔ اس وقت پورا نہ ہوسکا اگرچہ بعد میں کچھ نہ کچھ پورا ہوگیا۔ ہماری یہ تحریک بھی ریشمی رومال کی تحریک کی طرح خالص اللہ کی رضا کیلئے اٹھی تھی، اگرچہ یہ اس کے مقابلے میں کچھ نہیں تھی مگر مقصد اس کا بھی بہت بلند تھا۔ اگرچہ دونوں کے درمیان وہ نسبت تھی جو قطرے اور سمندر کے درمیان ہے مگر دونوں کی قدریں مشترک تھیں۔ اور یہ تحریک اُسکی باقیات میں سے تھی۔ انڈیا پہنچتے ہی میرے سفر کے تمام پروگرام مرتب ہوگئے۔ جہاں جہاں بات ہوئی تو توقع سے زیادہ کامیابی ملی۔ عوام وخواص کے جذبات اور شوق سرفروشی نے مجھے اور متاثر کیا۔ چند پروگرام نمٹا کر اچانک کشمیر جانے کی ٹھان لی کہ باقی انشاء اللہ

واپس آ کر۔ جانے سے پہلے دعا کر لی کہ یا اللہ میرے سفر کشمیر کو پوری امت مسلمہ کیلئے نافع بنانا۔ پھر کشمیر پہنچ کر میرے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں، تحریک ریشمی رومال میں تحریک پکڑی گئی، یہاں محرک پکڑا گیا۔ اب انفرادی فوائد تو اس تحریک کے جاری و ساری ہیں مگر وہ اجتماعی یلغار مؤخر ہوگئی۔ میرے پکڑے جانے سے سب تانے بانے بکھر گئے مگر ولولہ تو باقی ہے، چنگاری بھی باقی ہے، لوگوں میں جذبہ بھی باقی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ضرورت اور تقاضہ بھی باقی ہے۔ اللہ کرے کوئی بیس کروڑ مسلمانوں کی فکر لے کر ہزاروں مساجد کا درد لے کر اور فہم و فراست اور قرآنی روشنی لے کر، اللہ کی توفیق اور مسلمانوں کی تائید سے کھڑا ہو اور اس کام کو مکمل کر دے جس کی بنیاد پڑ چکی ہے۔

وطن سے روانگی

مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی مظلوم اور دکھی امت کے تحفظ کی محنت کا فیصلہ کر کے ہم اپنے اپنے علاقوں کی طرف لوٹ گئے۔ ان دنوں ہندوستان میں ایسا لاوا پک رہا تھا جس کے پھٹنے کی صورت میں پورے برصغیر کا نقشہ بدل جاتا، وہ لاوا آج بھی موجود ہے اور اندر ہی اندر جل رہا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اب ہندوستان کی عیسائی اقلیت بھی وہاں کے مسلمانوں، سکھوں اور چھوٹی ذات کے ہندوؤں کی طرح خود کو غیر محفوظ محسوس کر رہی ہے۔ بیشک ظالم کا ساتھ دینے والے خود اس کے ظلم کا شکار ضرور بنتے ہیں۔ اسی دوران بعض ممالک کا سفر بھی ہوا اور الحمد للہ! جہاد کے کام کو آگے بڑھانے کے کافی سارے مواقع میسر آئے۔ بابری مسجد کے موضوع پر کی جانے والی تقاریر دنیا کے کئی ممالک میں پہنچ چکی تھیں اور لاکھوں مسلمان ان تقاریر کو سن چکے تھے، چنانچہ کسی بھی ملک میں تعارف کے مراحل سے نہیں گزرنا پڑا اور یوں کام کیلئے کافی وقت اور معاون ماحول ملتا رہا۔ یورپ کے سفر سے واپسی پر مجاہدین کی دو تنظیموں کے درمیان اتحاد کا معاملہ زور و شور سے اٹھا اور میں نے الحمد للہ! اس کی بھرپور حمایت کی، چنانچہ اکتوبر ۱۹۹۳ء میں ”حرکۃ الانصار“ وجود میں آئی اور کشمیر و ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی منزل قریب نظر آنے لگی۔ حرکۃ الانصار میں دیگر

خدمات کے ساتھ ساتھ سابقہ شعبہ پھر میرے سپرد کر دیا گیا اور مقبوضہ کشمیر میں حرکۃ الانصار کے اتحاد کو پختہ کرنے کی خدمت میں نے رضا کارانہ طور پر اپنے ذمہ لے لی۔ اب میرے سامنے کام کی ایک لمبی فہرست، حرکۃ الانصار کے اتحاد کے مخالفین کی ایک لمبی قطار اور کئی ملکوں سے آنے والے دینی تقاضوں کی لمبی پکار تھی۔ میں نے کام نمٹانے، دینی تقاضوں کو پورا کرنے اور مخالفین سے کنارہ کشی کیلئے لمبے سفر کا ارادہ کرلیا۔ میری پہلی منزل پڑوس کا ایک ملک تھا پھر میں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جانا تھا، وہاں سے مقبوضہ کشمیر کا ارادہ تھا اور پھر ہندوستان کے باقی علاقوں کے کام نمٹا کر دنیا کے تقریباً پانچ چھ ممالک کا دینی تبلیغی سفر کرنا تھا۔ اس طویل سفر کے راستے میں البانیہ اور بوسنیا جیسے علاقے بھی شامل تھے، میرا ارادہ تھا کہ ان علاقوں کے مظلوم مسلمانوں کے حالات کا قریب سے مشاہدہ کیا جائے۔ ہر ملک میں مختصر قیام اور وہاں کے رفقاء کار کو اطلاع کی ترتیب بھی بنالی گئی۔ پاسپورٹ اور ٹکٹوں کا بندوبست بھی آسانی سے ہوگیا۔ لندن میں قائم انڈین سفارتخانے سے ہندوستان کا ملٹی پلس ویزہ بھی مل گیا، غالباً وہ مجھ کو نہیں پہنچان سکے بلکہ یقیناً انہوں نے نہیں پہچانا ہوگا۔ الحمدللہ! انتظام ہی ایسا تھا کہ وہ مجھے بغیر پہچانے ویزہ دے بیٹھے، جس پر بعد میں وہ بہت پچھتائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا غالب نظام ہے کہ میں ہندوستان میں داخل ہوا تو وہ سوائے پچھتانے کے اور کچھ نہ کرسکے۔ اور جب میں وہاں سے نکلا تب بھی وہ پچھتا رہے تھے بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو اسی طرح رسوا کرتا ہے اور اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے۔ میرا ہندوستان میں جانا اور پھر وہاں سے لوٹ آنا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کے فضل سے ممکن بنا۔ آیئے! جیل میں لکھا ہوا ایک مضمون اس موقع پر پڑھتے ہیں، یہ مضمون آپ کو میری ہندوستان روانگی کا کچھ منظر دکھائے گا، مضمون کا عنوان ہے ''شناسا''

شناسا

بیٹا! اللہ نگہبان...... بیٹا! میں آپ کو نہیں روکتا...... اللہ کے حوالے بیٹا!...... اللہ کے حوالے!...... آنسوؤں کی جھڑی روکنے کی ناکام کوشس کرتے ہوئے والد صاحب کی آواز ان کے اندرونی کرب کی گواہی دے رہی تھی، میں نے کہا ابوجان!...... گھبرانے کی کیا ضرورت ہے، پہلے بھی میں غیر ملکی دوروں پر جاتا رہا ہوں آخر اس میں رونے اور پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟...... میری یہ بات سن کر...... ان کی آنکھوں سے آنسو یوں بہنے لگے...... جیسے دریا کا بند

......اب ٹوٹ چکا ہے...... فرمانے لگے:...... بیٹا! مجھے سب معلوم ہے آپ کہاں جارہے ہیں؟ ......مگر اللہ کا راستہ ہے...... میں اس راستے سے روک کر...... گناہگار نہیں ہونا چاہتا......بس بیٹا! اللہ نگہبان...... پھر اچانک فرمانے لگے:...... "میں ائیر پورٹ تک ساتھ جاؤں گا"......ان کی یہ پیار بھری...... میٹھی...... فرمائش سن کر...... میں بھی ایک مرتبہ ہل گیا...... محبت کے جذبات...... میرے اندر...... کروٹ...... لینے لگے...... حالانکہ میں...... امت مسلمہ...... کی خاطر......سب محبتوں کو سلا کر...... ظاہری طور پر...... بہت...... مضبوط بن کر اس سفر کیلئے نکلا تھا، مگر ماں باپ ......کا عدیم المثال رشتہ......اور اس...... رشتے کی...... محبت...... میرے وجود کو......جھنجھوڑنے لگی...... دل چاہا کہ...... اپنے شفیق باپ سے...... لپٹ جاؤں...... ان کے پیار کی وادیوں میں......کھو کر...... خود کو بھلا دوں...... مگر اچانک...... میں سنبھل گیا......اور سوچا کہ اگر......میں کھو گیا......تو راستے کون تلاش کرے گا؟...... راہوں پر کون...... چلے گا؟...... میں نے کہا...... ابو جان!...... آپ آرام فرمائیں...... اور...... میرے لئے دعا فرمائیں......ائیر پورٹ جانا...... مناسب نہیں...... اب تو آپ کو...... معلوم ہو ہی چکا ہے...... کہ...... یہ سفر غیر معمولی نوعیت کا ہے...... یہ اس لمبے...... سفر سے پہلے...... کراچی میں...... آخری رات...... کا آخری پہر تھا...... گھڑیاں ساڑھے تین بجا رہی تھیں...... کراچی شہر......اب سو چکا تھا......سڑکوں اور راستوں پر جلنے والے...... بلب...... ماحول کو کچھ زیادہ ہی...... اداس بنا رہے تھے، میں نے وہ لباس پہنا...... جو کبھی بچپن میں پہنا تھا...... پھر اس لباس سے نفرت ہو گئی تھی...... کیونکہ...... ہمارا خون پی کر...... جینے والے...... اس لباس...... کو عزت کا لباس...... بنانے پر...... تلے ہوئے ہیں...... اور امتِ مسلمہ کے بھولے بھالے......سیدھے سادے...... افراد...... ظالم شکاری کو......نجات دہندہ اور......ترقی کا راستہ بتانے والا سمجھ کر......اس کی ہر غلاظت...... ہر بیوقوفی......اور ہر غیر فطری......عمل کو اختیار کرتے جا رہے ہیں...... مگر نفرت کے باوجود آج...... مجھے یہی لباس...... پہننا پڑا......لباس ایسا کہ...... اسے پہن کر...... میں خود...... اپنے آپ سے......شرمندہ ہو رہا تھا...... مگر جب اوپر سفید کرتا پہنا تو...... شرمندگی کم ہوئی...... اپنے تین قریبی ساتھیوں...... کے ہمراہ میں......ائیر پورٹ پہنچا آج مجھے لباس......اور شناخت بدل کر......اپنے ملک سے اس طرح...... جانا پڑ رہا تھا...... آخر کیوں؟...... داستان لمبی ہے...... نہ مجھ میں سنانے کا حوصلہ ہے......اور نہ آپ کا کلیجہ...... برداشت...... کر سکے گا؟...... قصہ مختصر...... جو کام اس ملک کے

......حکمرانوں کو کرنا......تھا......مسلمانوں ......کو بچانے کیلئے......ملک کو بچانے کیلئے......اسلامی سرحدوں کی......حفاظت کیلئے......ملک کی شہ رگ......دشمن کے ہاتھوں......سے......چھڑانے کے لئے۔

مگر حکمرانوں......کو اس کی......کیا فکر......انہیں تو......صرف پانچ سال ملتے ہیں......اور کام ان کے ذمے......بہت بڑا ہوتا ہے......صرف پانچ سال کا عرصہ......اور اتنے سے......مختصر عرصے میں......اپنی سات نسلوں کے لئے کمانا اور سوئٹزرلینڈ......کے بینکوں کا......پیٹ بھرنا ......انہیں کہاں......اسلام اور......مسلمانوں کے تحفظ......اور سرحدوں کی حفاظت......جیسے فضول......بیکار......کاموں کیلئے فرصت۔

یہ المیہ تھا......دکھ تھا......اور خوشی اور سعادت کا موقع بھی......کہ میں اسلام اور مسلمانوں کیلئے......اپنے ملک......کیلئے......یہ سب کچھ کر رہا تھا......ایئرپورٹ پر......سارے کام...... میں نے جلد نمٹائے......اسی ایئرپورٹ سے......میں اب تک درجنوں غیر ملکی سفر......اور سینکڑوں......اندرون ملک......سفر کر چکا تھا......مگر آج......صورت حال......مختلف تھی...... خطرہ تھا......کوئی شناسا مل گیا......تو؟......جیسا کہ اکثر مل جاتے ہیں......میں نے بھی کئی تقریریں......ذہن میں......تیار کرلیں......تاکہ بوقت ضرورت......شناساؤں سے......نمٹنے میں......آسانی رہے......مگر اللہ کی نصرت قدم قدم پر......ساتھ دے رہی تھی......کراچی...... ایئرپورٹ سے......ڈھاکہ کے......ہوٹل تک کوئی......شناسا نہ ٹکرایا......وقت وقت کی بات ہے......اس دن......میں جاننے والوں سے......چھپتا پھر رہا تھا......اور ڈیڑھ سال بعد......میں تہاڑ جیل......کے ایک الگ سیل میں بالکل تنہا......بخار میں جل رہا تھا......اور درد سر سے...... کراہ رہا تھا......اور دل چاہتا تھا......کہ کاش!......کوئی شناسا آئے......سلام کرے اور میرے ماتھے پر......ہاتھ رکھ کر صرف اتنا پوچھ لے......کیا حال ہے؟ آپ کیسے ہیں؟

بابری مسجد کی زیارت

میں ہندوستان پہنچ چکا تھا اس وقت ملک پر کانگریس کی حکومت تھی ۔ وزیر اعظم کا نام نرسمہا راؤ تھا۔ جبکہ داخلہ کی وزارت میں کشمیر کا شعبہ راجیش پائلٹ نامی ایک متعصب مشرک کے پاس تھا۔ اس وقت جبکہ میں یہ تحریر لکھ رہا ہوں راجیش پائلٹ اس دنیا میں نہیں ہے وہ سڑک کے ایک حادثے میں ہلاک ہو چکا ہے۔ ہندوستان پہنچ کر میں نے اپنی مصروفیات اور معمولات کو ترتیب دیا اور اس بات کا عزم مصمم بھی کر لیا کہ انشاء اللہ ایودھیا جا کر بابری مسجد کی زیارت کا شرف حاصل کروں گا۔ دو تین روز ابتدائی کاموں کے نمٹانے میں گزر گئے۔ میں نے دہلی کے ایک ہوٹل میں کمرہ لے رکھا تھا۔ نماز کیلئے بعض اوقات دور دراز کی مساجد میں جاتا تھا جبکہ بعض اوقات اپنے کمرے میں پڑھ لیتا تھا۔ دہلی میں کئی سرکردہ مجاہد دوستوں سے ملاقاتیں ہوئیں بعض ساتھی کئی دن سے فارغ بیٹھے تھے۔ بندہ نے ان کی مختلف کاموں پر تشکیل کی۔ ہندوستان میں تیرہ دن کا یہ قیام اپنے اندر بہت ساری تفصیلات رکھتا ہے۔ میں ان میں بعض کو بیان کرتا ہوں اور بعض کو نہیں۔ آج کی اس نشست میں بابری مسجد کی زیارت کے واقعے کو پیش کر رہا ہوں آیئے! آج جیل میں لکھا ہوا یہ مضمون پڑھتے ہیں جس کا عنوان ہے ’’بابری مسجد کی زیارت‘‘

بابری مسجد کی زیارت

شہرہ آفاق ...... دینی ادارے ...... کی مختصر زیارت کے بعد ...... اب ہماری گاڑی ...... فیض آباد کی طرف ...... دوڑ رہی تھی ...... ہم چاروں ...... راستے سے ناآشنا تھے ...... مگر ایک جذبہ ...... ایک درد ...... اور ایک کشش ہمیں منزل کی طرف کھینچ رہی تھی ...... فیض آباد پہنچ کر ...... ہم ایک بازار نما ...... علاقے میں ...... تھوڑی دیر کیلئے رکے ...... آگے کا سفر خطرناک بھی ہوسکتا تھا ...... جیسا کہ بہت سارے لوگوں نے بتایا تھا ...... مگر ہم ...... ان خطرناکیوں سے بے نیاز ...... صرف منزل تک جانا چاہتے تھے ...... بالکل اس پروانے کی طرح ...... جو شمع تک پہنچنا چاہتا ہے اور ...... اسے اپنے بال و پر کے کٹنے یا جلنے کا خوف ...... نہیں رہتا ...... گاڑی کسی اور کام سے روکی تھی لیکن ...... اصل کام پورا ہوگیا ...... سانولے رنگ کا ایک نوعمر ...... نوجوان ...... سر پر ٹوپی ...... اور جسم پر دینی مدارس کے طلبہ والا لباس پہنے ...... ہماری گاڑی کے پاس ...... خود بخود آگیا ...... اس نے آکر سلام کیا ...... اور دو منٹ میں ...... بے تکلف ہوگیا ...... کیونکہ ہم بھی طالبعلم تھے ...... اور وہ بھی ...... اس نے پوچھا آپ کہاں جارہے ہیں؟ ...... ہم نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے پوچھا ...... سنا ہے کہ بابری مسجد یہاں سے کچھ فاصلے پر ...... ایودھیا نامی علاقے میں تھی؟ ...... اس نے غمزدہ آواز میں کہا ہاں تھی ...... ہم نے کہا اب کیا حال ہے؟ ...... اس نے کہا شہید ہوچکی ہے ...... اس جگہ عارضی مندر ہے ...... اور چاروں طرف ہزاروں مسلح پولیس والوں کا ...... کڑا پہرا ہے ...... ہم نے کہا تمہیں کیسے پتہ چلا ...... اس نے کہا ...... میں چند دن پہلے وہاں گیا تھا ...... مگر بھیس بدل کر ...... اور اندر تک ہوکر آیا تھا ...... ہم نے پوچھا اگر ہم جانا چاہیں تو ...... اس نے کہا میں ساتھ چلتا ہوں ...... کوشش کر لیتے ہیں ...... کچھ خطرہ بھی ہے لیکن ...... ہمیں کیا ...... وہ ہمارے ساتھ سوار ہوگیا ...... گاڑی کا انجن گنگنایا تو ...... ہمارے ایک بزرگ رفیق سفر بھی گنگنائے

؎ جب عزم مصمم ہوتا ہے ہر موڑ پہ رہبر ملتا ہے ...... راستے میں معلوم ہوا کہ وہ ...... ایک بریلوی مدرسے کا طالبعلم ہے اور ...... دوسرے مدرسے میں داخلہ لینے کا متمنی ہے ...... مگر اسے داخلہ نہیں ملا ...... اور کوئی امید بھی نہیں ...... میں نے اسے کہا ...... واپسی پر انشاء اللہ تمہیں داخلہ مل جائے گا ...... وہ حیران ہوا ...... اور بے ساختہ بولا ...... کیسے؟ ...... میں نے کہا ...... ویسے ...... اس نے پوچھا آپ کا نام ...... میں نے کہا ...... بے نام ...... پھر اسے میں نے سمجھایا ...... عزیز من ...... نام اور

تعارف کے چکر میں نہ پڑو...... تمہیں اگر داخلہ چاہئے تو...... اللہ کے فضل سے مل جائے گا...... ہمارے ساتھ ایک دوست ہیں...... وہ اس ادارے کے بھی دوست ہیں...... کچھ دیر بعد ہم...... ایودھیا پہنچ گئے...... وہ شہر جہاں...... مغل بادشاہ...... بابر کے نام کی طرف منسوب مسلمانوں کی عبادت گاہ...... بابری مسجد تھی...... ۶/دسمبر ۱۹۹۲ء کے دن...... اس شہر میں...... لاکھوں مشرک جمع ہوئے...... اور اس عظیم مسجد کو شہید کردیا گیا...... اور مسلمانوں کے دلوں پر...... ایک ایسا گھاؤ لگایا گیا...... جو اس وقت تک مندمل نہیں ہوسکے گا...... جب تک یہ مسجد...... اپنی پرانی جگہ...... پوری شان وشوکت کے ساتھ تعمیر نہیں ہوجاتی...... اور اس کے ہر گرے ہوئے پتھر کا...... بدلہ نہیں چکالیا جاتا۔

ایودھیا میں داخل ہوتے ہی...... میرا دل دھڑکنے لگا...... غم وغصے سے کلیجہ پگھلنے لگا...... آنکھوں میں سے نمی...... باہر چھلکنے کو تھی...... جس کی وجہ سے ڈرائیونگ کرنے میں دقت ہورہی تھی...... ہماری غیرت کا ناکام امتحان...... ہمارے سامنے تھا...... ہماری بزدلی...... اور آرام پرستی کا...... بھیانک نتیجہ آنکھوں کے...... سامنے آنے والا تھا...... سرشرم سے جھکا جارہا تھا...... اور دل احساس جرم...... کی ندامت سے لرز رہا تھا...... آہ!...... وہ دن بھی آ گیا...... جب ہندوؤں نے...... ہماری زندگی میں...... اس عظیم مسجد...... کو گرادیا...... کیا یہ مسجد یتیم تھی؟...... کیا مسلمان دنیا سے...... ختم ہوچکے ہیں؟ کیا یہ منظر باربار دہرایا جائے گا؟......

غم کی لہریں...... درد کی ٹیسیں...... اور چبھتے سوالات نے...... مجھے ایودھیا...... پہنچتے ہی ہلکان کردیا...... ہماری گاڑی اس پرانے طرز کے گنجان آباد...... شہر میں داخل ہوچکی تھی...... مندروں کے نوکیلے مینار میرے دل کو...... چھید رہے تھے...... چوکوں اور شاہراہوں کے کناروں پر...... شرک کے آثار...... ہویدہ تھے...... طالبعلم سے میں نے...... مسجد کا راستہ پوچھا...... وہ کشمکش میں پڑ گیا...... وہ پہلے پیدل آیا تھا...... اور تنگ گلیوں سے گزر کر...... مسجد کی جگہ پہنچا تھا...... اس لئے گاڑی کے راستے سے ناآشنا تھا...... اس نے کہا ایک مزار ہے...... پہلے وہاں چلیں...... پھر آگے راستہ لیں گے...... ہم مزار پر پہنچے...... سفید پتھر...... اور سنگ مرمر کا مزار...... صاف ستھرا صحن...... اگربتیوں کی خوشبو سے مہکتا ایک بڑا کمرہ...... پیتل کی ریلنگ کے درمیان ایک پختہ اونچی...... مگر بے شمار چادروں سے ڈھکی...... قبر...... کونے میں عطیات کا صندوقچہ...... بغل میں چھوٹی سی...... مسجد...... چند بوڑھی عورتیں...... اور ایک سفید پوش مجاور......

مجاور نے گاڑی دیکھی...... آگے بڑھ کر استقبال کیا پھر مزار کے اندر لے گیا...... ہم نے فاتحہ پڑھ لی...... اس نے بزرگوں کی کرامات...... اور بہت کچھ سنانا شروع کیا...... ہم نے کہا...... آپ ہمیں بابری مسجد تک لے جائیں...... راستے میں باتیں ہوں گی...... اس نے معذور عورتوں کے...... مسائل کا ذکر کیا...... ہم نے کچھ وسائل کا...... وعدہ کیا...... اس پر وہ کافی خوش ہوا...... اور کہنے لگا...... بابری مسجد کے کنارے پر...... میرے ایک دوست...... محمد صدیق کا...... گھر ہے...... ہم اس کے گھر جائیں گے...... وہاں سے سب کچھ صاف نظر آئے گا...... اور پولیس والوں کو بھی شبہ نہیں ہوگا...... ہم بہت خوش ہوئے...... وہ ہمارے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئے...... میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی...... اور گاڑی میں پھر آواز گونجی...... ؎ جب عزم مصمم ہوتا ہے ہر موڑ پہ رہبر ملتا ہے۔

مزار کے...... بزرگ مجاور...... گویا کہ انہیں راستوں میں...... ڈھلے تھے...... وہ تنگ گلیوں اور راستوں سے گزارتے رہے...... اور راستے میں واقع کئی مقامات کے بارے...... میں بتاتے گئے...... انہوں نے بتایا...... یہاں مسلمان بہت تھوڑے ہیں...... ابھی ایک مسجد آئے گی...... جو آدھی جلا دی گئی ہے...... وہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے...... فیض آباد سے...... مولوی صاحب اور کچھ لوگ آکر...... نماز ادا کرتے ہیں...... اور کئی مساجد بند کردی گئی ہیں...... مگر مزار پر...... رونق رہتی ہے...... سالانہ عرس...... بڑے ٹھاٹھ کا ہوتا ہے...... پھر وہ تاریخی مسجد آگئی...... جس کا ایک حصہ جلا ہوا تھا...... ہم نے اسے دور ہی سے دیکھا...... اور آگے بڑھتے گئے...... تھوڑی دیر بعد...... دور سے پولیس کے ٹرک نظر آنے لگے...... جن کی تعداد...... بہت زیادہ تھی...... تھوڑی سی اونچی جگہ پر...... پولیس والے چوکس نظر آرہے تھے...... ایسا لگتا تھا...... کئی ہزار تو ضرور ہوں گے...... میں نے گاڑی...... پولیس والوں کے درمیان سے...... تیزی کے ساتھ گزاری...... ان میں ہلچل مچ گئی...... اب ہم مسجد کے...... سابقہ گیٹ کے قریب پہنچ گئے تھے...... مجاور نے...... گاڑی کنارے روکنے کا...... اشارہ کیا میں نے گاڑی روکی...... وہ مجاور باہر نکلا اور چلایا...... او صدیق! او صدیق! ہم گاڑی میں بیٹھے رہے...... پولیس والے...... اس صورتحال سے...... حیران و پریشان لگ رہے تھے...... ایک تیس سالہ جوان...... اوپر مکان سے...... نیچے سڑک پر اترا...... مجاور نے...... سلام کیا...... اور کہا...... مہمان آئے ہیں...... گھر لے چلو...... اس نے ہمیں اوپر مکان پر چڑھنے کی دعوت دی...... ہم چند فٹ کی اونچائی پر...... واقع اس کے سیدھے سادے

...... کچے مکان میں داخل ہوئے...... اس نے بان کی چارپائی پیش کی...... ہم نے شکریہ ادا کیا ...... اور اپنا مقصد بتایا...... وہ ہمیں مکان کے باہر لایا...... اور ایک چھوٹے سے پیڑ کے ساتھ کھڑے ہو کر اس نے ہمیں وہ دردناک منظر دکھایا...... جسے یاد کر کے آج بھی...... دل رونے لگتا ہے...... ہم سے چند فٹ...... کے فاصلے پر...... مٹی اور پتھروں کا ایک بڑا...... ڈھیر نظر آ رہا تھا...... معلوم ہوا یہ بابری مسجد کا گرا ہوا ملبہ ہے...... اور اس ملبے پر...... زرد بھگوے کپڑوں کا ایک خیمہ تھا...... اور اس کے آگے...... بتوں کی مورتیاں رکھی تھیں...... یہ تھا وہ عارضی مندر...... جو بابری مسجد کے سینے پر بنایا گیا تھا...... باوجود کوشش کے...... میں خود پر قابو نہیں رکھ پا رہا تھا...... میرے اور میری محبوب...... بابری مسجد کے درمیان...... ایک خندق تھی...... جو اس کے تین اطراف میں...... حکومت نے کھود رکھی تھی...... میری حالت اس مجرم جیسی تھی جس کی غفلت کی وجہ سے...... اس کی ماں کو...... شہید کر دیا گیا ہو...... اور اب وہ...... ماں کی قبر پر...... کھڑا آنسو بہا رہا ہو...... پھر اچانک...... غم کی جگہ غصہ نے لے لی اور میں نے ایک عزم کے ساتھ...... زمین پر چند ایسی ٹھوکریں ماریں...... جن سے خاک اڑ کر...... دور دور تک پھیل گئی...... میں نے دل ہی دل میں...... خود کو تسلی دی...... کہ انشاء اللہ یہاں ایک نہ ایک دن...... بابری مسجد...... پھر تعمیر ہو گی...... اس کے میناروں سے...... اللہ اکبر کی صدا گونجے گی...... مسجد کو کون ختم کر سکتا ہے؟...... آج بابری مسجد...... کی عمارت تو نہیں ہے...... لیکن وہ کروڑوں مسلمانوں کے دلوں...... اور زبان پر زندہ ہے...... اور تو اور...... دشمن بھی اس کا ذکر کرتے نہیں تھکتے...... ملے جلے جذبات...... عجیب و غریب حالات...... اور ڈبڈباتی آنکھوں سے...... مسجد کے سینے پر...... مندر دیکھ رہا تھا کہ...... مجاور نے کہا یہاں زیادہ دیر نہیں رکا جا سکتا...... واپس چلتے ہیں...... ہم واپس مڑے...... صدیق صاحب نے بتایا...... میرے والد...... اس مسجد کی خدمت کرتے تھے...... ہمارا گھر مسجد کے دروازے سے...... ملحق تھا...... میرے والد نے...... خود اس میں نماز ادا کی ہے...... لیکن میں نے اسے بند ہی دیکھا ہے...... اس نے چائے پانی کی دعوت دی...... ہم نے شکریہ ادا کیا...... اور گاڑی کی طرف بڑھے...... کئی پولیس والے...... گاڑی کے اردگرد جمع تھے...... کوئی نمبر پلیٹ دیکھ رہا تھا...... تو کوئی سامنے کے شیشے سے اندر...... جھانک رہا تھا...... میں ان کے درمیان سے...... بے پرواہی کے ساتھ گزر کر گاڑی میں جا بیٹھا...... ان کے چہروں پر...... مچلتے سوالات...... اور ان کے دلوں میں...... ابھرتے...... ظالمانہ عزائم کو کس ذات نے روکا...... مجھے معلوم تھا...... میں

نے گاڑی اسٹارٹ کی...... مگر ان میں سے بعض سامنے کھڑے رہے...... ان کے سلے ہونٹ...... سب کیلئے حیرانی کا باعث تھے...... میں نے تیز رفتاری سے گاڑی آگے بڑھا دی...... سامنے والے سپاہیوں نے...... تیزی سے دائیں بائیں ہٹ کر...... خود کو بچایا...... اور ہم گلیوں میں گم ہو گئے...... اور میرے دل میں یہ یقین پختہ ہو چکا تھا کہ جس ذات نے...... ہمیں...... بابری مسجد کے مقام کی زیارت نصیب فرمائی ہے...... وہ ضرور اس مسجد کی تعمیر سے بھی...... اہل ایمان کے قلب کو...... ٹھنڈا فرمائے گی......

بابری مسجد کی شہادت نے ہندوستان کے مسلمانوں میں...... ایمان و عزم کی...... ایک نئی روح پھونک دی ہے...... اب تو بہت سارے مسلمان...... یہاں تک کہتے ہیں کہ...... وہ بابری مسجد کے بعد والے مسلمان ہیں...... ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی...... کانگریس کو...... بابری مسجد کے گرنے کا اب بہت دکھ ہے...... کیونکہ ۹۶ء کے انتخابات میں...... چھیالیس سال تک...... ہندوستان پر حکومت کرنے والی...... اس پارٹی کو...... عبرتناک شکست ہوئی...... اور اس کے لیڈروں نے اعتراف کیا کہ...... ان کی شکست کی ایک بڑی وجہ...... کانگریس کے دور حکومت میں...... بابری مسجد کی شہادت ہے...... چنانچہ اب...... کانگریس بابری مسجد کی حمایت میں بیانوں پر بیان دے رہی ہے...... جبکہ دوسری طرف بابری مسجد کو شہید کرنے کی...... ذمہ دار...... پارٹی...... بی جے پی (بھارتیہ جنتا پارٹی) کے کئی لیڈروں نے...... بابری مسجد کی شہادت پر...... افسوس کا اظہار کیا ہے...... کیونکہ...... ان کے وہ مقاصد پورے نہیں ہو سکے...... جو اس مسجد کو شہید کر کے...... وہ حاصل کرنا چاہتے تھے...... اور اب انہیں بھی اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو سمجھنے میں غلطی کی ہے...... اور ہندوستان میں...... اسپین کی تاریخ دہرانے کا خواب...... شرمندہ تعبیر ہوتا نظر نہیں آ رہا...... مارچ ۹۶ء کے انتخابات میں پہلے بی جے پی نے...... حکومت بنائی...... وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی نے...... صرف دس منٹ قوم سے خطاب کیا...... اور انہیں بابری مسجد کا تذکرہ کرنا پڑا...... پھر ہم نے تحریک عدم اعتماد کے موقع پر...... اسمبلی کی بحث سنی تو...... ہر ایک ممبر نے بابری مسجد کا تذکرہ چھیڑا...... کانگریس کے مشہور لیڈر شرد پوار نے تو تین بار یہ الفاظ کہے...... ''۹۲ء میں جب بابری مسجد کو شہید کیا گیا تو ملک فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں آ گیا۔

(بی جے پی) کے وزیر اعظم کی تقریر...... اور پھر اسمبلی کی بحث میں...... بابری مسجد کا

معاملہ...... اس طرح سے...... قوت کے ساتھ ابھرتا دیکھ کر...... میں نے سوچا کہ...... الحمدللہ مسلمانوں کی...... ایک مقدس عبادت گاہ...... کا خون...... پورے ہندوستان سے ہضم نہیں ہو رہا ...... اور تو اور مجرم بھی صفائیاں دے رہے ہیں...... اب تو دنیا کو سمجھ لینا چاہئے کہ...... مسلمانوں سے ٹکر لینا...... آسان کام نہیں ہے......

ایک نابغۂ روزگار ہستی کی زیارت

ہندوستان میں گیارہ روزہ قیام کے دوران اچانک ایک عظیم اور نابغہ روزگار ہستی سے ملاقات ہوگئی۔ آیئے! آج کی نشست میں اس ملاقات کی روئیداد پڑھتے ہیں لیکن اس افسوس کے ساتھ کہ اب وہ ہستی ہمارے درمیان موجود نہیں ہے بلکہ ساقی تو ساقی کی طرف جاچکا ہے۔ جیل کی کوٹھڑی میں لکھے ہوئے اس مضمون کا عنوان ہے ''رفت ساقی سوئے ساقی''

رفت ساقی سوئے ساقی

عجیب اتفاق کہ...... آج صبح سے...... ایک موضوع بار بار...... ذہن سے ابل کر...... کاغذ پر آنے کیلئے...... مجھے بے تاب کررہا تھا...... مگر میں...... اس پر لکھنے کیلئے تیار نہیں ہورہا تھا...... کیونکہ اگر میں...... کھل کر لکھتا تو...... بعض ایسی ہستیوں کے لئے خطرہ پیدا ہوجاتا...... جن کی عزت اور جان بچانے کیلئے...... میں اپنی جان تک قربان کرسکتا ہوں...... اور اگر اشاروں میں لکھتا تو...... کیا فائدہ ہوتا؟...... کیونکہ اشارے تو بہت ہوچکے ہیں...... اب تو صراحت کی ضرورت ہے...... صبح سے اسی ادھیڑ بن میں تھا...... ایک مرتبہ تو...... ہاتھ میں قلم لے کر بیٹھ بھی

گیا...... لیکن پھر...... اس موضوع کو چھیڑنے کی ہمت نہیں ہوئی...... موضوع بالکل سیدھا سادہ تھا...... میں اپنے ہندوستانی...... مسلمان بھائیوں سے یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ...... وہ اپنے ایمان کو بچانے کیلئے...... وحید الدین خان...... اخلاق حسین اور بلال بجرولوی جیسے...... لوگوں سے ہوشیار رہیں...... یہ تینوں اپنے نام کے شروع میں مولانا لکھتے ہیں...... اور ہندوستان کے اخبارات...... ان کی فضول اور جاہلانہ گفتگو کو...... نمایاں طور پر چھاپتے ہیں...... چنانچہ...... اخبارات میں ایک طوفان بدتمیزی...... برپا ہے...... ایک طرف تو...... ارون شوری جیسے...... اسلام دشمن بڑے بڑے...... کالم لکھ کر...... مسلمانوں پر حملے کررہے ہیں...... تو دوسری طرف ...... وحید الدین خان...... اخلاق حسین قاسمی...... جیسے لوگ حکومتی ایوارڈوں کے لالچ میں...... اسلام کی غلط تشریح کررہے ہیں...... یہ تھا میرے موضوع کا پہلا رخ...... اس میں میں نے...... یہ عرض کرنا تھا کہ...... یہ دونوں اور اب ایک نیا شوشہ...... بلال بجرولوی...... کس طرح سے...... مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں...... اور مضمون کے دوسرے حصے میں...... میرا ارادہ...... ان حضرات کے نام لکھنے کا تھا...... جن کے پاس ہندوستان کے...... سب مسلمانوں کو جانا چاہئے...... اور دینی اور دنیاوی معاملات میں...... صرف انہیں سے مشورہ کرنا چاہئے...... اور دین کی وہی تعبیر وتشریح قبول کرنی چاہئے...... جو یہ حضرات فرماتے ہیں...... ان مبارک ہستیوں اور...... دین کے ان عظیم محافظوں میں...... سب سے پہلا نام جو میرے ذہن میں آرہا تھا...... وہ تھا...... مفتی اعظم ہند...... حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ...... کا اسم گرامی......

لیکن مجھے خطرہ تھا کہ...... اگر میں نے ان کا نام لکھ دیا تو...... کہیں ان کو...... انڈیا کے ظالم حکمران...... ستانا شروع نہ کردیں...... کیونکہ ان بدبختوں کے ہاں...... کسی کی کوئی قدر...... یا کوئی مقام نہیں ہے...... آٹھ سو سال تک...... مسلمانوں کا نمک کھانے والے...... ان احسان فراموشوں کو...... ابھی پچاس سال سے ہی ناخن ملے ہیں...... اور وہ ان ناخنوں کا استعمال...... صرف اور صرف مسلمانوں کے خلاف کررہے ہیں...... انہوں نے...... دارالعلوم ندوہ جیسے ادارے پر چھاپہ مارنے...... اور بابری مسجد جیسے...... مقدس مقام کو شہید کرنے سے...... دریغ نہیں کیا...... اگر خدانخواستہ...... میرے لکھنے کی وجہ سے...... حضرت مفتی صاحب کو انہوں نے ستایا...... تو یہ کس قدر تکلیف دہ ہوگا...... اس لئے میں نے...... اس موضوع پر لکھنے کا ارادہ ترک کردیا...... حالانکہ میں کئی دن سے...... ایک اندرونی آگ میں جل رہا ہوں...... ہندوستان کے

اخبارات ...... جن کے مالکان کٹر ہندو ہیں...... کسی بھی اچھے عالم دین کی بات شائع نہیں کرتے ...... جب کہ وحید الدین خان ...... اور اخلاق حسین قاسمی ...... ان اخبارات کے ذریعے سے قرآن مجید کی غلط تفسیر کا زہر...... پھیلا رہے ہیں ...... اور اسلام کا وہ نقشہ پیش کر رہے ہیں...... جو مرزا قادیانی ...... سرسید احمد خان ...... اور غلام احمد پرویز نے بنایا تھا...... گزشتہ دنوں ...... وحید الدین خان نے ...... افغان جہاد کے خلاف کئی قسطوں میں ...... مضمون لکھا...... یہ مضمون اخبارات کے...... ادارتی صفحات پر نمایاں طور پر شائع ہوا...... میں مضمون کے ختم ہونے کا...... انتظار کرتا رہا...... جب جھوٹ...... بہتان ...... اور فضول ہفوات کا یہ سلسلہ ختم ہوا...... تو میں نے اس مضمون پر ایک تفصیلی تبصرہ لکھا...... اور اس کی ہر ہر سطر میں ...... غلطی نکالی...... اور یہ بھی ثابت کیا کہ...... افغان جہاد کے بارے میں ...... وحید الدین خان کو...... کچھ بھی معلوم نہیں ہے...... بلکہ نجیب کی کمیونسٹ انتظامیہ نے ...... وحید الدین خان کو...... مہمان نوازی کے دوران جو کچھ بتایا...... اس نے وہ سب کچھ اخبارات میں ...... انڈیل دیا...... حالانکہ اس کو تنظیموں ...... اور اس کے قائدین کے نام تک ٹھیک طرح سے نہیں آتے تھے...... میں نے یہ تبصرہ لکھ کر کسی اور نام سے بھیج دیا...... لیکن اخبارات میں ...... وہ شائع نہیں ہوسکا ...... یہی حال تقریباً ان تمام مضامین کا ہوتا ہے...... جن میں مسلمانوں کے کسی موقف کی تائید کی گئی ہو......

جب کہ یہ چند ملت فروش...... اگر گاندھی کو مجدّد و مجتہد لکھیں ...... یہ تسلیمہ نسرین کو مظلوم بتائیں ...... یا بوسنیا اور فلسطین کے مجاہدین کو...... رگڑ دیں ...... یا قرآن مجید کی تحریف کریں...... ان کی ہر بات شائع کی جاتی ہے...... اور وہ تصاویر بھی ...... اخبارات کی زینت بنتی ہیں...... جن میں ...... وحید الدین خان ...... نرسمہا راؤ سے ایوارڈ لیتے ہوئے...... اسے لالچی نظروں سے دیکھ رہا ہوتا ہے...... (یہ تصویر کچھ دن پہلے ...... اخبارات میں شائع ہوئی...... اور جس نے دیکھی ...... اسے بے حد شرم آئی) آج صبح ...... ان خیالات نے مجھے شدت سے آ گھیرا ...... میرا دل رو رہا تھا کہ...... مسلمان کتنے مظلوم ہیں ...... اب انہیں صحیح بات بتانے والے بھی کھل کر سامنے نہیں آسکتے ...... ایک طرف انہیں ذبح کیا جا رہا ہے...... اور دوسری طرف ...... کچھ اپنوں کے ہم شکل...... انہیں ڈانٹ رہے ہیں ...... کہ...... ذبح ہوتے وقت تم چیختے کیوں ہو؟ ...... دس بجے تک میں نے اس موضوع پر لکھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور آج کا تازہ اخبار لے کر پڑھنے لگا...... پندرہ منٹ کے بعد ...... میری نظر اخبار کے ایک کونے پر پڑی تو...... مجھے زمین

گھومتی ہوئی محسوس ہوئی...... اور میرے دل کو بالکل ویسا ہی دھچکا لگا...... جیسا گزشتہ سال...... اپنے شیخ حضرت اقدس مفتی ولی حسن صاحب...... نور اللہ مرقدہ کے...... انتقال کی خبر پر لگا تھا...... اخبار میں...... مفتی اعظم ہند...... حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے وصاف پُر ملال کی خبر تھی...... انا للہ وانا الیہ راجعون...... اللھم لا تحرمنا اجرہ...... ولا تفتنا بعدہ...... آمین......

ایسے وقت میں...... جب کہ ہندوستانی مسلمانوں پر...... بھیڑیئے ہر طرف سے حملہ آور ہیں...... ایسے عظیم گلہ بان اور ایسی پرنور...... علمی شخصیت کا اٹھ جانا ایک بہت بڑا حادثہ ہے......

حضرت مفتی صاحب...... نور اللہ مرقدہ...... علماء دیوبند کے...... کمالات کی زندہ نشانی تھے...... آپ اس دور کے لاثانی متکلم...... اور اسلام کے عظیم مفکر تھے...... آج دیوبند کے فتوے کی مسند...... ایک ایسا خلا محسوس کرے گی...... جس کا پر ہونا مشکل ہے...... مفتی صاحب کے علمی کمالات پر تو...... حضرات علماء کرام ہی کچھ لکھ سکتے ہیں...... مجھ جیسے...... ان پڑھ کے لئے تو ان کا...... مظاہر العلوم سہارنپور کا صدر مدرس...... اور دار العلوم دیوبند کا رئیس دار الافتاء ہونا ہی کافی ہے...... مفتی اعظم پاکستان...... مفتی ولی حسن صاحب بھی ان کے شاگرد تھے...... اور اپنے استاد کے علمی کمالات کا...... برملا اظہار فرمایا کرتے تھے...... اس سے آپ حضرت کے...... علمی مقام کا اندازہ لگا سکتے ہیں...... اللہ پاک نے انہیں...... بلا کا حافظہ عطا فرمایا تھا...... پیرانہ سالی کے عالم میں بھی...... ایسے شخص کو پہچان لیتے تھے...... جس سے صرف ایک مرتبہ ملاقات ہوئی ہو...... اس سفر میں...... جب میں دہلی میں آیا...... تو معلوم ہوا کہ...... حضرت جنوبی افریقہ سے تشریف لائے ہوئے ہیں...... میرا دل ملاقات کیلئے مچل گیا...... کیونکہ مجھے ان سے بے پناہ عقیدت تھی...... طالب علمی کے زمانے میں...... جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ان کا...... پرنور خطاب سنا تھا...... جس کی حلاوت اب تک محسوس ہوتی ہے...... پھر مکہ مکرمہ میں ایسی ملاقات ہوئی تھی...... جسے زندگی بھر نہیں بھلایا جا سکتا...... اور بھی بہت کچھ...... ایسا ہوا...... جس نے مجھے ان کا گرویدہ بنا دیا تھا...... دہلی میں...... اگرچہ ان کی زیارت کیلئے جانا کچھ مناسب نہیں تھا...... لیکن محبت مجھے کھینچ رہی تھی اور میرے ایک دوست نے بھی ہمت بندھائی کہ...... وہاں آپ کو کون پہچانے گا؟...... ہم آپ کا دوسرا نام بتا دیں گے...... چنانچہ ہم کشاں کشاں...... اس خوش قسمت شخص کی کوٹھی پر...... پہنچ گئے...... جس کے پاس حضرت کا قیام تھا...... آپ کرسی پر تشریف

فرما تھے چاروں طرف پروانوں کا ہجوم تھا......کئی بڑے علماء کرام...... دست بوسی کیلئے حاضر تھے......ایک ایک......آدمی......آگے بڑھ کر......مصافحہ کرتا......دعاؤں کی درخواست کرتا...... اور حضرت اکثر کو پہچان لیتے...... اور علم وظرافت سے بھرپور...... گفتگو فرماتے...... انہیں ......بولتا دیکھ کر...... بے حد خوشی ہوئی...... کیونکہ میں نے سنا تھا کہ اب نقاہت کی وجہ سے...... گفتگو نہیں فرما سکتے......لیکن یہاں تو...... عجیب عالم تھا...... گفتگو بھی فرما رہے تھے......اور اس میں روحانیت وعلمیت کی روح بھی جگا رہے تھے...... میں ان کے قریب ہی...... دوزانو بیٹھ کر...... ان کے چہرے میں ہندوستان کے مسلمانوں کا تابناک ماضی...... جھانکنے لگا...... میں مدہوشی کے عالم میں...... ٹکٹکی باندھے......ان کی زیارت میں مگن تھا......کہ میرے ساتھی نے مجھے کہا...... حضرت سے مصافحہ کرلیں...... میں نے منع کیا......لیکن ان کا اصرار برقرار رہا...... میں مصافحے کیلئے آگے بڑھا...... ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دیا تو انہوں نے مضبوطی سے......دونوں ہاتھ پکڑ لئے......میں گھبرا گیا کہ حضرت نے پہچان لیا ہے......حضرت نے پوچھا کیا نام ہے آپ کا؟ ...... میں خاموش رہا...... سچ بتا کر...... پھنسنا نہیں چاہتا تھا......اور ان کی مجلس میں...... سچ کے علاوہ کچھ بولنا نہیں چاہتا تھا......انہوں نے خلاف عادت دو تین بار نام پوچھا...... میں نے کہا حضرت آپ سے دعاؤں کی درخواست ہے......اور پھر میں خود ہی پیچھے ہٹ گیا...... مجھے یقین ہوگیا تھا کہ...... انہوں نے پہچان لیا ہے......اب میں پھر کچھ فاصلے پر...... ان کی دائیں طرف دوزانو بیٹھ گیا...... تھوڑی دیر میں...... میں نے دیکھا میری طرف اشارے ہی اشارے ہو رہے ہیں...... اور ہر آدمی...... گردن گھما کر...... یا اٹھا کر مجھے دیکھ رہا ہے...... معلوم ہوا کہ...... کسی ایک نے پہچان لیا ہے......اس نے دوسرے کو......اور دوسرے نے تیسرے کو......اور اب تقریباً سارے مجمع کو...... پتہ چل چکا ہے......ان میں سے بعض نے کیسٹ سن رکھی تھی...... میں نے...... یہ صورتحال دیکھ کر...... وہاں سے بھاگنے میں عافیت سمجھی...... ورنہ معلوم نہیں میں کب تک...... حضرت کے قرب کی لذت اٹھاتا......اور مجلس سے سیراب ہوتا رہتا......

لیکن آج جب......ان کے انتقال کی خبر پڑھی تو......دل پر غم کے بادل چھا گئے......اب کون......ان کی طرح...... دوٹوک الفاظ میں ببانگ دھل...... مسلمانوں کو بتائے گا کہ...... جہاد فرض ہے...... ہندوستان میں تو...... کچھ شخصیات کو چھوڑ کر...... باقی سب مصلحت کا...... درس

دے رہے ہیں...... جب کہ حضرت مفتی صاحب نے...... بابری مسجد کی شہادت کے بعد فرمایا ...... میرے نزدیک...... موجودہ ہندوستانی حکومت کا حکم...... انگریز کی حکومت جیسا ہے...... یاد رہے کہ انگریزی حکومت کے خلاف...... شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ اور دیگر علماء نے جہاد کا فتویٰ دیا تھا......

ایک مرتبہ...... حضرت مفتی صاحب...... افریقہ کی...... ایک جامع مسجد میں...... جمعہ کا خطاب فرمارہے تھے...... انہیں دنوں ہمارا بھی...... وہاں جانا ہوا تھا...... بعض افراد...... جن کا جہاد کے متعلق...... شرح صدر نہیں ہورہا تھا...... انہوں نے حضرت مفتی صاحب کو پرچہ لکھ کر...... جہاد کے متعلق پوچھا...... حضرت نے فرمایا...... اگر اس پرچے کا جواب دے دوں...... تو تم میں سے کوئی بھی گھر نہیں بیٹھ سکے گا......

ایک مرتبہ ہم چند ساتھی...... مکہ مکرمہ میں تھے...... حضرت مفتی صاحب بھی...... حسن اتفاق سے...... وہاں تشریف لائے...... ہمارے ایک انڈین دوست مفتی صاحب کے خاص مرید تھے...... ان کی معیت میں...... ہم حضرت کی زیارت کیلئے...... ان کی قیام گاہ پر پہنچے...... ہمارے دوست نے میرا تعارف کراتے ہوئے عرض کیا...... یہ مجاہدین میں سے ہیں...... مفتی صاحب خوشی سے مسکرانے لگے...... بڑے تپاک سے مصافحہ فرمایا...... اور اپنے مرید سے فرمانے لگے...... یہ تو مجاہدین ہیں...... تم ان کے ساتھ کیسے ہو؟...... ارے بھائی تم بھی مجاہد بن جاؤ...... ہم ان کی اس بات سے محظوظ ہو ہی رہے تھے کہ...... حضرت نے فرمایا...... دیکھو بھائی تم لوگ جہاد کرتے ہو...... یہ مبارک عمل ہے...... لیکن یاد رکھو...... ہمیشہ فتح کی توقع میں نہ رہا کرو...... کبھی تو بدر کی فتح ملے گی...... کبھی احد کی طرح ظاہری شکست ہوگی...... اور کبھی ظاہری نتیجہ کوئی نہیں نکلے گا...... مگر بعد میں اس کے اثرات ظاہر ہوں گے...... اس کی کئی مثالیں ہیں...... آخری مثال حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور ان کے شیخ اور ساتھیوں کی بالاکوٹ میں شہادت ہے...... اس تحریک کے اثرات بعد میں ظاہر ہوئے...... بہر حال جہاد میں ناکامی نہیں ہے...... حضرت کے ملفوظات کی صورت میں...... نور کا دریا بہہ رہا تھا...... اور ہم اس میں گم ہو کر...... سب کچھ بھول چکے تھے...... اچانک ایک شخص آگیا...... اور اس نے ہماری اس مجلس کے تسلسل کو توڑ دیا...... زندگی میں مجھے جتنا دکھ...... اس مداخلت کا ہوا...... کسی کا نہیں ہوا...... وہ شخص چند الٹی سیدھی باتیں کر کے چلا گیا...... حضرت نے بڑے تحمل سے...... اس کی باتوں کو سنا...... جس سے

مجھے حضرت کی وسعت قلبی پر...... بے انتہا رشک آیا...... اس کے چلے جانے کے بعد ہم نے دعاؤں کی درخواست کر کے اجازت چاہی...... ہم حیران تھے کہ...... مجاہدین کی ایسی حوصلہ افزائی ہندوستان کے ایک بزرگ کس طرح سے فرما رہے ہیں...... یہ یقیناً ان کی جہاد سے محبت تھی...... کہ انہوں نے ہم جیسے ناکارہ لوگوں کو...... ایسی نصیحتیں فرمائیں...... جو آج تک پلے بندھی ہوئی ہیں...... اور دل کو تسلی دیتی ہیں......

آہ...... ہند کی روحانیت کا...... مے خانہ...... آج اداس ہے...... آج ایک ایسا بے باک...... نڈر...... اور فیاض ساقی چلا گیا...... جس کی اس اجڑتے مے خانہ کو...... سخت ضرورت تھی۔ دل کو...... اس سانحہ کا یقین نہیں آرہا لیکن اخبار یہی بتا رہا ہے کہ ساقی تو اب...... ساقی کی طرف چلا گیا...... اور ایسی خبریں اکثر سچی نکلتی ہیں۔

نظارۂ ہند

بابری مسجد کی زیارت..... شکستہ حالت ہی میں سہی..... نصیب ہوگئی..... اور وہاں رکھی ہوئی..... بے جان ..... بے زبان، غلیظ و بدبودار..... مورتیوں کا مشاہدہ..... دور سے ہی سہی..... دل کا ایسا زخم بنا..... جو اب تک تڑپاتا ہے..... اور بعض اوقات..... زندگی سے..... بے زار کر دیتا ہے..... خصوصاً تب..... جب میں ان..... بتوں کے تئیں..... اپنی بت شکن قوم میں..... غفلت کے جراثیم..... بلکہ..... سانپ اور اژدھے..... دیکھتا ہوں..... تب میں..... خود کو..... تنہا تنہا..... محسوس کرتا ہوں..... کاش!..... میری یہ تنہائی..... دور ہو جائے..... ہندوستان میں..... قیام کے دوران..... حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی..... نور اللہ مرقدہ..... کی زیارت..... ایک یادگار..... انمول..... سکون بخش تحفہ تھا..... جس کے نصیب ہونے پر..... آج بھی..... رب تعالیٰ کا..... شکر گزار ہوں..... ہندوستان میں..... بعض..... مجاہدین سے ملاقات..... بھی یادگار رہی..... ہم کھل کر ملے..... اور ہم نے آپس میں..... ڈھیروں باتیں کیں..... وہاں پر کچھ جذباتی عناصر بھی ملے..... ایسے عناصر..... جنہیں پختگی کی ضرورت تھی..... کچی اینٹیں کچے پھل..... کام کے نہیں..... گزارے کے ہوتے ہیں..... آج..... ہر

طرف...... کچی اینٹوں کا...... ڈھیر لگا ہے...... ایسی اینٹیں...... جنہیں اگر...... کوئی پکا لے...... دل کی آنچ...... جگر کی گرمی...... ایمان کی حرارت...... عمل کی قوت...... اور میدان کی وسعت...... دے کر تو...... یہ ایسے...... پختہ پتھر...... بن جائیں...... جنہیں کوئی نہ...... توڑ سکے...... اور جن کی ضرب اور مار کوئی نہ سہہ سکے...... مگر کون ایمانی حرارت کی...... بھٹی بنے؟...... کون...... خون جگر کو...... جلائے؟...... کون سوز و گداز کی...... مردہ محفل کو...... پھر جگائے؟...... آج تو...... کسی کو اپنی ذات کے خول...... اپنے پیٹ کے ڈھول...... اپنی راحتوں کے ماحول سے...... فرصت نہیں...... پورا ہندوستان...... اندر ہی اندر...... ایک لاوے کی طرح...... پک رہا ہے...... وہاں...... ہر ایمان والے کو خطرہ ہے...... کوئی باعزت...... خود کو محفوظ تصور...... نہیں کرتا...... کوئی غیرت مند...... وہاں کے...... بھونڈے مظالم...... کو...... سہنے کے لئے...... تیار نہیں...... برہمنی سامراج...... اپنی غیر فطری...... روایات کے بوجھ تلے...... دبنے کو ہے...... مگر...... اہل ایمان کو...... کسی قیادت کی...... ضرورت ہے...... ایسی قیادت...... جس کے خمیر میں...... امت کا درد...... شجاعت مردانگی...... عالی ہمتی...... اللہ سے ملاقات کا جنون...... جہاد کا ولولہ...... اور اسلام کی...... ایک ایک اداء سے...... محبت...... شامل ہو...... تب برصغیر کا...... نقشہ...... اتنی تیزی سے بدلے گا...... جتنی...... تیزی سے...... گرمی میں...... پارہ اوپر...... اٹھتا ہے...... تب...... دشمن آپس میں...... لڑیں گے...... مریں گے...... ایک دوسرے کو کاٹیں گے...... اور مسلمان...... امن کی بھیک ان کے...... کٹوروں میں...... ڈالیں گے......

ہندوستان میں قیام کے دوران...... بعض تاریخی مقامات...... دیکھنے کا اتفاق ہوا...... بعض کو دیکھ کر...... شرم آئی...... کہ...... ان کے ہوتے ہوئے بھی...... ہم اللہ کو...... بھول گئے...... پھر...... خود کو بھی...... بھول گئے...... ان مقامات کی...... بنیادوں میں...... مہکنے والا...... شہداء کا خون...... علماء کا پسینہ...... اب بھی...... پیغام غیرت دیتا ہے...... اور نیند سے...... جگانے کی کوشش کرتا ہے...... جب کہ...... بعض مقامات کو دیکھ کر...... دکھ ہوا...... آخر کیا ضرورت تھی ان کی؟...... انہوں نے...... امت کو کیا دیا؟...... یقیناً کچھ نہیں...... بلکہ بہت کچھ...... چھین لیا...... جواب تک...... چھینا جا رہا ہے...... کاش!...... ایسے مقامات...... نہ بنائے جائیں...... تب...... زمین بھی راحت...... محسوس کرے گی...... اور زمین والے بھی...... کاش! قومِ عاد، بڑے بڑے پہاڑوں پر...... زیادہ محنت سے پہلے...... اپنے چھوٹے سے دل پر محنت کر لیتی......

یادگاریں بنانے کے بجائے...... اس کی یاد...... دل میں...... بسالیتی...... جس کی یاد ہی...... یادگار رہے......اور حسن کا معیار ہے......

سراپا حسن بن جاتے ہیں جس کے حسن کے عاشق
بتا اے دل! حسیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

ہندوستان میں...... قیام کے دوران...... میں نے کچھ سفر بھی کیئے ...... ''پانی پت'' کی زمین پر قدم رکھے...... کہ شاید...... مراٹھوں (مرہٹوں) کو...... موت کا مزا چکھانے والے...... کسی سرفروش...... کے قدموں پر...... یہ ناقص قدم پڑ جائیں...... حالانکہ...... ان مجاہدین نے...... مراٹھوں (مرہٹوں)...... کی ایک پوری...... نسل...... اس کی...... اسلام دشمنی سمیت...... ختم کر دی تھی...... جب کہ ہم سے...... ''بال ٹھاکرے'' نامی...... ایک مرہٹا...... نہیں سنبھل رہا...... وہ مرہٹا...... جس کے منہ سے...... بمبئی کے...... مسلمانوں کا خون...... ٹپک رہا ہے......

میں نے...... شاہِ تصوف حضرت اقدس تھانوی...... نوراللہ مرقدہ اوران کے پہلو میں...... رب تعالیٰ کی اعلان فرمودہ...... زندگی کے مزے...... لوٹنے والے...... حضرت حافظ ضامن شہید...... نوراللہ مرقدہ...... کی خدمت میں بھی...... حاضری دی...... معلوم نہیں...... یہ حضرات آج کے ہندوستان پر...... عالم ارواح میں...... کیا سوچ رہے ہوں گے...... ان کو جو کہنا تھا...... وہ کہہ گئے...... جو کرنا تھا...... وہ کر گئے...... اب امت کا کام ہے کہ...... وہ سوچے...... اس نے قلم...... کے نور...... اور شہید کے خون...... سے کیا سمجھا...... کیا سیکھا؟......

ہندوستان میں قیام کے دوران...... وہ لمحہ...... یادگار تھا...... جب میں...... مزار قاسمی میں...... اپنے عظیم...... بلند مرتبہ...... فقید المثال...... جبالِ علم وعمل...... شوامخِ جہاد...... حضرات اکابر کی قبور کے درمیان...... حیرت، تعجب...... اور استغراق کے عالم میں...... کھڑا تھا...... ایسا لگتا تھا...... آسمان...... زمین پر...... اتر آئے ہیں...... سورج...... مٹی میں...... چھپنے کی ناکام کوشش...... کرر ہا ہے...... اور تاریخ کا ایک روشن باب...... پیوند خاک ہے...... قبروں کے کنارے...... مسکراتے کتبوں پر...... نظر پڑتی...... تو دل...... عظمت وہیبت سے...... دہل جاتا...... حجۃ اللہ فی الارض...... حضرت قاسم نانوتوی رحمہ اللہ...... اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ...... حضرت شیخ اسلام مدنی (رحمہم اللہ تعالیٰ)...... اور نہ معلوم...... کون کون...... ہر کتبے کے پیچھے...... کتاب زندگی...... کے روشن اوراق کے...... انبار نظر آتے...... فجر کے بعد...... اس گلشن عجیب میں...... جانا ہوا......

بے خبری کے عالم میں......سورج کی تمازت نے...... ہوش وحواس کو......بحال کیا......سعودی عرب کے......ایک درد دل رکھنے والے......عصر حاضر کے خطیب کے الفاظ......کانوں میں...... دوڑنے لگے......دل کے تاروں کو ٹٹولنے لگے......وہ فرمارہے تھے......''اولیاء اللہ......اللہ تعالیٰ کی محبت......اس کے ذکر......اوراس کے ساتھ وفاداری کی...... بدولت......عجیب وغریب حقیقی زندگی...... پالیتے ہیں......پھر ہم جیسے......دنیا کے مارے ہوئے......مردے......جب ان...... اولیاء اللہ کا......تذکرہ کرتے ہیں......تو اپنے دل میں......زندگی کی......حرارت کا مزہ......پاتے ہیں''......او کما تلفظ......بس......یہی کیفیت تھی......اوراس کیفیت کے اندر......طرح طرح کے زیروبم تھے......عجیب جذبات......عجیب خیالات......اور......عجیب ولولے......دل میں اٹھ رہے تھے......میرے چاروں طرف......ان لوگوں کی......قبریں تھیں......جو کامیاب...... کامران......بامقصد......اورعظیم زندگی......گزار کر......اپنے رب کے پاس......چلے گئے...... اوراپنے پیچھے......اپنے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے......وہ ہم جیسے تھے......لیکن......انہوں نے...... وہ کام کئے......جنہیں سوچ کر......پسینہ آتا ہے......اور دل......ورطۂ حیرت میں......غوطے کھاتا ہے......یہ سارے اکابر......توحید کے داعی......اورسنت کے......عاشق تھے......میں ان کی......قبروں پر......ہاتھ اٹھاتا......تو یہ......انہیں کی تعلیمات کے خلاف ہوتا......یقیناً وہ ہاتھ ......صرف اورصرف......اللہ تعالیٰ کیلئے اٹھتے......کسی قبر والے کیلئے نہیں......لیکن......دیکھنے والے......ممکن ہے......گمراہی کا طوق......گلے میں ڈال لیتے......رب سے کٹ کر......قبروں کے پجاری......بن جاتے......اسی لئے......میں نے......ہاتھوں کی بجائے......دل کو......رب کی طرف......متوجہ کیا......اورجس رب نے......ان سب کو......کمالات دیئے......اس کے حضور......التجاء کر ڈالی......اے پروردگار! ......مجھ ناتواں کو......ان اکابر کی......نسبت سے......سرفراز فرما......

اسی سفر کے دوران......علم کے بادشاہ......حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق دار ترجمان......امام العصر......حضرت مولانا انور شاہ کاشمیری......نور اللہ مرقدہ......کی مرقد پر بھی......حاضری ہوئی......علم کا یہ عظیم شاہکار......ذہانت وفطانت کا......یہ انمول شہ پارہ...... منوں مٹی کے نیچے......آرام فرمارہا ہے......بعد میں......جیل کی زندگی کے دوران......حضرت کی کتاب فیض الباری......میری......ہمسفر......رہی......اور میرا یہ شکوہ......اس نے ختم کردیا

...... کہ ...... جیل میں ......سب مجھ سے...... پڑھنے والے ہیں...... پڑھانے والا......کوئی نہیں......

گنگوہ...... حاضری ہوئی ......تو امام ابوحنیفہ ثانی......قطب الارشاد......حضرت گنگوہی کے ہاں...... حاضری کی سعادت ملی......قبر سے ملحق...... مسجد...... میں نماز ادا کی......اور دل و دماغ...... حضرت کے...... علمی...... روحانی ...... اور جہادی کارناموں سے......مہکتا رہا...... میں...... ہندوستان میں بہت کچھ دیکھ رہا تھا......کچھ کام بھی......کر رہا تھا......مگر...... چناروں کی سرزمین...... سے...... عالم اسلام کا......ایک مسکراتا چنار......شیر جرار......عصر حاضر کا...... ضرار...... مجھے......ایک وعدہ...... یاد دلا رہا تھا...... جو میں نے...... کچھ عرصہ پہلے......اس کی دعوت کے...... جواب میں کیا تھا......

سفرِ کشمیر کی تیاری

جی ہاں ہندوستان کے اس سفر سے کچھ عرصہ پہلے میں ایک عرب ملک میں تھا حسن اتفاق سمجھئے یا حسن نصیب کہ ٹیلیفون کی لہروں کی ذریعے مجھے کمانڈر سجاد خان سے گفتگو کا موقع ملا، آپس کا تعلق بہت پرانا اور گرم جوش تھا، انہوں نے تفصیل سے کشمیر کی داستانِ درد نئے حالات و واقعات اور مشاہدات سنائے اور اپنا یہ شکوہ دہرایا کہ مرکزی قائدین ادھر کیوں نہیں آتے؟ کیا دعوت جہاد صرف کارکنوں کیلئے ہے؟ کیا میدان جنگ کی تلخیاں اور خوشیاں مرکزی قائدین کیلئے نہیں ہیں؟ عہدے اور منصب کی رسی گلے کا پھندا اور محاذ کے راستے کی رکاوٹ کیوں بن جاتی ہے؟ شکوہ بالکل بجا تھا مرکزی قیادت اگر گولوں اور گولیوں کی گھن گرج سے دور فائلوں اور میٹنگوں میں الجھی رہے تو بزدلی حب دنیا اور سستی ان کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے، اللہ کے شیر ماحول کی مار کھا کر خرگوش بن جاتے ہیں، تب قدم قدم پر ماضی کے جہاد اور گزشتہ زمانے کے عسکری تجربات کو ریاکاری کے طور پر عزت بچانے اور نام کمانے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، پرانے تمغے اور اسٹار دکھا دکھا کر اور پرانی جنگوں کے واقعات سنا سنا کر باور کرایا جاتا ہے کہ ہم کسی زمانے میں خونخوار جنگجو تھے، عسکریت ہمارے گھر کی لونڈی اور جنگ بازی ہمارا مشغلہ تھی۔لیکن

اگر ہم اب دوبارہ میدان جنگ میں چلے جائیں تو مجاہدین کی قیادت کون کرے گا؟

یہ خرگوش دل رہنما جب شیر دل مجاہدین کی قیادت کرتے ہیں تو جہاد کا مذاق بنتا ہے اور تحریکیں بانجھ ہوجاتی ہیں اور مجاہدین آہستہ آہستہ اعلیٰ صفات سے محروم ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اللہ کا شیر کمانڈر سجاد خان مجھے محاذ کشمیر پر آنے کی دعوت دے رہا تھا اور اس کے فوائد گنوار ہا تھا۔ میری یہ گفتگو ایک اور ماضی کے دوست ابرار حقانی کے سامنے ہوئی۔ معلوم نہیں وہ آج کل کہاں ہیں۔ ان دنوں وہ مجاہدین کے مندوب تھے اور ایک عرب ملک میں خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ کمانڈر سجاد خان نے ان سے بھی گفتگو کی۔ مجھے یاد ہے میں نے کمانڈر صاحب سے وعدہ کرلیا بہت پکا بالکل سچا وعدہ میں انشاء اللہ! ضرور کشمیر میں آؤں گا، محاذ جنگ کو دیکھوں گا، رفقاء کرام سے ملاقات ہوگی اور مجھے کشمیر کا درد قریب سے محسوس کرنے کا موقع ملے گا۔ اس گفتگو کے بعد میں اس دعوت کو دل میں لئے ملک ملک، نگر نگر گھومتا رہا۔ کشمیر جانے کیلئے میرے سامنے کئی راستے تھے خود کمانڈر سجاد خان کو دوسری بار کشمیر جانے کیلئے میں خود ایک دوسرے ملک سے انڈیا کے بارڈر تک چھوڑ کر آیا تھا۔ یہ بارڈر اب بھی کھلا ہے اور انشاء اللہ! ظالموں کی تباہی تک کھلا رہے گا۔

اس دوران مدینہ منورہ کا اجلاس ہوا اور مجھے کشمیر جانے کے لئے ایک اور راستہ ہاتھ آ گیا ہندوستان پہنچ کر کمانڈر سجاد خان سے فون پر بات ہوئی وہ چناروں کی سرزمین میں اسلامی غیرت کا بلند قامت چنار بنے ہوئے تھے، انہیں دنوں انہوں نے انڈین فوج کے ایک میجر (جو کرنل بننے والا تھا) بھوپندر سنگھ کو اٹھالیا اور حکومت سے مطالبہ کردیا کہ کمانڈر ''نصر اللہ منصور لنگڑیال'' کو رہا کیا جائے۔ میں دہلی میں تھا اس وقت کمانڈر سجاد خان اور انڈین آرمی کے درمیان اسلام آباد (اننت ناگ) کے علاقے میں آنکھ مچولی جاری تھی۔ حکومت نے کمانڈر سجاد خان کی شہادت یا گرفتاری کے عوض بھاری بھرکم انعام کا اعلان کردیا تھا۔ میرے دہلی ہوتے ہوئے میجر بھوپندر سنگھ مجاہدین کے ہاتھوں مارا گیا اس کے قتل کا ذمہ دار حکومت نے سجاد خان کو قرار دیا۔ آرمی، بی ایس ایف، آئی بی، سی آئی کے اور مخبروں کے ٹولے کمانڈر سجاد خان کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے جب کہ کمانڈر سجاد خان حسب عادت نہایت سکون کے ساتھ سرینگر اسلام آباد اور دوسرے علاقوں میں گھوم پھر رہے تھے۔ گاڑی چلا رہے تھے اور کپواڑہ سے لے کر ہندواڑہ تک اپنے مجاہدین کو کنٹرول کررہے تھے میرے دہلی پہنچنے سے ان پر ایک نیا جوش سوار تھا۔ پہلے وہ خود دہلی

کی طرف عازم سفر ہوئے تا کہ مجھے اپنے ساتھ لے جاسکیں۔ مخلص دوستوں نے ان کے اس فیصلے سے اختلاف کیا اور حالات کی سنگینی سے انہیں آگاہ کیا۔ سجاد خان دھن کے پکے اور عزم کے پختہ تھے اپنے منہ سے نکلی ہوئی کسی بات سے پیچھے ہٹنا ان کے لئے کوہ گراں اٹھانے کے مترادف ہوتا تھا۔ ان پر اپنے غیور اور جنگجو قبیلے سدوزئی کے مزاج کا کافی اثر تھا۔ لیکن وہ عجیب صفات کے مالک تھے۔ جہاں اسلام یا شریعت کا نام آجاتا تھا وہاں اپنی رائے سے دستبردار ہوجاتے تھے حالانکہ اس کیلئے انہیں اندرونی طور پر سخت مجاہدہ کرنا پڑتا تھا اور اس مجاہدے کے آثار ان کے پرنور چہرے پر عیاں ہوجاتے تھے۔ اس موقع پر بھی بہت مشکل سے ساتھیوں نے انہیں قائل کرلیا اور اس میں مجھ سے بھی ان پر دباؤ ڈلوایا گیا۔ بالآخر وہ مان گئے کہ وہ سرینگر میں میرا انتظار کریں گے اور میں ایک دوسرے رہبر کے ساتھ وہاں پہنچوں گا۔ میرے رہبر نے سفر کی تیاریاں شروع کردیں۔ انہیں دنوں مقبوضہ کشمیر کے کچھ معززین دہلی آئے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض میرے کشمیر جانے کے خلاف تھے۔ وہ اسے ایک خطرناک مہم قرار دے رہے تھے۔ جب کہ بعض دوسرے اس سفر کے پرزور حامی تھے۔ مجاہدین کے ہم نوالہ ہم پیالہ یہ معزز سرپرست حضرات میری سفر کی تفصیلات طے کرنے لگے عزم پختہ تھا۔ تیاری بھی آسانی سے ہوگئی۔ چونکہ تحریک کشمیر جاری ہے اس لئے تمام تفصیلات بتانے سے قاصر ہوں۔ مجھے رات کو بتادیا گیا کہ کل سفر ہے۔ دوپہر کے وقت روانگی ہوگی۔ سرینگر جاتے ہوئے جموں میں مختصر قیام ہوگا۔ رات کو میں نے ہوٹل کے کمرے میں رومال بچھا دیا اور اس رب کے سامنے استخارے کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے جس کی عنایات، نوازشات اور مہربانیاں اور اپنی کوتاہیاں اور خامیاں دیکھ کر ہمیشہ شرم آتی ہے افسوس ہوتا ہے اور ڈر بھی لگتا ہے۔ دینی کاموں کی مصروفیات کا عذر کرکے ہم اس سے کس قدر غافل ہوجاتے ہیں؟ پھر بھی ہر موقع پر وہی کام آتا ہے اور اس کی نصرت سہارا بن جاتی ہے۔ اللہ کرے اس کے ساتھ یاری اور وفاداری پکی ہوجائے اور ہر سانس اس کی یاد سے مہک جائے تب دل غمزدہ کو قرار آئے گا اپنی اسی حالت کا تذکرہ میں نے جیل کی کوٹھڑی میں ان الفاظ میں کیا

اس کی ہمت دیکھتا ہوں کچھ سنبھل جاتا ہوں میں
ناامیدی منہ چھپا کر بھاگتی ہے دور دور
پھر نظر جب خود پہ پڑتی ہے تڑپ جاتا ہوں میں
ہائے منزل مجھ سے نہ تھی اس قدر تو دور دور

ہوٹل کے کمرے میں نیم تاریکی تھی اور میں ہاتھ پھیلائے بار بار استخارے کی دعاء پڑھ رہا تھا۔ اپنے پیارے رب اللہ تعالیٰ کو اس کے علم، قدرت اور وسعت کا واسطہ دے کر اس سے خیر مانگ رہا تھا۔ وہی خیر جس کا میں محتاج تھا اور وہ خالق، میں اللہ تعالیٰ کو اس کے عظیم فضل کا واسطہ دے کر شر سے پناہ مانگ رہا تھا۔ وہی شر جس سے بچنے کا میں محتاج تھا اور وہ اس شر کا دافع۔

دنیا کا ہر کام ہر گام ہر سفر ہر حضر ہر حالت اور ہر کیفیت خیر اور شر کے بیچ معلق ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کی ذات ہی خیر پر لا سکتی ہے اور شر سے بچا سکتی ہے۔ خیر ایک نعمت ہے ایک ضرورت ہے۔ یہ اسے ملتی ہے جس کو اس کی فکر ہو جو خود خیر خواہی اور خیر جوئی کے جذبے سے سرشار ہو اور ہر قدم پر صرف اور صرف خیر کا طالب اور خیر کا قاسم ہو۔ استخارہ کا معنی بھی یہی ہے۔ خیر چاہنا خیر مانگنا خیر ڈھونڈنا، میں دعاء کر رہا تھا اور استخارے کے بعد اللہ تعالیٰ سے التجا کر رہا تھا اے میرے رب! میرے اس سفر کو میرے لئے اور مجاہدین کیلئے اور امت مسلمہ کیلئے دنیا و آخرت میں خیر کا ذریعہ بنا۔ سفر صرف تین دن کا تھا اور دعاء بہت بھاری مانگ لی گئی تھی۔ تین دن میں اپنے لئے مجاہدین کیلئے اور ساری امت مسلمہ کیلئے خیر سمیٹنا بہر حال ایک مشکل کام تھا۔ ایسی جامع خیر تو سالہا سال کی ریاضت، مجاہدے اور آبلہ پائی سے ہاتھ آتی ہے۔ مگر دعا کرتے وقت اس کا خیال نہ رہا دل کی بات زبان کے راستے اداء ہوگئی اور میرے مختصر سفر کو لمبا کرنے کا سامان ہوگیا وہ رات کٹ گئی۔ اگلے دن ظہر کی نماز کے بعد تیاری کرلی گئی۔ لباس کی تھوڑی سی تبدیلی نے ہندوستانی، پاکستانی کا فرق یکسر مٹا دیا۔ خیبر سے پشاور تک کشمیر سے کنیا کماری تک اور دریائے اٹک سے دریائے آمو تک یہ پورا علاقہ مسلمان فاتحین کی یلغار اور مسلمان شہداء کے خون سے ایک دھرتی بنا اور پورے علاقے پر ایک رنگ چڑھا۔ پھر یہ علاقے ٹوٹ پھوٹ اور بندر بانٹ کا شکار ہوگئے۔ لیکن جس طرح چلتے پانی پر کائی زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتی اسی طرح زمین اور دریاؤں کے زخم جلد بھر جاتے ہیں انشاء اللہ! یہ تمام علاقے پھر پاک ہوں گے اور یہ سب دوبارہ اسلام کی لڑی کے خوبصورت موتی بنیں گے۔ میں گھر سے نکلنے لگا تو ایک کشمیری بزرگ مجھ سے چمٹ گئے سینے سے لپٹ گئے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی ان کی ڈاڑھی کو تر کر رہی تھی اور وہ ہچکیاں لے کر فرما رہے تھے اللہ حفاظت کرے۔ آپ کی مرضی مگر میرا اب بھی مشورہ ہے کہ آپ اس سفر کے بارے میں اپنے ارادے پر نظر ثانی کریں۔

دہلی ائیر پورٹ پر

وہ کشمیری بزرگ جو مجاہدین کے بے باک معاون تھے مجھے لگی لپٹی کے بغیر نہایت صراحت کے ساتھ کشمیر جانے سے منع فرمارہے تھے۔ خود ان کا سفر حج کا ارادہ تھا۔ ان کی اہلیہ کے جہادی کارنامے میں نے سن رکھے تھے اور میں اس عظیم خاتون کی جرأت وشجاعت کا معترف تھا۔ یہ گھرانا اپنی کامیاب تجارت کی بدولت کافی مالدار تھا۔ لیکن ان کا تمام تر مال مجاہدین کی خدمت کیلئے وقف تھا۔ انڈین فورسز نے کئی باران کی طرف شک کی انگلیاں اٹھائیں اور چند باران کے گھر کا محاصرہ کر کے تلاشی بھی لی۔ لیکن خاتون خانہ کی حکمت وفراست کی وجہ سے اس گھرانے کا مجاہدین کے ساتھ تعلق بہرحال مخفی رہا۔ میرے لئے اس بزرگ کا اصرار بہت وقعت رکھتا تھا۔ لیکن اپنے سفر کو ملتوی کرنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے انہیں دلاسہ دیا اور انہیں سمجھایا کہ اب صرف دعاؤں کا وقت ہے کسی اور چیز کا نہیں۔ پھر میں نے انہیں کچھ فضائل وغیرہ سنائے تاکہ ان کی ڈھارس بندھ جائے۔ وہ میری باتیں سن کر خاموش ہوگئے اور بے شمار دعائیں فوارے کی طرح ان کی زبان سے جاری ہوگئیں۔ یہ دوسرے بزرگ تھے جو قبل از وقت آئندہ آنے والے مصائب پر روئے...... ان سے پہلے حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ کی مرقد پر ایک

بزرگ ملے تھے غالباً وہ قبرستان کی دیکھ بھال پر مامور تھے۔ میں جب ان سے ملا تو وہ بے اختیار زور زور سے رونے لگے...... ہم میں سے کوئی بھی ان کے رونے کی وجہ نہ سمجھ سکا۔ وہ بار بار میرا چہرہ دیکھتے تھے اور ہمدردی اور محبت کے جذبات ان کی آنکھوں سے رواں ہو جاتے تھے۔ دو چار بار انہوں نے کچھ فرمانا چاہا لیکن ان کی آواز گلے میں اٹک گئی اور ہم وقت کی تنگی کی وجہ سے دوسری جگہ روانہ ہوگئے۔ جب ہم گاڑی میں بیٹھ گئے تو میں نے دیکھا کہ وہ دور کھڑے ہو کر مجھے دیکھ رہے ہیں اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں۔ میری گرفتاری کے بعد تو بہت سارے لوگ روئے اور حضرات اکابر کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ بھی اپنے آنسو نہ روک سکے۔ لیکن گرفتاری سے پہلے رونے والے یہی دو بزرگ تھے جن کا میں نے بے ساختہ تذکرہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کے درجات بلند فرمائے اور انہیں اپنی خصوصی محبت عطا فرمائے۔ گھر سے نکل کر ہم دہلی کے ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ میں اپنے رفیق سفر سے ائیر پورٹ کے حالات معلوم کرتا رہا انہوں نے بتایا کہ انشاء اللہ ہمیں کوئی نہیں پہچان سکے گا۔ تیاری اور تدابیر بہت عمدہ ہیں۔ ائیر پورٹ پہنچ کر میں نشست گاہ میں بیٹھ گیا۔ میرے رفیق سفر بورڈنگ کارڈ لینے کیلئے کاؤنٹر پر چلے گئے۔ ائیر پورٹ کے اندر کا حصہ شور شرابے اور بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے مچھلی بازار کا منظر پیش کر رہا تھا۔ شراب کی کثرت نے پورے ہندوستان کو بدبودار کر رکھا ہے، یہاں بھی ہر طرف یہی غلاظت چل رہی تھی۔ حکومت کے اہلکار ہر وقت شراب کی جستجو یا پھر اس کی مستی میں رہتے ہیں، جنہیں یہ نہیں ملتی وہ اسے ہر چیز داؤ پر لگا کر حاصل کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اور جنہیں مل جاتی ہے وہ اس قدر پیتے ہیں کہ انہیں ہوش تک نہیں رہتا۔ ام الخبائث کی پکڑ میں آئے ہوئے لوگ ائیر پورٹ پر بکثرت موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ اسلامی ممالک اور مسلمانوں کو اس لعنت سے محفوظ رکھے۔ شراب اور ایڈز نے ہندوستان کو اندر سے بالکل کھوکھلا کر دیا ہے، ائیر پورٹ کی اس ہلڑ بازی کے درمیان میں ایک صوفے پر خیالات کی دنیا میں گم سم بیٹھا تھا۔ اس وقت مجھ پر جو کیفیت طاری تھی اسے بیان کرنا اور سمجھنا بہت مشکل ہے۔ میں اپنے گھر سے دور دشمن کے ایک ہوائی اڈے پر خالی ہاتھ محاذ جنگ کی طرف جا رہا تھا۔ میں کشمیر کے اس خطے کی طرف عازم سفر تھا جہاں دشمن کی لاکھوں فوج موجود تھی۔ ہندوستان کی خفیہ ایجنسیوں کیلئے میرا نام اور میری آواز اجنبی نہیں تھی لیکن وہ میرے حلیے اور شکل سے بہر حال ناواقف تھے۔ اور اسی کا فائدہ اٹھا کر میں نے اس خطرناک سفر میں قدم رکھا تھا۔ لباس کی تھوڑی سی تبدیلی نے مجھے ماحول

کا حصہ بنا دیا تھا۔لیکن میرا دل پوری طرح مطمئن نہیں تھا۔ایک مجاہد کیلئے بغیر اسلحے کے دشمن کے علاقے میں چلنا آسان کام نہیں ہے۔ پھر میرے چہرے پر پوری اور گھنی ڈاڑھی کسی بھی ہوش مند اہلکار کو میری طرف متوجہ کرسکتی تھی۔ پھر میرے لئے یہ بات بھی ناقابل فہم تھی کہ لاکھوں فوجیوں کی موجودگی میں اپنے مجاہدین سے ملاقات کس طرح ہوگی؟ سرینگر ائیر پورٹ سے باہر نکلنا کس طرح ممکن ہوگا؟ اور سیکورٹی اہلکاروں کی نظروں سے بچ کر مجاہدین کے ٹھکانوں تک کس طرح پہنچا جائے گا؟ مجھے سرینگر میں موجود مجاہدین نے بتایا تھا کہ یہ سب کچھ ممکن ہے۔ سیاحوں کی محدود آمدورفت کی وجہ سے ائیر پورٹ محفوظ ہیں اور لاکھوں مسلح افواج کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کو ساتھ لئے مجاہدین ہر طرف گھومتے رہتے ہیں۔ مشکلات ضرور ہیں لیکن انڈیا، اسرائیل کی مدد کے باوجود ابھی تک مجاہدین پر قابو نہیں پا سکا۔ آرمی اور بی ایس ایف کے مراکز تک مجاہدین کے حملوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ یہ حالات ایسے ہیں کہ اگر کسی شخص کے دل میں ٹیڑھا پن ہو تو وہ بے ساختہ کہہ دے گا کہ خدانخواستہ مجاہدین دشمنوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ ورنہ جس شہر کے ہر چوک پر فوجی بنکر، ہر محلے میں فوجی کیمپ، ہر گلی میں فوجی گشت اور ہر مرکزی جگہ پر فوج کا پہرا ہو وہاں تو پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ چہ جائیکہ مجاہدین وہاں پر اپنے حملوں کو منظّم کرتے رہیں۔ آج جس طرح بعض کوتاہ بینوں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ دشمن کی جیل میں بیٹھ کر کوئی مسلمان کس طرح سے کوئی کتاب لکھ سکتا ہے؟ اسی طرح کئی لوگوں کو سرینگر اور دوسرے شہروں میں مجاہدین کی منظّم سرگرمیاں بھی سمجھ میں نہیں آتیں۔ ائیر پورٹ پر میں خود اس بارے میں سوچ رہا تھا لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کی طاقت اور مجاہدین کی صداقت پر پورا بھروسہ تھا۔ چنانچہ میں خوف سے زیادہ حیرانی محسوس کررہا تھا اور ائیر پورٹ پر دشمن کی غفلت سے مزید کچھ اندازے لگا رہا تھا۔ معلوم نہیں کتنی دیر اس دنیا سے میرا رابطہ کٹا رہا اور میں خیالات کی دنیا میں گم سم رہا کہ اچانک میرے کانوں سے مولانا! کہنے کی آواز ٹکرائی اور میں گھبرا کر دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ مجھے زیادہ دیر نہیں لگی کہ میں نے آواز کی سمت بھانپ لی۔ میں نے دیکھا کہ دو نوجوان دور سے مجھے پکارتے ہوئے والہانہ انداز میں میری طرف بڑھ رہے ہیں۔ وہ میرے قریب آئے تو میں کھڑا ہو گیا وہ دونوں باری باری مجھ سے بغل گیر ہوئے وہ اب بھی زور زور سے بول رہے تھے میں نے ان میں سے ایک کا ہاتھ دبایا اور اسے ایک طرف کر کے بتایا کہ میں یہاں مولانا نہیں ہوں آپ حضرات اس قدر زور سے نہ بولیں اور نہ ہی کسی پر میری شناخت ظاہر کریں۔ یہ دونوں نوجوان برطانیہ سے

آئے تھے اور اب دہلی سے احمد آباد جارہے تھے انہوں نے برطانیہ میں میرے بیانات بالمشافہ سنے تھے۔ میری گزارش کے بعد وہ صورتحال کو سمجھ گئے اور پھرتی سے دائیں بائیں ہو گئے۔ اس واقعے نے مجھے کافی پریشان کر دیا اور مجھے احساس ہوا کہ میں ابھی تک پہچانا جارہا ہوں۔

افسردہ فضائیں

اس سفر کے ساتھ جہاد کا لفظ جڑا ہوا تھا اور ''سفر جہاد'' ہلکے پھلکے خدشات کی بھینٹ نہیں چڑھ سکتا، اس سفر کے خطرات لذیذ اور مشکلات پُر کیف ہوتی ہیں۔ مجھے ائیر پورٹ پر پہچاننے والے دونوں احباب دور جا چکے تھے، میں نے اپنی نشست تبدیل کر لی اور دائیں بائیں ٹہلتا ہوا ایک اور کرسی پر جا بیٹھا، تھوڑی دیر بعد میرے رفیقِ سفر بورڈنگ کارڈ لے کر واپس آ گئے۔ ہم نے اپنا دستی سامان اٹھایا اور سیکورٹی اہلکاروں کو تلاشی دے کر دوسرے ہال میں آ گئے۔ اسی اثناء میں جموں و سرینگر جانے والی پرواز کا اعلان ہو گیا، ہم ایک بس کے ذریعے فوکر نما جہاز پر پہنچ گئے، جہاز کی سیٹیں کافی چھوٹی تھیں مگر رش نہ ہونے کی وجہ سے مسافر کھلے کھلے بیٹھے تھے، میں خالی ہاتھ (غیر مسلح) ائیر انڈیا کے اس جہاز پر سوار ہو چکا تھا، میں جانتا تھا کہ کسی بھی لمحے کچھ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ زبان پر دعاؤں کا ورد تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ میں دشمن کے جہاز پر بیٹھ کر جب محاذ جنگ پر جا رہا تھا تو میری زبان پر وہ آیات تھیں جو حفاظت کیلئے پڑھی جاتی ہیں اور جب میں دشمن کے جہاز پر بیٹھ کر رہائی کیلئے قندھار آ رہا تھا تو میری زبان پر وہ آیات تھیں جو مصیبت سے نجات کے وقت بطور شکر پڑھی جاتی ہیں۔ بے شک قرآن مجید میں وہ سب کچھ موجود ہے، جس کی ایک

انسان کو اس دنیا اور آخرت میں ضرورت پڑ سکتی ہے۔ جہاز اڑان بھرنے کے بعد جموں اتر گیا، جموں کے مسافر جہاز سے اتر کر چلے گئے، اور چند نئے مسافر سرینگر کیلئے سوار ہو گئے، جموں کا چھوٹا سا ائیر پورٹ جہاز کی کھڑکی والے شیشوں سے نظر آ رہا تھا میری آنکھیں کھلی تھیں اور میں ارد گرد کے مناظر اچھی طرح سے دیکھ سکتا تھا (یہاں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ انسان کو اپنے کھلے ہاتھوں کی قدر کرنی چاہئے اور جلدی جلدی ان کھلے ہاتھوں سے اچھے اور منظّم کام سرانجام دے لینے چاہئیں کیونکہ معلوم نہیں کب ان ہاتھوں کو باندھ دیا جائے) لیکن میرے اس سفر کے تین سال بعد مجھے جب دہلی کی تہاڑ جیل سے جموں لایا گیا تو اس وقت جہاز میں میری آنکھیں اور ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور میں کچھ بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ اسی طرح رہائی والے دن جب مجھے کوٹ بھلوال جیل سے جموں ائیر پورٹ پر لایا گیا تو اس وقت بھی میری آنکھیں اور ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔

آزادی کی حالت میں کھلی آنکھوں کے ساتھ جموں کا یہ نظارہ میں نے شعبان کے آخری دنوں میں کیا، جب کہ بند آنکھوں کے ساتھ جموں ائیر پورٹ پر میری دونوں بار آمد رمضان المبارک کے مہینے میں ہوئی۔ جہاز تقریباً بیس منٹ تک جموں ائیر پورٹ پر کھڑا رہا اور اس وقت مجھے اس بات کا ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ میں نے زندگی کے آئندہ کئی سال اس شہر کی ایک جیل میں گزارنے ہیں۔ جہاز نے جموں سے سرینگر کیلئے اڑان بھری تو میں نے سرسری طور پر جہاز میں موجود مسافروں کا جائزہ لیا، جہاز کے اکثر مسافر جموں اتر چکے تھے اور اب پورے جہاز میں غیر ملکی سیاحوں کی ایک جماعت، چند کشمیری بزرگ اور ہم دونوں ساتھی سوار تھے۔ جہاز سے نظر آنے والا زمینی منظر بے حد خوبصورت اور جاذبِ نظر تھا۔

دودھ کی طرح سفید آبشاریں، سبزے کی چادر اوڑھے اونچے اونچے پہاڑ، دور دور تک پھیلے ہوئے ہرے بھرے جنگل اور بعض مقامات پر برفانی تودے عجیب منظر پیش کر رہے تھے۔ اس سفر سے چند روز پہلے ایک سفر کے دوران جب ہمارا جہاز نیپال کے شہر کھٹمنڈو میں موجود دنیا کی بلند ترین چوٹی کے قریب پہنچا تو جہاز کے اکثر مسافر اپنی نشستوں سے کھڑے ہو کر کھڑکیوں سے سر جوڑ کر اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ اور جیسے برف سے ڈھکی ہوئی بلند چوٹی نظر آ جاتی تھی وہ خوش ہو کر دوسرے کو دکھلانے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن آج کے اس سفر میں کشمیر کی نیپال سے زیادہ خوبصورت برفانی چوٹیوں کو دیکھنے کیلئے کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ سرکا اور نہ کسی نے اس فطری حسن

سے لطف اندوز ہونے کی خوشی منائی۔

جی ہاں! کشمیر کے گلی کوچوں میں ظلم و بربریت کا جو خوفناک کھیل کھیلا جارہا ہے اس نے کشمیر کی زمین تو کیا فضا تک کو افسردہ اور بوجھل بنا دیا ہے، اب یہاں ہر شخص سہما ہوا نظر آتا ہے اور لوگوں کی نظر خوبصورت مناظر کی بجائے ان مناظر میں جنم لینے والی اس خوفناک آگ پر ہے جس کے شعلے پورے جنوبی ایشیا کو اپنی لپیٹ میں لیتے جارہے ہیں۔

سرینگر کے ایک مکان میں

جہاز سرینگر ائیر پورٹ پر اتر چکا تھا جہاز کے شیشوں سے ائیر پورٹ کا منظر صاف نظر آ رہا تھا، جگہ جگہ آرمی کے بنکرز اور مورچے اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے کہ یہ شہر مصیبت زدہ ہے۔ بہت سارے لوگ سادہ کپڑوں میں بھی گھوم رہے تھے جہاز کے ساتھ سیڑھی لگا دی گئی تو مسافر اترنا شروع ہوئے سادہ وردی میں ملبوس دو آدمی سیڑھی کے دائیں بائیں کھڑے تھے اور ہر اترنے والے مسافر کو گہری نظروں سے دیکھتے تھے، میں ان کے قریب سے گزرا تو ان کی تیز آنکھوں کی چبھن مجھے اچھی طرح محسوس ہوئی لیکن میں اپنے حواس پر قابو رکھ کر بے پرواہی سے گذر گیا۔ ہم ائیر پورٹ کے لاؤنج میں پہنچے تو وہاں پر بھی فوجیوں کی تعداد عام افراد سے کہیں زیادہ تھی اور لاؤنج میں بھی بوریاں رکھ کر کئی مورچے بنائے گئے تھے۔ سامان کے حصول کے بعد جیسے ہی ائیر پورٹ سے باہر قدم رکھا یوں محسوس ہوا کہ سرینگر میں نہیں بلکہ کسی فوجی چھاؤنی میں پہنچ گئے ہیں، سڑک پر جگہ جگہ فوجی بنکر نظر آ رہے تھے، گاڑیوں میں بھی بڑی تعداد فوجی گاڑیوں کی تھی جب کہ فوجیوں کی نقل وحرکت اور چہل پہل بھی ہر طرف جاری تھی، باخبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ انڈیا حکومت نے کشمیر کے خوبصورت دارالحکومت سرینگر کو مجاہدین سے بچانے کے لئے

اسرائیل کے جنگی ماہرین کی مدد لی ہے اور تل ابیب کے سیکورٹی انتظامات کی ترتیب سرینگر میں بھی قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ سرینگر کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے والا کوئی بھی شخص اس بات کا یقین نہیں کرسکتا کہ اس شہر میں ہر وقت سینکڑوں مجاہدین موجود رہتے ہیں اور یہ مجاہدین ایک علاقے سے دوسرے علاقے کی طرف منتقل بھی ہوتے ہیں اور اپنے وائرلیس سیٹوں کے ذریعے پوری وادی کشمیر اور جموں میں موجود مجاہدین سے رابطہ بھی رکھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان گنجان بنکروں کے جال میں سے گزر کر شہر کے اہم عسکری مقامات پر حملے بھی کرتے ہیں اور کئی بار حملہ کر کے باحفاظت اپنے مقام تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔ میرے رفیقِ سفیر نے ائیر پورٹ سے باہر آ کر ایک ٹیکسی والے سے کشمیری زبان میں کچھ بات کی اور ہم دونوں اس ٹیکسی پر سوار ہوگئے، سرینگر کی سڑکوں پر ٹریفک اور فٹ پاتھوں پر عوام کی چہل پہل جاری تھی، شہر کی اکثر دکانیں کھلی نظر آرہی تھیں لیکن آرمی، بی ایس ایف اور دوسری سیکورٹی ایجنسیوں کے غول کے غول ہر طرف دندناتے پھر رہے تھے، مرکزی شاہراہوں پر جگہ جگہ فوجی بنکرز بنے ہوئے تھے اور فوج کی بکتر بند گاڑیاں مختلف مقامات پر پہرہ دے رہی تھیں، سڑک کے دونوں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مستعد فوجی اپنی انگلیاں بندوق کے ٹرائیگر پر رکھے کھڑے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ شہر فوجیوں کا ہے جب کہ مقامی لوگوں کو یہاں عارضی قیام کی اجازت ملی ہوئی ہے، اپنی قیام گاہ تک پہنچنے کے فاصلے میں میں نے سرینگر میں فوجیوں کی جتنی تعداد کو پایا اسے دیکھتے ہوئے میں اس بارے میں سخت حیرت زدہ تھا کہ اتنے سخت گھیرے کے باوجود مجاہدین کس طرح سے سرینگر میں کام کررہے ہیں۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ہمیں مطلوبہ جگہ پہنچادیا تو میرے رفیقِ سفر نے اسے کرایہ دے کر رخصت کیا اور ہم ایک مکان میں داخل ہوگئے۔ میں جب دہلی سے چلا تھا تو دہلی کا موسم معتدل تھا، اس لئے میں نے سردی سے بچاؤ کا زیادہ سامان اپنے ساتھ نہیں لیا تھا، سرینگر پہنچ کر اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا کیونکہ یہاں تو کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی اور مجھے ہڈیوں کا گودا جمتا محسوس ہو رہا تھا اپنے مطلوبہ مکان میں داخل ہوئے تو میزبانوں نے میری حالت بھانپ لی اور مجھے اچھی طرح سے کمبلوں اور لحافوں میں ڈھانپ دیا، وہ سہ پہر کا وقت تھا لیکن گہرے دھند کی وجہ سے ایسا لگتا تھا کہ مغرب کی اذانیں ہوچکی ہیں۔ کمبل اور لحاف میں اچھی طرح پیک ہوجانے کے باوجود میں ابھی تک سردی سے کانپ رہا تھا۔ میری یہ حالت دیکھ کر میزبان حضرات نے دہکتے انگاروں والی ایک کانگڑی مجھے دے دی، میں اس دن سے پہلے

کانگڑی کے طریقہ استعمال سے ناواقف تھا۔ میرے رفیق سفر نے مجھے اس سردی کش کشمیری ہتھیار کے استعمال کا طریقہ سکھایا، میں نے جب ان کی رہنمائی میں کانگڑی کو اپنے اور کمبل کے درمیان رکھا تو مجھے اس قدر سکون ملا کہ میں بیٹھے بیٹھے سو گیا اور میرے کمبل کا ایک حصہ کانگڑی نے سلگا دیا، اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ مجھے بروقت خبر ہوگئی اور کمبل کی آگ آگے نہ بڑھ سکی۔ کشمیر کی تحریک نے تمام اہل کشمیر کو احتیاط کا خوگر بنا دیا ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ میرے کمرے میں آنے والا ہر شخص احتیاط سے آتا تھا اور میرے رفیق سفر ان کے کان کے ساتھ منہ لگا کر انہیں کچھ بتاتے تب میری اور ان کی ملاقات شروع ہوتی تھی۔ کمرے میں موجود ہر شخص دوسرے کے ساتھ زبان سے کم اور اشاروں سے زیادہ باتیں کرتا تھا، آہستہ آہستہ وہ کمرہ آنے والوں سے بھرتا گیا، اسی دوران کشمیری بزرگوں کے لباس میں ملبوس ایک نوجوان کمرے میں داخل ہوئے انہوں نے میرے رفیقِ سفر سے ملاقات کے بعد آگے بڑھ کر مجھ سے مصافحہ کیا اور پھر دوزانو ہو کر بیٹھ گئے، میرے رفیقِ سفر نے میرے پاس آ کر آہستہ سے بتایا کہ یہ نوجوان آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے ایک کمانڈر ہیں اور آج کل حرکۃ الانصار کے نائب سالار اعلیٰ (ڈپٹی چیف) کے طور پر کام کر رہے ہیں، میں نے اس نوجوان سے کچھ حالات وغیرہ پوچھے تو انہوں نے نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ میرے سوالات کے جوابات دیئے، اس دوران کمرے میں اور بھی کئی بزرگ اور کئی مجاہدین تشریف لائے لیکن میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں پہچانتا تھا۔ اچانک ماحول میں غیر معمولی ہلچل شروع ہوگئی اور مجھے کئی خوبرو مضبوط مسلح مجاہدین ادھر ادھر آتے جاتے دکھائی دینے لگے۔ اسی اثناء میں چار پانچ افراد اکٹھے کمرے میں داخل ہوئے۔ میں نے گردن اٹھا کر دیکھا تو مجھے پہچاننے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ جی ہاں! میرے پرانے رفیق اور دوست حرکۃ الانصار کے سالار اعلیٰ کمانڈر سجاد افغانی اپنے محافظین کے ہمراہ کمرے میں داخل ہو چکے تھے۔

کشمیری فرن اور کانگڑی

کمانڈر سجاد خان بہت گرم جوشی کے ساتھ ملے میری ان کے ساتھ یہ ملاقات ایک سال کے بعد ہو رہی تھی۔ دوسری مرتبہ انہیں مقبوضہ کشمیر میں آئے ہوئے ایک سال بیت چکا تھا ان کا اپنے اتنے سارے محافظین کے ہمراہ سرینگر میں موجود رہنا اور پھر میری اقامت گاہ تک پہنچنا بہت عجیب معلوم ہو رہا تھا کیونکہ باہر ہر طرف وردی پوش فورسز کا گھیرا تھا۔لیکن جہاد ہر حال میں اپنا رنگ دکھاتا ہے اور ہر کسی سے اپنی قوت منواتا ہے۔سجاد صاحب کے ساتھ تعارف اور دوستی افغانستان کے ایک محاذ جنگ پر ہوئی تھی۔ہم دونوں جہادی دوست آج سرینگر کے محاذ پر ایک کمرے میں اکٹھے بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ محو گفتگو تھے۔اس دوران میں نے سجاد شہید رحمہ اللہ کے چہرے پر تکلیف کے آثار محسوس کئے۔استفسار پر معلوم ہوا کہ کچھ دن سے کمر میں درد محسوس کر رہے ہیں اور اس وقت بھی درد کی شدت کا شکار ہیں۔میں نے کچھ مسنون و ماثور دعائیں پڑھ کر انہیں دم کیا تو بقول ان کے وہ فوری افاقہ محسوس کرنے لگے۔اس کے بعد ہم دونوں اپنے اوقات کی ترتیب میں مشغول ہو گئے میں نے انہیں بتایا کہ مجھے بہت جلد واپس دہلی پہنچ کر مزید کچھ کام نمٹانے ہیں۔نیز ہندوستان کے بعض دوسرے صوبوں اور شہروں میں بھی کئی احباب میرے منتظر ہیں اس لئے کشمیر

میں میرا قیام صرف دو دن کا ہوگا اور میں بارہ فروری کے لئے اپنی واپسی کا ٹکٹ ساتھ لایا ہوں۔ سجاد صاحب کے ساتھ میری یہ گفتگو مؤرخہ ۲۷ رشعبان ۱۴۱۴ھ بمطابق ۹ رفروری ۱۹۹۴ء بروز بدھ ہو رہی تھی۔ انہوں نے دو دن کے قیام کو ناکافی قرار دے کر شکوہ کیا اور ایک دو روز مزید قیام کے لئے اصرار کیا۔ میرے اس مختصر سے قیام کو قیمتی بنانے کیلئے سجاد صاحب نے یہ ترتیب بنائی کہ کل ہم اسلام آباد (اننت ناگ) روانہ ہو جاتے ہیں جہاں رات کو مجاہدین کرام سے ملاقات ہوگی۔ پھر صبح جمعہ کے دن اسلام آباد شہر کی جامع مسجد میں بیان ہوگا۔ اس کے بعد سرینگر واپس آ کر اہم تنظیمی ذمہ داروں، سرپرستوں اور خصوصی معاونین کے ساتھ نشستیں ہوں گی۔ ترتیب طے کرنے کے بعد ہم نے وہ رات سرینگر میں گزاری اور اگلے دن سفر کیلئے تیار ہو گئے۔ سجاد صاحب نے میرے لئے کشمیری لباس منگوایا تھا خود انہوں نے بھی اپنے لباس میں کچھ تبدیلیاں کیں جن کے بعد وہ کشمیر کے مقامی بزرگ لگ رہے تھے۔ اچھا تو یہ تھا کہ ہم اپنا اسلحہ اور حارسین ساتھ لے کر جاتے لیکن سجاد صاحب نے بغیر اسلحہ اور حارسین کے سفر کو زیادہ محتاط قرار دیا۔ میرے لئے کشمیر کا ماحول بالکل نیا تھا اس لئے میں نے سفر کا پورا انتظام سجاد صاحب کے سپرد کیا ہوا تھا اور وہ گزشتہ چار سال سے اس خون آشام وادی میں گھوم پھر رہے تھے اور نہایت مضبوطی کے ساتھ جہاد کا کام کر رہے تھے۔ ان کا تجربہ انہیں اس بات پر مجبور کر رہا تھا کہ وہ اپنے مہمان کی حفاظت اور سلامتی کیلئے عام سویلین افراد کے روپ میں سفر کریں اور اسلحہ ساتھ نہ لے جائیں کیونکہ اسلحہ کی موجودگی میں لڑائی اور جھڑپ کا خطرہ بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے مہمان کو کسی جنگ میں فی الحال نہیں جھونکنا چاہتے تھے۔ پھر انہیں کشمیر میں ایک تاجر کے روپ میں گھومتے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا اور وہ اپنے مقامی شناختی کارڈ' گاڑی میں موجود تجارتی قالینوں اور کشمیری زبان پر مکمل عبور کی وجہ سے انڈین آرمی کے اہلکاروں سے نمٹنے کا بہت وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ سجاد صاحب اور ان کے ساتھی سفر کی ترتیب بناتے رہے اور میں ان کے مشورے میں شریک ہونے کی بجائے اعلان کوچ کا انتظار کرتا رہا۔ فروری کے مہینے کی وہ افسردہ شام اپنے وقت سے بہت پہلے سرینگر کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ سورج کے غروب ہونے سے پہلے ہی رات کی ٹھنڈی یخ بستہ ہوائیں اور ان ہواؤں کے ساتھ امڈنے والا اندھیرا ہر طرف اپنا ڈیرہ جما رہا تھا۔ سرینگر کے میزبانوں نے باری باری گلے لگا کر مجھے رخصت کیا۔ غالباً اس شہر میں ہر مسافر کو آخری ملاقات کے انداز میں رخصت کرنے کا معمول بن چکا ہے۔ میں انڈیا کی بنی ہوئی صابن دانی نما ایمبیسڈر گاڑی کی اگلی سیٹ پر ایک دیسی ساخت کے کمبل (کھیس) میں لپٹ کر بیٹھ

گیا۔ سجاد صاحب نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی ایک ساتھی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور ہماری گاڑی اسلام آباد کی طرف روانہ ہوگئی۔ ابھی ہم نے تھوڑا سا سفر ہی طے کیا تھا کہ چاند سے محروم اور بادلوں سے گھری رات کا اندھیرا پوری طرح سے ہر طرف چھا گیا۔ چالیس منٹ کے بظاہر پرامن سفر کے بعد ہم نے ایک منزل پر قیام کیا۔ مغرب کی نماز ادا کر کے میں اپنے اوراد میں مشغول ہوگیا جب کہ سجاد صاحب اپنے دستی وائرلیس کے ذریعے مکان کے صحن میں کسی ساتھی سے رابطہ کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ان کے رابطے کا نتیجہ نکل آیا اور خوبصورت چہرے، چھوٹے قد، پوری باشرع ڈاڑھی اور پھرتیلے جسم کا ایک مجاہد ہمارے پاس پہنچ گیا۔ میں نے جب اسے گلے لگایا تو معلوم ہوا کہ وہ پوری طرح مسلح ہے کشمیری فرن (خاص قسم کے گرم جبہ نما لباس) کے نیچے اس نے رائفل، گرنیڈ، گن پوچ، وائرلیس اور میگزین باندھ رکھے تھے۔ کشمیر کا فرن قدرتی طور پر مجاہدین کیلئے رحمت بن گیا ہے اس ڈھیلے ڈھالے اور بڑے جبے کے نیچے چھپی ہوئی کوئی چیز بھی باہر سے نظر نہیں آتی۔ مجاہدین اپنا سارا اسلحہ اس کے نیچے چھپا کر گھومتے رہتے ہیں اور خطرے کے وقت فرن کے اندر ہی سے کلاشنکوف یا پستول سیدھا کر کے فائر کر لیتے ہیں۔ یوں سردی سے بچنے کیلئے استعمال ہونے والا کشمیریوں کا یہ محبوب لباس ان کے جہاد کا معاون بن جاتا ہے۔ البتہ بعض اوقات اس لباس کی وجہ سے کچھ پریشانیاں بھی سامنے آتی ہیں۔ لیکن اس کے منافع بہر حال اس کے نقصانات سے بہت زیادہ ہیں۔ بعض کشمیری مجاہدین کا خیال ہے کہ دشمنوں نے کشمیریوں کو سست کرنے کیلئے ان میں فرن اور کانگڑی (خاص قسم کی انگاروں والی دستی انگیٹھی) کو عام کیا ہے تاکہ وہ ہاتھ میں کانگڑی پکڑ کر فرن میں دب کر بیٹھے رہیں اور ان کا دشمن ان پر حکومت کرتا رہے لیکن اس خیال سے اتفاق کرنا ممکن نظر نہیں آتا کیونکہ فرن ایک ساتر (باپردہ)، خوبصورت اور ڈھیلا ڈھالا لباس ہے اور یہ عربوں کے لباس کے عین مشابہ ہے۔ جب کہ کانگڑی بھی ایک طرح کی دستی انگیٹھی ہے اور برفانی علاقوں میں سردی سے بچنے کیلئے اس طرح کی چیزیں عمومی طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ اس لئے فرن اور کانگڑی کو دشمن کی سازش قرار دینا کسی بھی طرح درست معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ ڈوگرہ راج کے ظالمانہ دور میں بزور طاقت کشمیری مسلمانوں پر بعض چیزیں مسلط کی گئی ہیں اور اب وہ چیزیں ان کے خیالات اور مزاج کا حصہ بن چکی ہیں اور اس بات کی ضرورت واضح طور پر محسوس ہوتی ہے کہ کشمیری قوم کو ان چیزوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہئے کیونکہ یہی چیزیں زنجیر غلامی کی کڑیاں بن جاتی ہیں مثلاً کشمیر کے کئی تالابوں اور چشموں میں اعلیٰ

قسم کی مچھلیاں پائی جاتی ہیں لیکن کشمیر کے مسلمان اس قیمتی اور لذیذ نعمت خداوندی سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور ان کا یہ عقیدہ بن چکا ہے کہ ان مچھلیوں کا شکار کرنا اور انہیں کھانا ایسا جرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت سزا ملتی ہے۔ کشمیریوں کے اس قابل اصلاح نظریئے کا پس منظر یہ بتایا جاتا ہے کہ کشمیر کے پنڈتوں نے جب مسلمانوں کو مچھلی کے گوشت سے فائدہ اٹھاتے دیکھا تو وہ حسد کی وجہ سے جل بھن کر رہ گئے اور ان سے یہ بات برداشت نہ ہوئی کہ غریب مسلمان کوئی اچھی غذا استعمال کریں۔ چنانچہ پنڈتوں کے ایک بڑے مذہبی رہنما نے مہاراجہ کو جا کر بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کے والد نے مچھلی کی شکل میں دوسرا جنم لے لیا ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ مسلمان آپ کے والد کو پکڑ کر کھا نہ جائیں۔ یہ بات سنتے ہی توہم پرست مہاراجہ نے مچھلی کے شکار پر پابندی عائد کر دی اور پنڈتوں نے اس پابندی کے ساتھ کئی طرح کی جھوٹی روایات بھی عام کر دیں اور یوں کشمیر کے مظلوم مسلمان ایک اور نعمت سے محروم کر دیئے گئے۔ اب الحمدللہ اکثر مسلمانوں کے ذہن سے یہ بات محو ہو چکی ہے۔ لیکن اب بھی کئی تالابوں اور چشموں پر اس توہم پرستی کے سائے پڑے ہوئے ہیں اور وہاں کے مسلمان ان مچھلیوں کو خاص مخلوق اور اونچی روحیں سمجھ کر ان کا شکار نہیں کرتے۔ بلکہ اگر مجاہدین میں سے کوئی ان تالابوں سے مچھلی پکڑ لے تو اس پر سخت برہم ہوتے ہیں اور ان برتنوں کو پھینک دیتے ہیں جن میں یہ مچھلیاں پکائی گئی ہوں اور عذاب کے ڈر سے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ کشمیر میں جو ہندو مقیم ہیں یہ سارے پنڈت کہلاتے ہیں اور پنڈت جس طرح سے ہندوؤں کے مذہبی رہنما کو کہا جاتا ہے اسی طرح برہمنوں کی ایک قوم بھی پنڈت کہلاتی ہے اور کشمیر کے ہندو اسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں مجھے کشمیری پنڈتوں کے مفصل احوال تو نہیں لکھنے البتہ قارئین کے علم میں اضافے کیلئے اتنی بات ضرور عرض کرنی ہے کہ کشمیری پنڈت دنیا کی غلیظ ترین اور بدترین قوموں میں سے ایک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کشمیری پنڈتوں کو اچھی شکل وصورت اور بہترین دماغی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں لیکن یہ بدنصیب قوم ہر اچھائی سے دور اور ہر برائی کی خوگر ہے۔ جھوٹ بولنا اس قوم کے خون میں شامل ہو چکا ہے۔ چنانچہ خود ہندوؤں کے بقول اگر کشمیری پنڈت سو باتیں کرتا ہے تو ان میں سے کم از کم ننانوے ضرور جھوٹی ہوتی ہیں۔ جھوٹ کی طرح مفاد پرستی بھی اس قوم کی فطرت بن چکی ہے۔ چنانچہ اپنے مفاد کی خاطر وہ کسی سے بھی دھوکہ کرنے سے دریغ نہیں کرتے بلکہ اسے ایک فنی مہارت سمجھتے ہیں، بے حیائی اور بے غیرتی بھی اس قوم کی خصلت بن چکی ہے بلکہ حقیقت

یہ ہے کہ پنڈتوں کی بے حیائی اور بے غیرتی سے کتے بھی شرماتے ہوں گے، اسی طرح مکاری، زبان درازی اور چاپلوسی بھی پنڈتوں کی مستقل عادت بن چکی ہے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ ہندوستان کا پہلا وزیراعظم جواہر لال نہرو کشمیری پنڈت تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے آبائی وطن کشمیر کو مسلمانوں سے ہتھیانے کیلئے انگریز کے ساتھ مل کر وہ سازش کی جسے آج تک مسلمان بھگت رہے ہیں اور یہ بات بھی اب خفیہ نہیں رہی کہ ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور اس کے اہل خانہ اور جواہر لال نہرو اور اس کے اہل خانہ ایک دوسرے کے ساتھ جنسی گندگیوں میں کھلم کھلا ملوث تھے۔ چنانچہ جواہر لال نہرو نے بیٹن کو ہندوستان کا پہلا گورنر جنرل بنایا اور بیٹن نے کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کی توثیق کردی۔ جواہر لال نہرو کی طرح اس کی بیٹی اندرا گاندھی بھی کشمیر میں خصوصی دلچسپی لیتی رہی۔ جواہر لال نہرو، اندرا گاندھی اور پھر راجیو گاندھی میں کشمیری پنڈتوں کی وہ تمام خصوصیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں جن کا تذکرہ اوپر کی سطروں میں ہو چکا ہے۔ کشمیر کے پنڈت حقیقت میں کشمیریوں کے اصل مجرم اور فتنے کی اصل جڑ ہیں۔ مہاراجہ کے زمانے میں ان پنڈتوں نے کشمیری مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے انہیں پڑھ کر ہر منصف مزاج شخص کو ان پنڈتوں کے نام اور ان کی شکل تک سے گھن آتی ہے۔ لیکن یہ سچ ہے کہ ظلم کی رات زیادہ لمبی نہیں ہوتی۔ ۱۹۹۰ء میں جب کشمیر جہاد کے نعروں سے گونجنے لگا اور مردہ مذاکرات کی جگہ کشمیر میں زندہ بندوق چلنے لگی تو کشمیر کے ظالم پنڈتوں کے برے دن اس دنیا میں بھی ان پر مسلط ہو گئے اور پنڈتوں کی بربادی کا سامان خود ان کی قوم کے ایک فرد جگ موہن کے ہاتھوں ہوا جس نے کشمیر کا گورنر بننے کے بعد پنڈتوں سے کہا کہ میں کشمیری مسلمانوں کا مکمل صفایا کرنے والا ہوں اس لئے تم لوگ چند دن کیلئے کشمیر چھوڑ کر چلے جاؤ۔ میں جب جہاد کی تحریک کو مکمل طور پر کچل دوں گا تب تم فاتح کی حیثیت سے واپس آجانا۔ پنڈت یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور لاکھوں کی تعداد میں کشمیر چھوڑ کر جموں اور دہلی میں جا کر آباد ہو گئے۔ ادھر جگ موہن اپنے مذموم عزائم میں بری طرح ناکام ہو گیا اور پنڈت جو چند دن کیلئے بھگوڑے کیمپوں میں گئے تھے اب عبرت کا نشان بنے ہوئے دن رات روتے ہیں اور اپنی قسمت کو کوستے ہیں۔ آج کشمیر کے پنڈت گھرانوں پر جموں اور دہلی میں خود دوسرے ہندوؤں کے ہاتھوں جو کچھ بیت رہا ہے اسے دیکھ کر ہر ظالم کے برے انجام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

دو مرغیاں

بعض چشموں کی مچھلی کا تذکرہ تو یہاں ضمناً آ گیا اس کے علاوہ بھی غلامی کے بہت سارے آثار موجود ہیں جن کی اصلاح بہرحال لازم ہے اور الحمدللہ جہاد کی برکت سے اصلاح کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ کسی بھی قوم میں مسلسل غلامی کی وجہ سے جو امراض پیدا ہوتے ہیں ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ مثلاً (۱) باہمی اختلافات کا جنون کی حد تک شوق (۲) محبت اور نفرت میں بے حد شدت (یعنی اعتدال کا فقدان) (۳) احساس کمتری اور اس کی وجہ سے عجیب قسم کا تکبر (۴) اپنوں سے زیادہ غیروں پر اعتماد (۵) عمل میں کمزوری اور زبانوں کی تیزی (۶) طاقت (کسی قدر بھی ہو اس) کا ناجائز استعمال (۷) نشہ آور اشیاء کا استعمال اور جنسی بے راہ روی (۸) حد سے بڑھی ہوئی مفاد پرستی (۹) جھوٹ (۱۰) بزدلی اور اپنی رائے کو حرف آخر سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔

آج امت مسلمہ عمومی طور پر اور اس کے کئی طبقے خصوصی طور پر غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور ان میں غلامی کے اثرات دن بدن تیزی سے پھیلتے جا رہے ہیں۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آزادی عطا فرمائے اور وہ اعلیٰ صفات انہیں نصیب فرمائے جو اسلام کا

طرۂ امتیاز ہیں۔

بات کشمیری فرن سے چلی تھی اور کافی دور نکل گئی۔ سجاد صاحب نے اس نو وارد مجاہد کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ یہ اسلام آباد (اننت ناگ) کے رہنے والے ہمارے مجاہد ساتھی بھائی رئیس صاحب ہیں۔ یہ ایک زمانے تک تنظیم کے ضلعی کمانڈر بھی رہے ہیں اور آج کل ناظم مالیات کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ نیز میرے خصوصی دستے کے رکن بھی ہیں۔ یہ دستہ مجاہدین کے اخلاق و اعمال پر نظر رکھتا ہے تاکہ وہ بے راہ روی کا شکار نہ ہو جائیں۔ تعارف کے بعد تعلق اور محبت میں اضافہ ہوا تو ان کے بارے میں مزید معلومات بھی حاصل ہونے لگیں۔ معلوم ہوا کہ وہ حرکۃ الانصار کے ضلعی کمانڈر بھائی سکندرؒ (جاوید احمد ڈبرا) کے دست راست ہیں اور انڈین آرمی کے خلاف کئی کامیاب کارروائیاں کر چکے ہیں۔ ان کے پاس انڈین آرمی سے چھینی ہوئی ''کاربائن'' رائفل بھی تھی جو میں نے ان سے جلدی جلدی سیکھ لی۔ بھائی رئیس اس سفر میں کچھ وقت ہمارے ساتھ رہے۔ ہماری گرفتاری کے بعد کوٹ بھلوال جیل میں ان کا خط آیا جس میں انہوں نے بے حد محبت اور غم کا اظہار فرمایا اور لکھا کہ ''میری زندگی کی آخری آرزو یہ ہے کہ میں مولانا (راقم الحروف) کی اقتداء میں ایک نماز ادا کروں اور پھر شہید ہو جاؤں'' جیل میں ان کا خط پڑھ کر ان کی محبت اور یادیں تازہ ہو گئیں اور پھر جب ہم تہاڑ جیل میں تھے تو وہاں پر بھائی رئیسؒ کے شہید ہونے کی خبر بھی آ گئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ سجاد صاحبؒ اور بھائی رئیسؒ آگے کے سفر کی ترتیب بنانے لگے۔ بھائی رئیسؒ نے کمانڈر سکندر کو بھی اطلاع کر دی۔ میری بھی قلبی تمنا تھی کہ بھائی سکندر سے ملاقات ہو جائے۔ ان کے ساتھ دیرینہ تعلق تھا اور ان کے بے لوث کارنامے دل میں ان کی عقیدت بڑھاتے رہتے تھے۔ بھائی رئیسؒ رابطے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے بتایا کہ سکندر صاحب یہاں سے کافی دور ہیں، ان تک پیغام پہنچ چکا ہے اور وہ ہماری اگلی منزل پر پہنچنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ لیکن سکندرؒ کے ساتھ ملاقات مقدر نہیں تھی، ہم اگلے دن انہیں ملے بغیر گرفتار ہو گئے۔ پھر جب ہم عقوبت خانوں سے گزر کر جیل پہنچے تو بھائی سکندر کا تفصیلی خط ہمیں ملا، جس میں انہوں نے ملاقات نہ ہونے کی وجوہات کا تذکرہ کیا تھا۔ مختصر یہ کہ جب انہیں ہمارے پہنچنے کی اطلاع ملی تو انہوں نے دوسرے مجاہدین کو وہیں چھوڑ کر فوراً سفر شروع کر دیا۔ رات ہو جانے کی وجہ سے انہیں سواری نہ مل سکی تو وہ ایک بغیر لائٹوں والے موٹر سائیکل پر ایک ساتھی کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ ساتھی ہاتھ میں ٹارچ

لے کر سامنے روشنی کرتا تھا اور بھائی سکندر تیز رفتاری سے موٹر سائیکل چلاتے تھے۔ اس دوران دو تین بار وہ گر بھی پڑے اور انہیں چوٹیں بھی آئیں، لیکن انہوں نے سفر جاری رکھا۔ مگر ان کے پہنچنے سے پہلے ہم اگلی منزل سے بھی روانہ ہو چکے تھے۔ دوپہر کے وقت انہیں بھائی رئیس کا مختصر وائرلیس پیغام ملا کہ بزرگ گرفتار ہو چکے ہیں اور میں زخمی ہوں۔ یہ پیغام سن کر بھائی سکندرؒ نے اپنے تمام مجاہدین کو جمع کر کے پندرہ دن تک دشمن پر دیوانہ وار حملے کئے اور ان مختلف کیمپوں کو نشانہ بنایا جہاں دشمن ہمیں رکھ سکتا تھا۔ پندرہ دن کی خونریز لڑائیوں کے بعد انہیں دکھ اور مایوسی نے گھیر لیا اور اس وقت سے وہ اس کوشش میں تھے کہ کسی بھی طرح ہمیں رہا کرایا جائے۔ پھر ہماری گرفتاری کے تین ماہ بعد انہوں نے برطانیہ کے دو شہریوں کو اغواء کر لیا اور ان کے بدلے ہماری رہائی کا مطالبہ کیا، حکومت ہندوستان اس مطالبے کے آگے جھک چکی تھی کہ حرکۃ الانصار کی قیادت نے بھائی سکندر کو ان دونوں برطانوی شہریوں کے رہا کرنے کا حکم صادر کر دیا۔

یہ تھا بھائی سکندر کے اس تفصیلی خط کا خلاصہ جو انہوں نے کمانڈر سجاد صاحبؒ کے پاس کوٹ بھلوال جیل میں بھیجا تھا۔ اس خط میں انہوں نے حرکۃ الانصار کی مرکزی قیادت کے بارے میں کچھ شکوے بھی لکھے تھے اور اس عزم کا اظہار بھی کیا تھا کہ وہ اپنے اسیر ساتھیوں کی رہائی کیلئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ ہمارے لئے محبت اور تسلی کا یہ خط زخموں پر مرہم کی طرح تھا۔ اس کے بعد جب ہمیں تہاڑ جیل منتقل کیا گیا تو وہاں خبر آئی کہ بھائی سکندر اب حرکۃ الانصار کے چیف کمانڈر بنا دیئے گئے ہیں۔ کمانڈر سجاد صاحب جو کشمیر میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں بے حد فکر مند رہا کرتے تھے یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ امانت اس کے حق دار کو مل چکی ہے۔ سجاد صاحبؒ بھائی سکندر کی شجاعت، حسن انتظام اور مقبولیت کے بے حد معترف تھے اور اکثر ان کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ مگر جیل ہی میں قیام کے دوران ہمیں سکندرؒ کے شہید ہونے کی خبر بھی سننے کو ملی۔ یقیناً یہ خبر ہمارے لئے بے حد افسوسناک اور غم خیز تھی مگر ہم کمانڈر سکندر شہیدؒ کو رشک کی نگاہوں سے دیکھنے، ان کی جدائی پر صبر کرنے اور ان کے لئے رفع درجات کی دعاء کرنے کے علاوہ اور کیا کر سکتے تھے؟ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سکندر شہیدؒ کا نام معروف زمانہ ''الفاران'' معاملے سے بھی جڑ چکا تھا۔ ان شاء اللہ آگے چل کر اس کا بھی تفصیلی تذکرہ ہوگا۔ فی الحال یہاں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ کشمیر کے ضلع اسلام آباد (اننت ناگ) میں داخل ہونے کے بعد ہم عرفی طور پر بھائی سکندرؒ کے مہمان تھے، لیکن ہم اپنے میزبان

سے ملاقات نہ کر سکے۔

کمانڈر سجاد خانؒ نے بھائی رئیسؒ سے مشورہ کے بعد آگے کے سفر کے لئے گاڑی بدلنے کا ارادہ کیا، چنانچہ ہم تینوں رات کی تاریکی میں اپنی پہلی گاڑی اپنے میزبانوں کے پاس چھوڑ کر دوسری گاڑی میں سوار ہو گئے۔ گاڑی میں سوار ہونے سے پہلے وہاں موجود ایک اور کشمیری مجاہد نے اپنا فرن اتار کر مجھے پہنا دیا اور گلے مل کر پرتپاک انداز میں ہمیں رخصت کیا۔ سجاد صاحبؒ نے کسی کے ہاتھ دو مرغیاں بھی منگوالی تھیں۔ انہوں نے دونوں ذبح شدہ مرغیوں کو گاڑی کی ڈگی میں ڈال دیا۔ مقبوضہ کشمیر میں کام کرنے والے مجاہدین جب شہروں میں ہوتے ہیں تو اپنے معاونین کے گھروں میں قیام کرتے ہیں اور کھانا بھی وہیں کھاتے ہیں اور کشمیر کے غیور مسلمان مجاہدین کے قیام و طعام کو اپنے لئے بوجھ نہیں سمجھتے، بلکہ نہایت خوشی کے ساتھ اپنی استعداد سے بڑھ کر مجاہدین کی خدمت کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود بعض مجاہدین اس بات کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ وہ اپنے جنگ زدہ کشمیری بھائیوں پر کسی طرح کا ناقابل برداشت بوجھ نہ ڈالیں۔ سجاد صاحبؒ بھی انہیں مجاہدین میں سے تھے۔ وہ اگلی منزل پر اپنے مہمان (راقم الحروف) کو اچھا کھانا کھلانا چاہتے تھے اور ان کی یہ کوشش بھی تھی کہ اس کھانے کا بوجھ میزبان کے کندھوں پر نہ پڑے۔ چنانچہ انہوں نے دو مرغیوں کو ذبح کر کے گاڑی کی ڈگی میں رکھ لیا اور ہم تینوں افراد کا قافلہ اسلام آباد کے ایک دور افتادہ پہاڑی گاؤں کی طرف روانہ ہوا، جہاں ہم نے کمانڈر ابو غازی اور بہت سارے دوسرے مجاہدین سے ملاقات کرنی تھی۔

غازیوں سے ملاقات

فروری کے مہینے کی اس ٹھنڈی اور تاریک رات میں ہم تین افراد اپنا سفر شروع کر چکے تھے۔ کمانڈر سجاد شہیدؒ گاڑی چلا رہے تھے پچھلی سیٹ پر بھائی رئیس شہید تشریف فرما تھے جب کہ بندہ فرنٹ سیٹ پر اپنے فرن اور گرم چادر میں ملفوف بیٹھا ہوا تھا۔ راستے میں ایک جگہ گاڑی خراب ہوگئی گاڑی کا انجن بند ہوتے ہی ایسا اندھیرا ہوا کہ ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ سجاد خان اور بھائی رئیس گاڑی سے باہر نکلے انہوں نے دائیں بائیں دیکھ کر راستے کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ انڈین آرمی کے ایک کیمپ کے پاس پہنچ چکے ہیں اور اگر گاڑی خراب نہ ہوتی تو ہم اس کیمپ کے دروازے یا احاطے تک پہنچ جاتے۔ گویا کہ گاڑی کا خراب ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نصرت تھی۔ وہ دونوں حضرات اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے گاڑی کی طرف واپس آئے دھکا دے کر گاڑی کا رخ موڑا گیا اور اسے چند قدم دور لے جا کر دھکے کے ذریعے اسٹارٹ کیا گیا۔ اب ہمارا سفر ایک قدرے چھوٹی سڑک پر جاری تھا سڑک کے دونوں اطراف درخت پودے اور جنگلات تھے کہیں کہیں کسی مکان کے آثار بھی نظر آ جاتے تھے۔ راستے کی ویرانی اور تاریکی کا اثر گاڑی کے اندر بھی محسوس ہو رہا تھا چنانچہ تمام شرکاءِ سفر خاموش

تھے اور گاڑی کے اندر سناٹا چھایا ہوا تھا کافی لمبا سفر طے کرنے کے بعد ہم سڑک سے ہٹ کر ایک مکان کی طرف مڑ گئے لکڑی کا بنا ہوا یہ دو منزلہ سیدھا سادہ سا مکان اپنے اندر زندگی کے آثار لئے ہوئے تھا۔ مکان کے اندر ہلکی روشنی تھی۔ ایک نوجوان شخص نے اندر سے نکل کر ہمارا استقبال کیا ہم اسکی راہنمائی میں سیڑھیاں چڑھ کر ایک کمرے میں پہنچے۔ ہمارے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد اس گھر میں مسلح مجاہدین کی آمد شروع ہوگئی، خوبصورت چہرے، لمبے لمبے بال، کندھوں پر کلاشنکوفیں، سینوں پر گرنیڈوں اور میگزینوں سے سجے پوچ، کیموفلاج رنگ کے کپڑے، آنکھوں میں ایمانی غیرت اور زندگی کی چمک، چہروں پر بے فکری اور پیشانیوں پر بے تابی، اللہ کے سپاہی کمرے میں داخل ہو کر نہایت محبت کے ساتھ مل رہے تھے۔ ان کی تعداد غالباً چودہ تھی اور برادر محترم ابو غازیؒ ان کی کمان کر رہے تھے۔ ابو غازیؒ ان دنوں مقبوضہ کشمیر کے ضلع اسلام آباد میں واقع مجاہدین کے ایک پہاڑی کیمپ کے ذمہ دار تھے بعد میں وہ مجاہدین کے مرکزی کمانڈر بنے اور سرینگر میں ٹاسک فورس کے ہاتھوں شہید کر دیئے گئے۔ ہم نے جیل میں اپنے جن قریبی ساتھیوں کے شہید ہونے کی خبر سنی ان میں ابو غازیؒ سرفہرست تھے۔ ابو غازیؒ کے ساتھ جہاد افغانستان کے زمانے سے رفاقت تھی اور وہ ایک عرصہ تک مجاہدین کے استاذ بھی رہے تھے۔ ابو غازیؒ نے تمام مجاہدین کا تعارف کرایا اور معلومات میں اضافے کیلئے بتایا کہ ہمارا کیمپ یہاں سے ڈیڑھ گھنٹے کی پیدل مسافت پر ایک پہاڑی جنگل میں قائم ہے۔ اس کیمپ میں مجاہدین کی تعداد ساٹھ کے قریب ہے۔ عسکری محل وقوع کے اعتبار سے یہ کیمپ کافی محفوظ جگہ پر واقع ہے۔ چنانچہ انڈین آرمی ہم پر کہیں سے چھپ کر حملہ نہیں کر سکتی وہ جب بھی حملے کیلئے آئیں گے بہت دور سے ہی وہ ہمارے پہرے داروں کی نظروں میں آ جائیں گے۔ انہوں نے بتایا کہ آج ہی مجاہدین کا ایک پندرہ رکنی دستہ استاذ احمد علی صاحب کی قیادت میں انڈین آرمی کے بعض کیمپوں کا جائزہ لینے کیلئے اترا ہے۔ یہ دستہ ایک دو روز تک جائزہ مکمل کر کے حملے کی ترتیب بنائے گا اور پھر باقی مجاہدین اس ترتیب کے مطابق حملہ کریں گے۔ استاذ احمد علی کا نام میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ صوبہ سرحد کے علاقے کرک کا رہنے والا یہ مضبوط، باصلاحیت اور متقی نوجوان ہمارے ٹریننگ سینٹر کا مایہ ناز استاذ تھا اور اب ایک عرصہ سے کشمیر میں مجاہدین کے سرفروش دستوں کا کمانڈر تھا۔ ہم نے جیل ہی میں استاذ احمد علی کی شہادت کی خبر بھی سنی۔ کمانڈر ابو غازیؒ نے بتایا کہ ہم چودہ ساتھی آپ کے ساتھ ملاقات کیلئے کیمپ سے اترے ہیں اور ہم نے راتوں رات واپس

بھی پہنچنا ہے اور ہمارے کچھ ساتھی کیمپ میں موجود ہیں وہ بھی ملاقات کی خواہش رکھتے تھے لیکن ترتیب کے مطابق انہیں کیمپ میں رکنا پڑا۔ کمانڈر ابو غازی شہیدؒ نے اپنے ساتھ آنے والے جن مجاہدین کا تعارف کرایا وہ سب میرے لئے اجنبی تھے۔ البتہ ان میں سے اکثر مجھے جانتے تھے۔ یہ سارے مجاہدین مجھے گھیر کر بیٹھ گئے وہ کچھ باتیں سننا چاہتے تھے اور خود میں بھی اسلام کے ان جانباز جیالوں سے باتیں کرنا سعادت سمجھ رہا تھا۔ میں دھیمی آواز میں کافی دیر تک بیان کرتا رہا اور وہ نہایت توجہ اور انہماک کے ساتھ سنتے رہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس بیان میں شہید کے خون اور کافر کے خون کے درمیان فرق بیان کیا اور یہ بات بھی عرض کی کہ زمین کو ان دونوں کے خون کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسلام دشمن کافر کا خون کھاد کا کام کرتا ہے جب کہ شہید کا خون بیج کا کام دیتا ہے اور پھر زمین پر اسلام کی فصل لہلہانے لگتی ہے جس کا فائدہ سب لوگ اٹھاتے ہیں۔ بیان کے بعد میں نے کمانڈر ابو غازی شہیدؒ کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کیا اور انہیں کہا کہ یہ آپ سب ساتھیوں کیلئے ہے انہوں نے نوٹوں کی گڈی لے کر ایک اور ساتھی کے حوالے کر دی۔ اس دوران اوپر کیمپ میں موجود ساتھیوں نے وائرلیس کے ذریعے رابطہ کیا اور گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے چند منٹ تک ان کے ساتھ وائرلیس پر گفتگو کی اور میرے بعد کمانڈر سجاد خان نے انہیں کچھ ہدایات دیں اس دوران ہماری مجلس کا رخ تھوڑی دیر کیلئے شگفتگی اور مزاح کی طرف مڑ گیا اور دشمن کے گھیرے میں بیٹھے ہوئے یہ چند مجاہدین ہر طرح کے خوف اور خدشات سے عاری ہو کر آپس میں ایک دوسرے کو ہنساتے رہے محفل کا یہ رنگ تھوڑی دیر قائم رہا اور اس کے بعد پھر سنجیدگی چھا گئی۔ کمانڈر سجاد خان نے ان ساتھیوں میں سے نئے آنے والوں کو بعض اصول وضوابط سمجھائے اور انہیں نظم وضبط اور صبر کے ساتھ وقت گزارنے کی تلقین کی۔ اس دوران بعض مجاہدین نے ان سے اس بات کا شکوہ بھی کیا کہ انڈین آرمی کے خلاف جلد ایکشن کیوں نہیں کیئے جاتے؟ سجاد خانؒ نے ان کے اس شکوے کا معقول جواب دیا اور انہیں سمجھایا کہ ہر دن آرمی پر حملہ کرنا مفید نہیں نقصان دہ ہے۔ ہماری یہ تاریخی مجلس اس وقت اختتام پذیر ہوئی جب ہمارے میزبان نے کھانا تیار ہونے کی اطلاع دی۔ اسلام آباد سے لائی گئی دو مرغیوں میں سے ایک پک کر تیار ہو چکی تھی۔

نیند کا انتظار

کمانڈر سجاد خان، بھائی رئیس اور بندہ کھانے کیلئے دستر خوان پر بیٹھ گئے۔ میزبان گھرانے کا ایک فرد دستر خوان پر کھانے کی چیزیں رکھتا جا رہا تھا۔ سجاد صاحب نے اسے کہا کہ ہم نے رات کے وقت آپ کو تکلیف دی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں! آج تو ہم سب گھر والے ''شب'' کر رہے ہیں۔ یہ جملہ میرے لئے اجنبی تھا، سجاد صاحب نے تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ کشمیر کے لوگ جمعرات کی رات عبادت کیلئے جاگنے کو ''شب کرنا'' کہتے ہیں۔ چنانچہ جس جمعرات کی رات انہوں نے شب کرنی ہو اس رات گھر کے تمام افراد جاگتے رہتے ہیں، ان میں سے کچھ عبادت کرتے ہیں اور کچھ حلوہ وغیرہ پکاتے ہیں، اور یوں ان کی پوری رات نمازیں پڑھنے، تلاوت کرنے اور حلوہ پکانے اور کھانے میں گزر جاتی ہے۔ ہمارے میزبان بھی آج رات ''شب'' کر رہے تھے چنانچہ دستر خوان پر کافی سارے کھانے جمع تھے اور ان میں میووں سے بھرپور حلوہ بھی تھا۔ کھانا شروع کرنے سے پہلے ہم نے اپنے مجاہد ساتھیوں کو شرکت کی دعوت دی مگر انہوں نے معذرت کر لی اور بتایا کہ ہم کیمپ سے کھانا کھا کر روانہ ہوئے ہیں۔ ان مجاہد ساتھیوں میں سے ایک نے اپنے گن پوچ میں سے اچار کی ایک چھوٹی بوتل نکال کر ہمارے دستر

خوان پر رکھ دی۔ میں نے اس ساتھی کا تعارف پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ کراچی کے رہنے والے بھائی ولید صاحب ہیں۔ میں نے کہا: کراچی کے مجاہدین خطرناک ترین حالات میں بھی اچار اور چٹخارے حاصل کرنے کی دوسری چیزوں سے غافل نہیں رہتے۔ میری یہ بات سن کر سب مجاہدین ہنسنے لگے اور بھائی ولید صاحب شرما گئے۔ میری گرفتاری کے ایک ڈیڑھ سال بعد یہی بھائی ولید بھی گرفتار ہو گئے اور کوٹ بھلوال جیل میں کئی سال تک میرے ساتھ رہے، ان کا اصل نام محمد عارف راجپوت ہے۔ حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے بیعت ہیں، بہترین انتظامی صلاحیتوں اور دینی مزاج کے حامل ہیں۔ اسیری کے دوران انہوں نے قرآن مجید بھی مکمل حفظ کیا اور دیگر دینی کتابیں بھی پڑھیں، ان دنوں ہندوستان کے صوبے مغربی بنگال کے دارالحکومت کلکتہ کی ایک جیل میں ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں باعزت وعافیت رہائی عطا فرمائے۔ ہم تینوں کھانا کھا رہے تھے جب کہ باقی مجاہدین ہمیں گھیرے میں لئے بیٹھے تھے۔ کھانا کئی اعتبار سے یادگار تھا اس لئے میں نے اس قدر تفصیل سے اس کا تذکرہ کیا ہے، اس کھانے میں میرے ساتھ شریک دونوں افراد کمانڈر سجاد خان اور بھائی رئیس صاحب شہداء میں شامل ہو چکے ہیں اور کھانے کے دوران ہمارے اردگرد بیٹھے ہوئے اکثر افراد بھی جام شہادت نوش فرما چکے ہیں۔ غالباً مجھ سمیت اور چار افراد ایسے ہوں گے جو ابھی تک اس فانی زندگی کے سانس لیتے پھر رہے ہیں۔ گرفتاری سے قبل آزادی کی حالت میں کھایا جانے والا یہ آخری کھانا تھا کیونکہ صبح کے وقت میں نے ناشتے میں کچھ نہیں کھایا تھا البتہ چائے پی تھی جب کہ دوپہر سے پہلے ہم گرفتار ہو چکے تھے۔ اس یادگار کھانے کی مجلس سے فارغ ہو کر آرام کی ترتیب بنائی جانے لگی۔ بعض مجاہدین پہرے پر چلے گئے جب کہ بعض دیواروں کے ساتھ ٹیک لگا کر اونگھنے لگے، کمرے میں جگہ تنگ تھی اور افراد زیادہ، اس لئے لیٹنے کی جگہ تو ہمارے سوا کسی کو نہ مل سکی البتہ بیٹھ کر سونے کی سہولت کئی افراد کو مہیا ہو گئی۔ میں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے پہرہ دینے کی خواہش ظاہر کی اور سردست اس مختصر سے سفر میں میرے لئے جہادی اعمال کی فضیلت حاصل کرنے کا یہی ذریعہ موجود تھا۔ مجاہدین نے تھوڑی سی پس وپیش کے بعد میری بات مان لی، غالباً وہ مجھے کسی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ مجاہدین میں سے ایک کی کلاشنکوف لے کر میں سیڑھیوں سے اترنے لگا سیڑھیوں پر ہی میں نے لاک کھول کر کلاشن کو ٹٹولا تو وہ لوڈ تھی یعنی انڈیا کے مشرکوں کے ساتھ مذاکرات کیلئے تیار تھی۔ میرے ساتھ چلنے والے مجاہد نے مجھے بتایا کہ

یہاں ہم چوبیس گھنٹے اپنی رائفلوں کو لوڈ رکھتے ہیں تا کہ کسی بھی اچانک خطرے کا مقابلہ کر سکیں۔ گھر کے باہر سڑک پر ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا، میں یہاں کافی دیر پہرا دینا چاہتا تھا لیکن چند لمحے گزرنے کے بعد مجاہدین نے مجھے بتایا کہ آپ کا پہرا ختم ہو چکا ہے۔ میں نے زیادہ دیر رکنے کی بات کی تو کہنے لگے کہ آپ کو اجر مل گیا ہے بس اتنا ہی کافی ہے۔ فروری کی اس تاریک اور ٹھنڈی رات کے یہ چند لمحات میرے لئے ایک خاص سرور اور کیفیت رکھتے تھے۔ جی ہاں! غزوۂ ہند میں شرکت کا سرور اور غزوۂ ہند میں پہرہ دینے کی کیفیت، وہی غزوۂ ہند جس کی فضیلت میں ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ نے جامع کلمات ارشاد فرمائے ہیں اور غزوۂ ہند میں شرکت کرنے والوں کو جہنم سے نجات کی بشارت دی ہے اور شہید ہونے والوں کو "افضل الشہداء" قرار دیا ہے۔ یا اللہ! تیری ہی توفیق سے مجھ حقیر کو یہ سعادت ملی تھی بس تو ہی اپنے فضل و کرم سے ان چند گھڑیوں کو قبول فرما کر مجھے جہنم سے نجات عطاء فرما اور ساری زندگی جہاد فی سبیل اللہ کی نعمت سے استفادے کی توفیق عطاء فرما۔

میں نے کلاشنکوف مجاہدین کے سپرد کر دی اور خود کمرے میں آ کر سونے کی کوشش کرنے لگا، یہ عجیب اتفاق ہے کہ بڑے واقعات کا پرتو انسانی طبیعت اور مزاج کو کافی پہلے سے متاثر کرنے لگتا ہے، اگلا دن میری گرفتاری کا دن تھا اور اس کا اثر رات کو بے چینی اور بے خوابی کی صورت میں مجھ پر مسلط تھا، کروٹیں لینے، دعائیں پڑھنے اور سونے کی بھرپور کوشش کرنے کے باوجود مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میرے دائیں بائیں اور سامنے کئی جانباز مجاہد اپنی گود میں کلاشنکوفیں رکھے بیٹھے بیٹھے سو رہے تھے۔ کمرے میں ہلکے ہلکے خراٹے بھی صاف سنائی دے رہے تھے مگر میں جاگ رہا تھا اور نیند کا انتظار کر رہا تھا۔

انڈین آرمی کے گھیرے میں

میری زندگی کی کئی راتیں اسی طرح بے چینی میں نیند کا انتظار کرنے میں گذری ہیں۔ گرفتاری سے پہلے والی رات بھی انہیں راتوں میں شامل ہے۔ رات کی نیند اللہ تعالیٰ کی ایک بے بدل نعمت ہے، بچپن میں یہ نعمت مجھے نصیب رہی، پھر جب دینی مدرسے میں طالب علمی کا آغاز ہوا تو رات کی ابتداء گیارہ بجے ہونے لگی۔ کیونکہ رات کے گیارہ بجے تک اسباق کا تکرار اور مطالعہ جامعہ کے اصولوں میں سے تھا۔ ابتداء میں تو گیارہ بجے تک جاگنے کا اہتمام رہا لیکن چند ماہ کے بعد جب علم کا چسکہ لگ گیا تو پھر رات کا آغاز بارہ ایک بجے کے بعد ہونے لگا اور یوں تیرہ برس کی عمر سے ہی میری زندگی کی راتیں سمٹنا شروع ہوگئیں۔ طالب علمی کے آخری سالوں میں ایک مسجد میں امامت، خطابت کی ذمہ داری بھی کندھوں پر آن پڑی تو مقتدی دوستوں کے ساتھ ہونے والی دینی مجالس نے رات کے اکثر حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مدرسہ سے فراغت کے بعد تدریس اور جہاد کی مشغولیت نے رات کو بہت دور دھکیل دیا۔ جب کہ بعض راتیں دن بن گئیں اور حالت یہاں تک جا پہنچی کہ مجھے پوری رات کا سونا اپنی اس زندگی میں دور دور تک نظر نہیں آیا۔ البتہ ایسی بے شمار راتیں یاد ہیں جن میں سونے کا وقت بالکل نہ مل سکا۔ خلاصہ یہ کہ

رات کے اکثر حصے کا جاگنا میری زندگی کا ایسا معمول بن چکا ہے جس میں بہت کم ناغہ ہوتا ہے، لیکن بعض راتوں میں بغیر کسی مصروفیت کے جاگنے کی داستان بالکل الگ ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے مجھے انڈیا کی جیل سے رہائی عطا فرمائی اس سے پہلے والی رات بھی عجیب طرح کی بے چینی اور بیداری میں گذری اس رات کا تذکرہ تو ان شاء اللہ آگے آئے گا، آج کی نشست میں تو گرفتاری سے پہلے والی رات کا تذکرہ چل رہا ہے۔ دعائیں پڑھتے اور کروٹیں بدلتے رات کے آخری حصے میں کسی وقت تھوڑی دیر کے لئے میری آنکھ لگ گئی مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد مجاہدین نے نماز کے لئے اٹھنا شروع کر دیا، میں نے بھی اٹھ کر وضو کیا اور فجر کی نماز ہم نے اسی کمرے میں جماعت کے ساتھ ادا کی، اس وقت کے مجاہدین اور بعد کے شہداء کرام پر مشتمل اس جماعت کی امامت کا شرف مجھے حاصل ہوا۔ نماز اور معمولات کے بعد میں دوبارہ لیٹ گیا اور اب جلد ہی نیند نے مجھے سنبھال لیا، دن کے نو بجے کے قریب مجھے اٹھا کر بتایا گیا کہ سفر کی تیاری مکمل ہو چکی ہے۔ بھائی رئیس صاحب مجھے مکان سے اتار کر قریب ایک مسجد میں لے گئے جہاں بیت الخلاء اور گرم پانی کا انتظام تھا جمعۃ المبارک کا دن ہونے کی وجہ سے علاقے کے کئی بوڑھے بزرگ صبح سے ہی مسجد میں موجود تھے اور وہ مسجد میں پانی گرم کرنے والے دیسی نظام کی حرارت کا لطف اٹھا رہے تھے۔ کشمیر کے لوگ سردی سے بچاؤ کا خاص اہتمام کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں سے زیادہ خود کو گرم رکھنے کی فکر کرتے ہیں۔ وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم گاڑی میں بیٹھ گئے۔ سجاد صاحب نے گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں اس میں کامیابی نہ ملی۔ دائیں بائیں گذرنے والے بعض لوگوں نے گاڑی کو دور تک دھکا دیا تب گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہو گیا ہم وہاں سے روانہ ہونے ہی والے تھے کہ ہمارے ایک پرانے مجاہد ساتھی محمد شفیق صاحب (ساکن آزاد کشمیر) ہاتھ میں بوڑھوں کی طرح لاٹھی اٹھائے نمودار ہوئے۔ افغانستان کے جہاد میں اپنی شجاعت، جوانمردی اور خدمات کا لوہا منوانے کے بعد یہ نوجوان اب کشمیر میں مجاہدین کی کمان کر رہا تھا۔ چند دن پہلے زخمی ہونے کی وجہ سے اسے چلنے میں لاٹھی کا سہارا لینا پڑ رہا تھا۔ پر تپاک مگر مختصر ملاقات کے بعد وہ ہم سے رخصت ہو گئے، رخصت ہوتے وقت انہوں نے مجھے ایک تسبیح اور عطر کی شیشی دی جو گرفتاری کے وقت گاڑی میں ہی رہ گئی۔ دوسرے بہت سارے ساتھیوں کی طرح بھائی شفیق کے ساتھ بھی یہ ملاقات آخری ثابت ہوئی اور ان کی شہادت کی خبر بھی ہم نے جیل ہی میں سنی۔ ہماری گاڑی اسلام آباد کی طرف روانہ

ہوگئی، دھکا دینے والے محسنوں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر ہمیں الوداع کہا ہم نے بھی چلتی گاڑی سے ہاتھ ہلا کر ان کا شکریہ ادا کیا اور تھوڑی ہی دیر میں ہم نے اس چھوٹے سے آباد گاؤں کو عبور کرلیا۔ محترم سجاد خان کے بقول ہماری اگلی منزل اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد تھی، جہاں جنوبی کشمیر کے میر واعظ جناب قاضی نثار صاحب خطابت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ قاضی نثار صاحب کے مجاہدین کے ساتھ قریبی روابط تھے اور ان کی مسجد میں مجاہدین کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ سجاد صاحب اس مسجد میں میرا بیان کروانا چاہتے تھے اور غالبًا اس کی اطلاع وہ قاضی صاحب تک پہنچا چکے تھے۔ چھ لاکھ انڈین آرمی سے گھرے ہوئے کشمیر کی ایک مرکزی جامع مسجد میں ایک مہمان مجاہد کا خطاب کرنا میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ لیکن مجاہدین نے اس ناممکن کام کو بھی مختلف طریقوں سے ممکن بنا رکھا تھا۔ اسلام آباد تو کیا خود سرینگر کی جامع مسجد اور درگاہ حضرت بل کی مسجد تک میں مجاہدین کے بیانات ہوتے تھے اور بیانات کے بعد مجاہدین باحفاظت اپنے ٹھکانوں تک بھی پہنچ جاتے تھے۔ ہم آپس میں ہلکی پھلکی گفتگو کرتے ہوئے سبک رفتاری سے آگے بڑھ رہے تھے۔ قاضی نثار صاحب کا نام میں نے اسی سفر کے دوران سنا، ظاہر ہے وہ میرے لئے اجنبی تھے لیکن جیل میں جا کر ان کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہوئیں اور ان کی بعض تحریریں پڑھنے کا بھی اتفاق ہوا۔ قاضی صاحب نے بھی تحریک آزادی کی حمایت کے جرم میں جیل کاٹی تھی اور انہوں نے جیل میں نماز کے مسائل پر ایک رسالہ بھی لکھا تھا جو اہم مباحث پر مشتمل تھا۔ جیل میں قیام کے دوران میں نے قاضی صاحب کی شہادت کی خبر بھی سنی جو بہت گراں گذری، لیکن وہ گمنام ہاتھ بے نقاب نہ ہو سکے جنہوں نے قاضی صاحب کو شہید کیا تھا۔ اس سلسلے میں بعض زبانی معلومات ہم تک پہنچیں جو یقینًا افسوسناک تھیں۔ ابھی ہم نے آدھے گھنٹے کا سفر طے کیا تھا کہ ہماری گاڑی ہچکولے کھانے لگی اور بالآخر بند ہوگئی۔ سجاد صاحب اور بھائی رئیس صاحب نے اسے اسٹارٹ کرنے اور چلانے کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہ مل سکی سجاد صاحب نے مجھے گاڑی کو دھکا دینے کی خدمت سے باز رکھنے کیلئے ڈرائیونگ سیٹ پر بٹھایا اور خود بھائی رئیس کے ساتھ مل کر دھکا دینے لگے۔ کافی مشقت کے بعد گاڑی اسٹارٹ ہوگئی۔ آٹھ دس منٹ تک میں نے گاڑی کو بہت تیزی سے چلایا اور کئی بار اسے بند ہونے سے بچایا لیکن گاڑی پھر خراب ہوگئی اور اس بار دھکے سمیت کوئی بھی علاج کارگر نہ ہوا۔ ان دونوں حضرات نے مجھے گاڑی میں بٹھا دیا اور خود دوسری سواری کی تلاش میں لگ گئے کافی دوڑ دھوپ کے بعد ایک موٹر

رکشہ جسے کشمیر میں تھری ویلر کہا جاتا ہے دستیاب ہوگیا۔ سجاد صاحب اور میں پچھلی سیٹ پر جب کہ بھائی رئیس صاحب ڈرائیور کے ساتھ اسی کی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ سورۂ یٰسین، منزل اور اوائل سورۂ کہف کی تلاوت جمعہ کے معمول کے مطابق میں نے رکشے میں کی۔ سفر کے دوران مجھے محسوس ہوا کہ سجاد خان صاحب کافی بے چین ہیں اور بار بار آگے پیچھے اور دائیں بائیں دیکھتے ہیں۔ اچانک ایک موڑ پر جب رکشے والے نے موڑ کاٹا تو سامنے ایک سویلین ٹرک نظر آیا۔ رکشے والا حالات کو بھانپ گیا اور اس نے زور سے کہا ''آرمی''۔ سجاد صاحب نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی۔ میں نے ان کی آواز سن کر سر اٹھایا تو منظر ہی کچھ اور تھا اور ہم چاروں طرف سے انڈین آرمی کے گھیرے میں آچکے تھے۔

میری گرفتاری

ایک رکشہ اور اس میں سوار چار افراد ایک مشترکہ مصیبت میں پھنس چکے تھے۔ چند لمحات کی وہ کارروائی اس قدر بھیانک تھی کہ اس کی حقیقی کیفیت الفاظ کے ذریعے بیان نہیں کی جاسکتی۔ رکشہ تو بے جان تھا اس کے لئے آزادی اور غلامی ایک برابر تھی۔ رکشے کا ڈرائیور کافی حد تک مطمئن تھا کیونکہ وہ زیادہ قصوروار نہیں تھا...... یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مشن پورا ہو چکا ہو اور وہ بڑی اجرت کا مستحق بن چکا ہو...... لیکن بہر حال یہ صرف ایک امکان ہے۔ رکشہ ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا ہوا مجاہد مکمل طور پر مسلح تھا اس لئے وہ بھی مقابلہ کر کے باآسانی شہادت یا خلاصی پا سکتا تھا لیکن رکشے کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دونوں افراد اس اچانک افتاد پر سخت حیرت زدہ تھے۔ ایک طرف وہ مجاہدین کے ذمہ داروں اور ایک جہادی تنظیم کے اعلیٰ عہدیداروں میں شمار ہوتے تھے اور دوسری طرف وہ بالکل خالی ہاتھ (غیر مسلح) تھے۔ اگر رکشے میں سوار تمام افراد مسلح ہوتے تو معاملہ زیادہ خطرناک نہیں تھا۔ آگے والا مجاہد فائرنگ کر کے رکشے کے گرد موجود آرمی والوں کو گرنے، بھاگنے اور پیچھے ہٹنے پر مجبور کرتا اور اس دوران پیچھے بیٹھے ہوئے مجاہدین کو سنبھلنے، رکشہ سے اترنے اور ڈھلوان کے پاس مورچہ زن ہونیکا موقع مل جاتا۔ اسی طرح اگر تمام مجاہدین غیر

مسلح ہوتے تو بھی معاملہ کسی حد تک کم خطرناک تھا کیونکہ اس بات کا قوی امکان تھا کہ آرمی والوں کو تلاشی کے دوران جب کچھ نہ ملتا تو وہ ہلکی پھلکی پوچھ تاچھ کر کے رکشے کو جانے دیتے اور اس ہلکی پوچھ تاچھ کیلئے کمانڈر سجاد خان کے پاس کافی مواد موجود رہتا تھا۔لیکن تین مجاہدین میں سے ایک مسلح اور دو بالکل نہتے تھے۔آرمی کے ایک اہلکار نے رکشے کو رکنے کا اشارہ کیا۔یہ اشارہ بلا وجہ تھا کیونکہ تنگ پہاڑی موڑ اور سڑک پر کھڑے ہوئے فوجیوں کی وجہ سے رکشہ پہلے ہی رک چکا تھا۔ایک فوجی نے بھائی رئیس کو نیچے اترنے کیلئے کہا، انہوں نے پیچھے مڑ کر سجاد صاحب کی طرف دیکھا۔آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ طے ہوا بھائی رئیس اطمینان سے نیچے اترے ان کا تمام تر اسلحہ فرن (کشمیری لباس) کے نیچے تھا فوجی نے دونوں ہاتھ پھیلا کر ان کی تلاشی لینا چاہی تو انہوں نے چیتے کی سی پھرتی سے فوجی کو اٹھا کر پٹخ دیا اور ایک گرنیڈ باقی فوجیوں کی طرف پھینک کر زوردار چھلانگ لگائی اور بائیں طرف سرپٹ دوڑنا شروع کر دیا۔انڈین فوجی اس اچانک افتاد کیلئے تیار نہ تھے انہیں سنبھلنے میں کچھ دیر لگی۔اس کے بعد انہوں نے بھائی رئیس کی طرف فائرنگ کی بوچھاڑ کر دی ہم رکشے میں بیٹھ کر یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔آرمی کے آفیسر اور فوجی مختلف پوزیشنوں سے فائر کر رہے تھے جبکہ بھائی رئیس بائیں طرف واقع مکانات کی طرف انتہائی تیزی سے دوڑتے جا رہے تھے بالآخر وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے اور مکانات کے سلسلے میں گم ہو گئے۔درجنوں فوجیوں کی فائرنگ کے درمیان میں سے ان کا اس طرح سے بچ نکلنا ایک ایسا واقعہ ہے جو انسان کے ایمان کو بڑھاتا ہے۔بھائی رئیس کی شہادت کا وقت آنے میں ابھی ڈیڑھ دو سال باقی تھے۔اسی لئے گولیاں ان کے آس پاس سے گذرتی رہیں اور ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ اسی طرح اسلحے کی برکت سے وہ گرفتاری سے بھی محفوظ رہے۔بے شک جہاد کا اسلحہ بہت بڑی برکت اور حفاظت ہے۔اسی لئے ہمیشہ سے اسلام دشمن عناصر کی خواہش ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو اسلحہ نہ اٹھانے دیں، کیونکہ جہاد کی نیت سے اسلحہ اٹھانے والے کبھی بھی غلامی کو گوارا نہیں کرتے اور نہ غلامی کا طوق ان کے گلے میں ڈالا جا سکتا ہے۔کافروں کو اس قانون کا بہت طویل اور تلخ تجربہ ہے۔چنانچہ اب انہوں نے مسلمانوں کے اسلحہ کا مقابلہ کرنے کی بجائے منافقین کے ذریعے مسلمانوں کو نہتا کرنے کی بھرپور سازشیں شروع کر رکھی ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی ان سازشوں کو ناکام فرمائے اور مسلمانوں کو جہادی اسلحے کی قدر و قیمت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آج ہمارے سامنے بے شمار ایسی مثالیں بکھری پڑی ہیں جنہیں دیکھ کر ہم بخوبی اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں

کہ جہادی اسلحہ مسلمانوں کے لئے سانس لینے سے زیادہ ضروری ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو انگریز نے نہتا کیا تو آج پورے برصغیر میں مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ بنگلہ دیش کفر اور ارتداد کی یلغار سے لرز رہا ہے۔ کشمیر میں مسلمانوں کے خون کو پانی کی طرح سستا کر دیا گیا ہے۔ جب کہ ہندوستان کا مسلمان اپنی آئندہ نسل کے ایمان تک کو خطرے میں محسوس کر رہا ہے، لیکن ہمارے پڑوس میں ہمارے افغان بھائیوں نے جہادی اسلحے کو جان کی طرح عزیز رکھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزوں سے لے کر سوویت یونین کے خونخوار جنگجوؤں تک کوئی بھی انہیں نہ جھکا سکا اور کسی کو بھی افغانوں کو غلام بنانے کا موقع نہ مل سکا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اسی جہادی اسلحہ کی بدولت افغانوں کو امارت اسلامیہ اور نفاذ شریعت جیسی وہ نعمتیں عطا فرمائیں جن سے حرمین کے پڑوس میں بسنے والے عرب تک محروم ہیں۔ آج افغانوں کے پاس اسلام محفوظ ہے اور وہی اسلام کے اصل وارث بنے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے افغانوں کو اسلام کے ذریعے اور اسلام کو افغانوں کے ذریعے عزت بخشی۔ چنانچہ آج دنیا کے جابرانہ اور کافرانہ نظام سے اگر کوئی آزاد ہے تو وہ صرف اور صرف افغان ہیں اور اگر پاکستان کو بھی کسی قدر امن اور آزادی نصیب ہے تو یہ مجاہدین اور جہادی اسلحے کی برکت ہے۔ اسی لئے دنیا کے تمام اسلام دشمن ممالک کو پاکستان کا مجاہد اور اس مجاہد کے ہاتھ میں موجود چھوٹا موٹا اسلحہ بری طرح کھٹک رہا ہے۔ وہ عرب ممالک کی طرح پاکستان کو اپنی کالونی بنانا چاہتے ہیں لیکن پاکستان کا عالم اور مجاہد ان کے راستے کی رکاوٹ ہے۔ چنانچہ اب انہوں نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے یہ مہم شروع کر دی ہے کہ پاکستان میں کسی طرح مجاہدین کا گلا گھونٹ دیا جائے۔ برطانیہ کی طرف سے حال ہی میں کئی جہادی تنظیموں پر لگنے والی پابندی، وزارت داخلہ کے جارحانہ بیانات اور نام نہاد دانشوروں کے اخبارات میں مجاہدین کے خلاف شائع ہونے والے مضامین اس بدبخت مہم کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مہم کو ناکام فرمائے۔ کیونکہ خدانخواستہ اگر یہ مہم کامیاب ہوگئی اور پاکستان میں موجود جہاد کی پرامن تحریک کو نقصان پہنچا تو یہ ملک خطرناک قسم کی خانہ جنگی کا شکار ہو جائے گا۔ اور دشمنوں کو اس ملک پر مکمل قبضے کا موقع مل جائے گا۔

بات کچھ دور نکل گئی۔ بھائی رئیس کا تذکرہ چل رہا تھا کہ وہ اپنے جہادی اسلحے کی برکت سے دشمن کے سینکڑوں فوجیوں کے درمیان سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ فوجی کانوائے میں سے کئی فوجی ان کے پیچھے مکانات کی طرف چلے گئے بعض فوجی اپنے وائرلیس

کھول کر چاروں طرف ان کے بھاگنے کی اطلاع دینے لگے، جبکہ باقی تمام فوجیوں نے رکشے کو بری طرح اپنے گھیرے میں لے لیا وہ سب اپنی ناکامی کی وجہ سے بے حد برہم تھے اور ہم تین افراد کی صورت میں نہتا شکار ان کے قبضے میں تھا۔ انہوں نے ہمیں رکشہ سے اتارا اور ہماری تلاشی شروع کردی۔ ہم تینوں کی زندگی کے دن ابھی باقی تھے اس لئے نہ ہی بھائی رئیس کا پھینکا جانے والا گرنیڈ پھٹا اور نہ ہی انڈیا آرمی کے فوجیوں نے حسب معمول اپنی شکست کا غصہ نکالنے کیلئے ہم پر فائرنگ کی۔ گرفتاری کے بعد ایک سکھ کیپٹن نے اس بات پر حیرانی کا برملا اظہار کیا اور ہمیں کہا کہ تمہاری قسمت اچھی تھی۔ اگر تمہارے ساتھی کا پھینکا جانے والا گرنیڈ پھٹ جاتا اور ہمارے فوجیوں کا نقصان ہوتا تو ہم فوری طور پر تمہیں ہلاک کردیتے۔ سکھ آفیسر کی بات درست تھی اور ماضی میں ایسے کئی واقعات پیش آچکے تھے کہ انڈین آرمی نے اپنے نقصان کا ازالہ کرنے کیلئے کئی بار نہتے لوگوں کو گولیوں سے بھون ڈالا۔ کئی فوجیوں نے بڑی سختی کے ساتھ ہماری بار بار تلاشی لی لیکن انہیں کوئی قابل اعتراض چیز نہ ملی۔ میری جیب میں میرے سفری کاغذات اور کچھ رقم تھی جب کہ سجاد خان صاحب کی جیب میں ان کے کچھ ایسے کاغذات تھے جو وہ انڈین آرمی کو چکمہ دینے کیلئے ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے۔ آرمی والے ہم سے بھاگنے والے مجاہد کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ ہم سب کا بیان ایک تھا کہ ہم اسلام آباد (اننت ناگ) جارہے تھے یہ زبردستی ہمارے ساتھ راستے میں بیٹھ گیا۔ سجاد خان صاحب کو کشمیری زبان پر کافی عبور حاصل تھا انہوں نے فوجیوں کو بتایا کہ وہ گاندربل کے رہنے والے ایک تاجر ہیں اور قالینوں کی تجارت کے سلسلے میں سفر کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے میرے بارے میں بتایا کہ یہ پیر صاحب ہیں اور اپنے مریدین سے ملنے کیلئے کشمیر آئے ہوئے ہیں۔ فوجی مزید پوچھ تاچھ کے لئے ایک کشمیری مخبر کو ہماری باتوں کی تصدیق یا تردید کیلئے سامنے لائے۔ اس نے کشمیری زبان میں سجاد صاحب سے کئی سوالات کئے جن کا اسے تسلی بخش جواب دے دیا گیا۔ یہ ساری صورتحال دیکھ کر فوجی شش و پنج میں پڑ گئے۔ ان میں سے ایک آفیسر نے ہمیں جانے کی اجازت دے دی ہم رکشے میں بیٹھ کر جانے لگے تو ایک اور آفیسر نے روک لیا اور ہمیں اپنے پیچھے آنے کیلئے کہا، اب ہمارا رکشہ فوجی گاڑیوں کے درمیان جارہا تھا۔ کچھ گاڑیاں ہم سے آگے اور کچھ ہمارے پیچھے تھیں۔ گاڑیوں میں سوار فوجیوں کی چھوٹی بڑی رائفلوں کا رخ ہماری طرف تھا۔ کچھ دور جا کر انہوں نے گاڑیاں روک لیں اور ہمیں رکشے سے اتار کر ہمارے ہاتھ باندھ دیئے اور ہمیں ایک فوجی ٹرک پر سوار

کرلیا۔ ہماری گرفتاری کا پہلا مرحلہ مکمل ہو چکا تھا۔ ہمارے ہاتھ باندھ دیئے گئے تھے اور گاڑیاں فوجی کیمپ کی طرف روانہ ہو چکی تھیں ۔ ہمارے اردگرد بیٹھے ہوئے فوجی ہمیں غلیظ گالیاں بکنے کے ساتھ ساتھ دھمکیاں بھی دیتے جا رہے تھے اور ہم بے بسی اور مجبوری کے ان لمحات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے اور ہماری زبان پر بار بار یہ دعاء جاری ہو رہی تھی ......:

لا اله الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین

گالیاں

راستے میں ایک بار گاڑیوں کو روک کر ہماری خراب شدہ گاڑی کی تلاشی لی گئی۔ کمانڈر سجاد خان نے انہیں بتایا تھا کہ ہم اپنی ذاتی گاڑی پر سفر کر رہے تھے۔ راستے میں وہ خراب ہوگئی تو ہم نے موٹر رکشہ پکڑ لیا تھا۔ انڈین فوجیوں نے گاڑی کے خراب ہونے کی جگہ پوچھی تو سجاد صاحب نے بالکل درست جگہ بتا دی تھی۔ چنانچہ اب واپسی پر انہوں نے پورا کانوائے روک کر اس گاڑی کو خوب کھنگالا اور پھر اسے بھی ایک ٹرک کے پیچھے باندھ لیا۔ یہاں سے رخصت ہوتے وقت انہوں نے ہم دونوں کو الگ الگ ٹرکوں میں ڈال دیا۔ غالباً اب ان کا شک آہستہ آہستہ یقین میں بدلتا جا رہا تھا اور اس کے ساتھ ان کا رویہ بھی بد سے بدتر ہوتا جا رہا تھا۔ میرے لئے یہ زندگی کا عجیب ترین تجربہ تھا۔ میں نے اپنی اس وقت تک کی زندگی میں کبھی ایک منٹ کی قید بھی نہیں دیکھی تھی۔ کئی بار پولیس کے ساتھ آمنا سامنا ہوا لیکن گرفتاری کی صورت کبھی بھی پیش نہیں آئی۔ بعض مقامات پر گرفتاری کے قریب پہنچ کر خلاصی نصیب ہوگئی اور عجیب بات یہ ہے کہ پولیس اور فوج کی حقیقی اصلیت گرفتاری کے بعد نظر آتی ہے۔ ورنہ عام طور سے یہ لوگ معزز افراد کے ساتھ ہمیشہ اخلاق اور شائستگی سے پیش آتے ہیں لیکن اگر اسی مجلس میں انہیں ان معزز افراد کو گرفتار

کرنے کا موقع مل جائے تو ان کی شائستگی فوری طور پر تلخی اور بدتمیزی میں تبدیل ہوجاتی ہے اور وہ ایسے بدتہذیب بن جاتے ہیں جس سے کوئی اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ یہ کبھی کسی کے ساتھ شائستگی سے پیش آئے ہوں گے۔ میں چونکہ اس سے پہلے کبھی بھی گرفتار نہیں ہوا تھا، اس لئے میں نے پولیس اور فوج کے افسروں کو ہمیشہ اخلاق سے بات کرتے سنا اور دیکھا تھا لیکن اس واقعہ کے بعد جب میری گرفتاریوں کا ایک سلسلہ چل نکلا تو مجھے پولیس اور فوج کے افسران کے اس متضاد رویے کو بار بار دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ لوگ کسی شخص کو عزت کے ساتھ کرسی پر بٹھا کر بات چیت کرتے ہیں اور اپنی گفتگو میں اخلاق، محبت اور رواداری کی مٹھاس اچھی طرح بھر لیتے ہیں۔ لیکن اگر ان کی بات نہ چلے یا ان کو اپنے اوپر والوں کی طرف سے اس شخص کے بارے میں ''کھلا ہاتھ'' مل جائے تو فوراً کرسی سے اٹھا کر گالم گلوچ شروع کردیتے ہیں اور اس بات پر بھی ایذاء پہنچاتے ہیں کہ تم تھوڑی دیر پہلے کرسی پر کیوں بیٹھے ہوئے تھے۔ برصغیر میں پولیس اور فوج کا تربیتی نظام انگریز کا جاری کردہ ہے اور یہ نظام انسان کو اپنے سے طاقتور کی چاپلوسی اور اپنے سے کمزور پر ظلم کا سبق سکھاتا ہے، منافقت اور موقع پرستی اس نظام کی خصوصیات اور اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال اس نظام کا خاصہ ہے، اس نظام سے تربیت پانے والے افراد مجبوری کی حالت میں بااخلاق جبکہ عام حالات میں ظالم اور بداخلاق ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دوسروں کو بے عزت کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ جبکہ خود ان کی ذاتی اور گھریلو زندگیاں ان کی بری عادتوں اور بداخلاقی کی وجہ سے تباہ ہوجاتی ہیں اور اپنی اس نجی زندگی میں قدم قدم پر ذلیل اور خوار ہونا ان کا مقدر بن جاتا ہے۔ اوپر والے افسروں کا آنکھیں بند کرکے حکم دینا اور ماتحتوں کا ہر بات پر ''یس سر'' کہنا ان کے اندر سے انسانی بلندی اور اعلیٰ ظرفی اس طرح نکال دیتا ہے کہ ان کے دل سے عہدے کے سوا ہر بات کی قدر نکل جاتی ہے۔ چنانچہ اپنے سے بڑے عہدے والوں کی ہر بیوقوفی کو برداشت کرنا اور اسے قبول کرنا جبکہ اپنے سے کم عہدے والے کی ہر مفید بات کو ٹھکرانا اور بدلنا ان کی عادت بن جاتی ہے۔ بڑا افسر اگر گالی بھی دے یا کوئی نقصان دہ بات کہے تو وہ ''جی سر'' کہہ کر قبول کرتے ہیں۔ جبکہ کم عہدے والا آدمی اگر انہیں آب حیات کا پتہ بھی بتائے تو ''شٹ اپ'' کہہ کر اس کی بات مسترد کردیتے ہیں۔ انگریز کے غیر انسانی اور بیہودہ نظام کا یہ اثر پولیس اور فوج کے اکثر عہدیدار قبول کرلیتے ہیں۔ جبکہ بعض خوش قسمت اپنی فطری یا خاندانی خوبیوں کی بدولت ان اثرات سے قدرے محفوظ رہتے ہیں۔

انڈین آرمی کے آفیسر اور سپاہی دل کھول کر اور منہ پھاڑ کر گالیاں دے رہے تھے اور میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول تھا۔ جہاد کے راستے میں گرفتاری کوئی اچھوتی یا اجنبی چیز نہیں ہے لیکن ماضی میں مجھے اتفاقاً اس کا تجربہ حاصل نہیں ہو سکا تھا، اس لئے فوج والوں کی گالیوں سے کافی تکلیف پہنچ رہی تھی۔ یہ وہ زبان تھی جو میں نے آج سے پہلے اپنے لئے نہیں سنی تھی، بچپن میں گھر کا ماحول گالیوں سے پاک تھا اور والدہ صاحبہ کی تربیت نے گالی دینے اور سننے سے نفرت پیدا کر دی تھی۔ پھر یہ بات عام طور پر مسلّم ہے کہ گالیاں اسی کو سننا پڑتی ہیں جو خود گالیاں بکنے کا عادی ہو۔ شعور و آگہی کے ابتدائی سال تو گھریلو ماحول کی برکت سے گالم گلوچ کے بغیر گزر گئے، عمر ابھی بارہ سال تھی کہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی کا اسلامی سکہ بند ماحول اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ جہاں کے اس وقت کے اساتذہ وقت کے امام اور اسلامی اخلاقیات میں ڈھلے ہوئے ہوتے تھے۔ ہماری تعلیم کے پہلے سال میں یہ سبق ملا کہ اپنے کسی ساتھی تک کو تو اور تم کے الفاظ سے مخاطب نہیں کرنا بلکہ سب کو ''آپ'' کہہ کر پکارنا ہے۔ اس اخلاقی سبق پر عمل کی یہ برکت حاصل ہوئی کہ میں نے دوسروں کو آپ کہہ کر پکارنا شروع کیا تو خود میرے کان بھی تو اور تم جیسے الفاظ سے ناآشنا ہو گئے۔ ہم سب تعلیمی رفقاء ایک دوسرے کو ''آپ'' کہہ کر بلاتے تھے جبکہ ہمارے اساتذہ کرام بھی طلبہ کو اسی لفظ سے پکارتے تھے۔ مدرسہ سے فراغت کے بعد جہاد اور دعوت جہاد کا ماحول ملا تب بھی تو اور تم جیسے الفاظ کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔ کراچی میں کئی بار پولیس افسران کے ساتھ جھڑپیں ہوئیں لیکن چونکہ گرفتاری نہیں ہوئی، اس لئے انہیں بھی اخلاق سے ہی بولتے سنا جیسا کہ گرفتاری سے پہلے ان کی عادت ہوتی ہے۔ ماضی کی ان خدائی نوازشات اور نعمتوں نے طبیعت اور مزاج کو قدرے نازک بنا دیا تھا، اس لئے مشرکوں کی گالیاں دل پر گولیوں کی طرح اثر کر رہی تھیں اور میرا دل غم اور غصے سے پھٹا جا رہا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ اب میرے مقدر میں تھا اور میں نے آگے چل کر طویل عرصہ تک اسے سہنا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ یہ تربیت تھی یا گناہوں کا کفارہ، میرے مزاج کی اصلاح تھی یا برائیوں کا خمیازہ بہرحال جو کچھ بھی تھا، مالک کی طرف سے تھا۔ وہ مالک جو بندوں پر ظلم نہیں فرماتا اور اس کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ بچپن اور لڑکپن میں اکثر لوگ لڑائیاں کرتے ہیں، ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں، ایک دوسرے پر مکے اور تھپڑ برساتے ہیں اور یوں ان کی طبیعت ان تمام کاموں کیلئے کسی قدر تیار ہو جاتی ہے لیکن اتفاق دیکھئے کہ مجھے اس طرح کی لڑائیوں کا موقع بچپن اور لڑکپن میں

زیادہ نہیں مل سکا۔ جب سے میرے شعور نے آنکھیں کھولیں، میرا چہرہ تھپڑوں سے اور میرے کان گالیاں سننے سے کافی حد تک محفوظ رہے اور گرفتاری کے دن تک مجھے بچپن کی ایک دو معمولی لڑائیوں کے علاوہ کبھی بھی لڑائی جھگڑے کا موقع نہیں مل سکا۔ گھر میں اپنے سے بڑے بھائی صاحب کے ساتھ ہونے والی کشتیاں اور بعض لڑائیاں اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان میں غصے یا انتقام کی بجائے محبت وموانست کا پہلو غالب رہتا تھا۔ ایک طرف یہ اتفاق اور دوسری طرف یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جہاد جیسا شعبہ عطا فرمایا۔ جس میں قتال فی سبیل اللہ ہی اصل اور اہم عنصر ہے۔ گویا کہ قدرت نے مجھے ذاتی نوعیت کی چھوٹی لڑائیوں سے بچا کر اجتماعی نوعیت کی بڑی لڑائیوں کیلئے کھڑا فرما دیا۔ وہ لڑائیاں جو دنیا میں امن، سکون اور انسانی عزت کی بحالی کا واحد ذریعہ ہیں۔ اسلام اور انسان کی خاطر لڑی جانے والی، ان اجتماعی لڑائیوں یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے طبیعت اور مزاج کا مضبوط ہونا ضروری ہے اور غالباً اسی کی تربیت کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرما دیا تھا۔ فوجی کانوائے تیزی سے اسلام آباد (اننت ناگ) کے ایک فوجی کیمپ کی طرف جا رہا تھا، گالیاں اور حقارت آمیز نگاہیں مجھ پر آگ کے انگاروں کی طرح برس رہی تھیں، میرے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے رفیق سفر کمانڈر سجاد صاحب کہاں ہیں۔ اسی منظر کے درمیان اچانک ہماری گاڑی جھٹکے سے رکی اور کچھ فوجیوں نے مجھ پکڑ کر اٹھایا اور سہارا دے کر گاڑی سے نیچے اتارا۔ چند گاڑیاں عبور کر کے وہ مجھے ایک قدرے چھوٹی فوجی گاڑی کے سامنے لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ کمانڈر سجاد صاحب اس گاڑی میں فوجیوں کے درمیان بیٹھے ہوئے ہیں اور فوجیوں سے کہہ رہے ہیں کہ اپنے آفیسر کو لاؤ میں نے ایک اہم اعلان کرنا ہے۔

کمانڈر سجاد خان رحمہ اللہ کی مثالی قربانی

یہ منظر بہت عجیب اور حیران کن تھا۔ کمانڈر سجاد خان کی شیر جیسی بلوری آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ عجیب مزاج کے مالک تھے وہ اپنے اندر کی کیفیات کو چھپانا اور دبانا خوب جانتے تھے لیکن بعض جذباتی مواقع پر ان کی آنکھوں کی چمک حد سے بڑھ جاتی تھی اور یہ چمک ان کے دل میں اٹھنے والی کیفیات کی چغلی کھاتی تھی۔ میں نے ان کی اس طرح سے چمکتی آنکھوں کو زندگی میں کئی بار دیکھا۔ بعض اوقات ان کے آنسو آنکھوں کی آگ کو دھیما کر دیتے تھے۔ لیکن وہ لوگوں کے سامنے بہت کم روتے تھے اور بہت کم مواقع پر ان کے آنسو آنکھوں سے باہر آنے کا راستہ پاتے تھے۔ اسلامی تاریخ میں ایثار و قربانی کے واقعات کی کمی نہیں ہے۔ ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے مخلص اور مضبوط بندوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کی خاطر موت کے بوسے لیے اور دوسروں کی گردن چھڑا کر ان کے پھندے کو اپنی گردن میں ڈالا۔ تاریخ کے صفحوں میں عزیمت کے مینار پر کھڑے ان عاشقوں کا تذکرہ محفوظ ہے۔ وہ دوسروں کو پانی پیش کرتے کرتے خود پیاسے شہید ہو گئے لیکن ان کی یہ پیاس آج بھی خود غرضی کے مرض میں مبتلا بے شمار مسلمانوں کو ایثار و قربانی کے جام شیریں پلاتی ہے۔ ۲۸ رشعبان ۱۴۱۵ھ بمطابق ۱۱ رفروری ۱۹۹۴ء بروز جمعہ دوپہر کے

لگ بھگ ساڑھے گیارہ بجے کمانڈر سجاد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسلام کے ان ایثار پیشہ عاشقوں میں اپنا نام لکھوالیا۔ان کا یہ کارنامہ اور ایثار کی یہ گھڑی انشاءاللہ قیامت تک ایک روشن مثال بن کر مجاہدین کی رہنمائی کرتی رہے گی۔انہوں نے کچھ فوجیوں سے کہا کہ اپنے افسر کو بلاؤ میں نے ایک اہم اعلان کرنا ہے انڈین فوجی جو کشمیر میں مجاہدین کے شدید دباؤ میں رہتے ہیں۔ اس طرح کی پیشکش پر بہت خوش ہوتے ہیں کیونکہ عام طور سے ایسی پیشکش اپنی رہائی کے بدلے کسی بڑے مجاہد کو گرفتار کرانے یا اسلحے کے کسی بڑے ذخیرے کی اطلاع دینے کے لئے کی جاتی ہے۔سجاد صاحب کشمیر میں طویل جنگی تجربہ رکھنے کی وجہ سے انڈین آرمی کے مزاج کو خوب سمجھتے تھے۔ان کی یہ بات سنتے ہی فوجی اپنے کمانڈنگ افسر کو لے آئے۔ میں یہ سارا منظر دیکھ کر بہت حیرت زدہ تھا اور مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اب کیا ہونے والا ہے؟ ایک منٹ کے اندر ہی کمانڈنگ افسر میرے برابر آکر کھڑا ہوگیا۔ یہ درمیانے قد،قدرے موٹے جسم اور گول سانولے چہرے والا ایک عمر گزار کرنل تھا۔اس نے اپنے ماتھے پر سرخ تلک کا تلک لگا رکھا تھا۔(تلک اس رنگ کو کہتے ہیں جو ہندو مشرک اپنے ماتھے پر گول ٹیکے یا لمبی لکیر کی شکل میں لگاتے ہیں اور اسے ایک نفع بخش عبادت سمجھتے ہیں) اس کے آتے ہی سجاد صاحب نے بلند آواز میں فرمایا: افسر صاحب آپ کو مبارک ہو آج آپ نے ایک بڑی کامیابی حاصل کی ہے میں حرکۃ الانصار کا سالار اعلیٰ کمانڈر سجاد افغانی ہوں آپ لوگوں نے مجھے پکڑ لیا ہے لیکن یہ جو میرے ساتھ بزرگ ہیں ان کا مجاہدین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ باہر سے آئے ہوئے پیر صاحب ہیں۔ میں نے انہیں اغواء کیا تھا۔ غالباً انہیں کی بددعا لگ گئی کہ آپ لوگوں نے مجھے پکڑ لیا ورنہ مجھے گرفتار کرنا آپ لوگوں کے لئے آسان نہیں تھا۔سجاد صاحب کا یہ اعلان سنتے ہی کرنل کی باچھیں کھل گئیں اس نے بے اختیار سلوٹ مار کر اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے گاڑی کے اندر بڑھایا اور باقی فوجی ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔اسی اثناء میں سجاد صاحب نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ پیر صاحب مجھے معاف کرنا۔ میں نے آپ کے ساتھ ظلم کیا جس کا مجھے خمیازہ بھگتنا پڑا۔ بس آپ مجھے معاف کریں پھر انہوں نے کرنل سے کہا کہ آپ لوگ اس پیر صاحب کو چھوڑ دیں آپ کو میری گرفتاری کی صورت میں ایک بڑی کامیابی مل چکی ہے۔کرنل نے جواباً کہا کہ ہم انہیں چھوڑ دیں گے۔اس مختصر سی بات چیت کے بعد فوجیوں نے مجھے وہاں سے ہٹا کر ایک گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بٹھا دیا۔ انڈین آرمی کا ایک سکھ میجر میرے ساتھ بیٹھ گیا اور کانوائے دوبارہ

فوجی کیمپ (بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا نام کھندرو کیمپ تھا) کی طرف روانہ ہوگیا۔ کمانڈر سجاد خان نے اپنے دوست اور مہمان بھائی کی رہائی کے لئے وہ آخری اور انتہائی کوشش کرڈالی تھی جو وہ اس بے بسی کی حالت میں کرسکتے تھے اور غالباً اس کوشش کے ذریعے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر پانے کے علاوہ اپنے ضمیر پر پڑے اس بوجھ کو ہٹانے کی بھی تدبیر کی تھی جو اپنے مہمان کی حفاظت نہ کرسکنے کی وجہ سے ان پر مسلط تھا۔ سجاد صاحب کشمیر میں طویل عرصہ سے برسرپیکار تھے۔ انڈین آرمی کے کئی مقامی مخبران کو چہرے سے پہچانتے تھے گرفتاری کے بعد اس بات کا قوی امکان تھا کہ کیمپ میں موجود مخبر انہیں پہچان لیتے لیکن انہوں نے مخبروں کے ذریعے پہچانے جانے سے پہلے ہی اپنی شناخت کو ظاہر کردیا اور یہ کام انہوں نے مجھے چھڑانے کے لئے کیا اور اس اعلان کے بعد دو دن تک وہ شدید تشدد برداشت کرکے بھی اپنے اعلان پر قائم رہے۔ یہاں تک کہ دیگر ذرائع سے انڈین آرمی نے مجھے پہچان لیا۔ سجاد صاحب کے اس اعلان کا انڈین آرمی پر کوئی زیادہ اثر نہیں پڑا بلکہ انہیں یہ شبہ ہوگیا کہ جس شخص کی خاطر حرکۃ الانصار کا عظیم سپہ سالار قربانی دے رہا ہے وہ یقیناً سپہ سالار سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے میری پہچان معلوم کرنے کیلئے اپنی کوششوں کو جاری رکھا جن میں انہیں کامیابی مل گئی۔ سجاد صاحب کو اپنے اس اعلان کے ذریعے وہ مقصد تو حاصل نہ ہوا جو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام پالیا اور اپنے اس عمل کے ذریعے مسلمانوں کو عموماً اور مجاہدین کو خصوصاً ایثار و قربانی کا وہ درس دیا جسے کبھی بھی نہیں بھلایا جاسکے گا۔ آج وہ لوگ جو اپنی ذات کی خاطر دوسروں کو ہلاکت اور خطرات میں ڈالنے سے گریز نہیں کرتے، سجاد صاحب کے اس عمل سے سبق لیں۔ کہ انہوں نے دوسروں کی خاطر خود کو خطرات میں ڈالا اور اپنے بچ نکلنے کے موہوم سے امکان کو بھی ختم کردیا۔ سجاد صاحب کی اس جرأت، ایثار اور قربانی نے میرے دل میں ان کی عزت و عظمت کو پہلے سے بڑھا دیا۔ اس دن سے ہم دونوں پر ظلم و بربریت کی جو تاریک رات مسلط ہوئی وہ ہم نے ایک دوسرے کو سہارا دے کر گزاری۔ کھندرو کیمپ کا تشدد پھر شریف آباد بڈگام کے کیمپ کی بربریت اس کے بعد بادامی باغ کا عقوبت خانہ اور پھر کوٹ بھلوال کا قدرے کھلا ماحول اور سرنگ سازی کی محنت۔ اس کے بعد تالاب تلو کے تشدد خانے کی دردناک اذیت میں ہم دونوں الحمدللہ اکٹھے رہے اور ہمارے درمیان کبھی اختلاف و نزاع تو در کنار ایک دوسرے کے احترام و توقیر میں بھی کمی نہ آئی۔ ہماری مثالی محبت اور والہانہ تعلق کا یہ سلسلہ اس

وقت تک تسلسل سے چلتا رہا جب تک ہم دونوں کا پاکستان میں موجود اپنے ساتھیوں سے رابطہ نہیں ہوا لیکن تہاڑ جیل پہنچ کر ہم دونوں کو الگ الگ جیلوں میں ڈال دیا گیا (تہاڑ جیل میں پانچ الگ الگ جیلیں ہیں) سات ماہ کی جدائی کے بعد ہم پھر جیل نمبر ایک میں اکٹھے ہوگئے۔ روحانی محبت کا سلسلہ پھر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ دوسرے رفقاء ہم دونوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس بات پر حیران ہوتے تھے کہ چٹان کی طرح مضبوط اور خشک مزاج رکھنے والا کمانڈر سجاد اس تعلق میں موم کی طرح کس طرح سے نرم ہے؟ لیکن پھر اس تعلق کو نظر لگ گئی۔ تہاڑ جیل میں قیام کے آخری ایام میں جب ہم دونوں کا رابطہ پاکستان ہو چکا تھا تو اچانک بعض غلط فہمیاں بادِ سرسر کی طرح آئیں اور انہوں نے اس ایمانی رشتے کو بہار سے خزاں میں لا کھڑا کر دیا۔ دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے اور جیل کے تاریک اور تنگ ماحول میں تو ایسا بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ ہم تو جیل کی تنگی میں تھے لوگ اپنے گھروں میں اپنے سگے بھائیوں اور والدین سے لڑ پڑتے ہیں۔ تہاڑ جیل میں ہم بھی اس آزمائش کا شکار ہوگئے۔ حالانکہ میں دوستی کے معاملے میں کافی محتاط ہوں۔ میں نے بہت کم لوگوں سے دوستی کی اور پھر کبھی خود اسے ختم نہیں کیا۔ لیکن سجاد صاحب کے ساتھ تعلق کو نظر لگ گئی۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے کسی قدر الگ ہوگئے۔ یہ دور ہم دونوں کے لئے اذیت کا دور تھا۔ میں سبق پڑھاتا تھا وہ خاموشی سے آکر پڑھتے اور چلے جاتے۔ نماز بھی میرے سیل میں پڑھتے تھے اور عصر کے بعد کی اصلاحی مجلس میں اکٹھے ذکر کرتے تھے لیکن ہم دونوں پر خاموشی اور غم طاری تھا اور دل ایک دوسرے سے کسی قدر ناراض تھے۔ اس عرصے میں انہوں نے مجھے کئی خط لکھے میں نے بھی جواب لکھے باہر بھی اس ناراضگی کی خبر پر خوشیاں منائی گئیں۔ غالباً دونوں طرف سے کچھ خطوط بھی ان غلط فہمیوں کے باہر بھیجے گئے۔ تکلیف اور جدائی کا یہ عرصہ میں نے تصنیف وتالیف میں گزارا۔ یوں غم ہلکا کرنے کا ایک ذریعہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ اس فترۃ کے زمانے میں ہم دونوں کو دیگر ساتھیوں کے ہمراہ تہاڑ جیل سے کوٹ بھلوال جیل جموں منتقل کر دیا گیا۔ تہاڑ جیل کے آخری ایام کا اثر ہم دونوں پر باقی تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں کوٹ بھلوال جیل کے بلاک نمبر ۹ کے سیل نمبرے کی کھڈی پر بیٹھا ہوا قرآن مجید پڑھ رہا تھا۔ اس وقت سیل میں میرے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ اچانک سجاد صاحب تشریف لائے اور سلام کر کے میرے ساتھ بیٹھ گئے۔ میں نے سلام کا جواب دیا، انہوں نے گلا صاف کر کے بات شروع کی۔ وہ فرمارہے تھے کہ تہاڑ جیل میں تنگ ماحول تھا جو کچھ ہوا آپ اسے نظر انداز کر دیں، یہاں کھلا

ماحول ہے اور ہمارے درمیان دوری کی وجہ سے تحریک کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ آپ معذرت قبول کریں۔ ان کی یہ بات سن کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے کہا کیا آپ کو تہاڑ جیل میں اس کا خیال نہیں آیا؟ بہر حال میرا دل صاف ہے اور آپ مجھے بے حد عزیز ہیں۔ ہمارا ایمانی تعلق چار ماہ کے انقطاع کے بعد بحال ہو چکا تھا۔ میں سجاد صاحب کا پہلے سے زیادہ اکرام کر رہا تھا مگر وہ خود کو ایک قریبی دوست شاگرد اور مرید کی سابقہ جگہ پر دیکھنا چاہتے تھے۔ میرے زیادہ اکرام نے ان کی بے چینی کو بڑھا دیا۔ چند دن صبر کرنے کے بعد وہ ایک بار پھر میرے پاس آئے اور مصافحے کے لئے میرا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گئے۔ میں آج بھی ان کے جہادی ہاتھوں کی گرمی اور لمس کو محسوس کرتا ہوں۔ یہ وہ ہاتھ تھے جنہون نے بہت سارے مشرکوں سے اللہ تعالیٰ کی زمین کو پاک کیا تھا اور ان ہاتھوں نے معلوم نہیں کتنی ماؤں، بہنوں کی عزت و عصمت کو بچایا تھا۔ سجاد صاحب عام طور سے اتنا طویل مصافحہ نہیں کرتے تھے مگر آج جب خلاف عادت انہوں نے میرے ہاتھ پکڑے رکھے تو میں سمجھ گیا کہ وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ میں نے گردن اٹھا کر دیکھا تو ان کی آنکھیں آج پھر چمک رہی تھیں اور ہلکے ہلکے آنسوان آنکھوں کی لو کو دھیما کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ میں نے کہا کیا حکم ہے؟ فرمانے لگے: آپ مجھے پہلے کی طرح اپنا چھوٹا بنا کر رکھیں اور ساری غلطیوں کو معاف کر دیں۔ سجاد صاحب مجھ سے عمر، مرتبے، جہادی تجربے اور مقام میں بہت بڑے تھے وہ مجھ سے بیعت تھے لیکن میں انہیں اپنا شیخ سمجھتا تھا، وہ مجھ سے بہت کچھ پڑھتے تھے لیکن وہ مجھے وہ اپنے استاذ نظر آتے تھے۔ میں نے ان کی یہ بات سن کر کہا: آپ اب بھی بہت قریب ہیں اور مجھے آپ سے ہرگز کوئی ناراضگی نہیں ہے۔ تھوڑی دیر تک ہم دونوں سر جھکا کر ایک دوسرے کو تسلی دیتے رہے۔ ہماری عادت تھی کہ ہم عام طور سے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں نہیں ڈالا کرتے تھے۔ اس دن کے بعد سجاد صاحب کو سبق اور اصلاحی مجلس میں ان کی پرانی جگہ مل گئی اور یوں اس نابغۂ روزگار مجاہد کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ میں سجاد صاحب کے ساتھ ناراضگی کا یہ واقعہ ہرگز ذکر نہ کرتا لیکن میں نے سنا ہے کہ ناراضگی کے ایام کی بعض یادگاریں کچھ حضرات کے پاس محفوظ ہیں۔ انہیں حضرات کو صحیح صورتحال بتانے کے لئے میں نے یہ سچی داستان مختصر طور پر لکھ دی ہے۔ اس واقعے کے بعد سے لے کر تا دم شہادت ہم پہلے کی طرح جیل کی زندگی کاٹتے رہے۔ ناراضی کے اس مختصر سے عرصے کو کسی کی عزت یا بے عزتی کا معیار وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اپنی زندگی میں کسی سے ناراض نہ ہوئے ہوں یا انہیں سجاد

صاحب کے میرے ساتھ قلبی، روحانی اور ایمانی رشتے کا علم نہ ہو۔

باہمی صلح کے بعد ہم دونوں نے کئی خطوط اکٹھے بھی لکھے۔ جو سجاد صاحب کے دستخطوں کے ساتھ محفوظ ہیں۔ انہوں نے میرے نہ چاہنے کے باوجود تہاڑ جیل کے ابتدائی ایام میں بذریعہ خط (جب وہ جیل نمبر ۱ میں اور میں جیل نمبر ۲ میں تھا) مجھ سے باقاعدہ اصلاحی تعلق قائم کیا تھا۔ یہ چار ماہ کی ناراضی بھی اس اصلاحی مجاہدے کا ایک حصہ بنی اور اس سے انہیں دینی تعلق کی ایسی قدر و قیمت معلوم ہوئی کہ انہوں نے پھر کبھی اس تعلق سے دوری نہیں کی۔ وہ بہت بڑے آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ہم دونوں کو آخرت میں کامیابی اور سرفرازی کے ساتھ جمع فرمائے۔ میں ان کے ساتھ اپنے تعلق کو اپنے لئے ذخیرہ آخرت سمجھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے جنت میں ان کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔

بھارتی فوج کے نعرے

فوجی کانوائے جب کھندرو کیمپ میں داخل ہوا تو وہاں موجود سینکڑوں فوجیوں نے اس کا استقبال کیا۔ غالباً انہیں اپنے اس گشتی دستے کو حاصل ہونے والی بڑی کامیابی کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی۔ مقبوضہ کشمیر کے پہاڑی ضلع اسلام آباد (اننت ناگ) میں واقع یہ کیمپ کھندرو نامی علاقہ کے نام سے موسوم تھا اور ان دنوں اس میں راجپوت رجمنٹ کے سپاہی قیام پذیر تھے۔ مجھے گاڑی سے اتار کر ایک طرف منہ ڈھانپ کے بٹھا دیا گیا اور گشتی پارٹی کے انچارج کرنل نے کیمپ میں موجود فوجیوں سے مختصر خطاب کیا۔ جس میں اس نے اپنی تازہ کامیابی کا تذکرہ نہایت فخریہ لہجے میں کیا اور فوجیوں کو بتایا کہ چند دن پہلے ہماری رجمنٹ کے میجر بھوپندر سنگھ کے قاتل سجاد افغانی کو ہم نے گرفتار کر لیا ہے۔ یہ اعلان سنتے ہی تمام فوجی خوشی سے جے ہند کے نعرے لگانے لگے۔ ہندوؤں کے ہاں لفظ ''جے'' اردو میں لفظ ''زندہ باد'' کا ہم معنی ہے۔ کیمپ میں جس وقت میں یہ نعرے سن رہا تھا اس وقت مجھے اس نعرے کا مکمل معنی معلوم نہیں تھا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس لفظ کے معنی اور استعمال کے بارے میں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ جو میں نے تہاڑ جیل میں قید کے زمانے میں قلمبند کر لی تھیں۔ یہ مضمون بندہ کی زیر طبع

کتاب ''مسکراتے زخم'' کے مسودے میں موجود ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قید کے غمناک منظر کے بیان کے وقت قارئین کی ضیافت طبع کیلئے اس مضمون کو یہاں درج کردیا جائے تاکہ مسکراہٹ کی ایک جھلک غم کی شدت کو ہلکا کردے اور لفظ ''مسکراتے زخم'' کا مفہوم بھی قارئین کو کسی قدر سمجھ میں آجائے۔

''جے ہند''

گرفتاری کے بارہ دن بعد ہمیں بادامی باغ آر آر سینٹر سری نگر لایا گیا...... یہ انڈین آرمی کا مشہور...... تفتیشی مرکز اور...... عقوبت خانہ ہے...... ہم سے پہلے...... ڈیڑھ سو کے لگ بھگ...... کشمیری مجاہدین...... اور آٹھ...... پاکستانی مجاہدین...... یہاں موجود تھے...... تفتیشی مرکز میں...... قیدیوں کے رہنے کیلئے...... دو الگ عمارتیں ہیں...... ایک اوپر...... ایک نیچے...... دونوں میں...... پانچ کمرے ہیں...... اور آٹھ...... چھوٹے چھوٹے سیل...... ہم پاکستانی...... ان سیلوں میں...... اور کشمیری...... کمروں میں رکھے گئے...... حفاظتی عملہ...... جو راجپوت رجمنٹ کے...... فوجیوں پر مشتمل تھا...... ہر تین گھنٹے بعد...... پہرہ بدلتا تھا...... سینٹر کا انتظام...... سی ایم پی یعنی سینٹر ملٹری پولیس...... کے ہاتھ میں تھا...... جن کے سروں پر سرخ ٹوپیاں...... اور سکھ ہونے کی صورت میں...... سرخ پگڑی ہوتی ہے...... سی ایم پی کا ایک...... عجیب وغریب صوبیدار (جس کا تذکرہ پھر کبھی کریں گے) سینٹر کا انتظامی نگران...... اور فوج کا ایک کرنل...... سکیورٹی انچارج تھا...... یہ دونوں اکثر...... ہم سے باتیں کرکے...... اپنی شان بڑھاتے تھے...... ایک کمرہ...... ایم آئی روم کہلاتا تھا...... جہاں علی الصبح...... فوجی ڈاکٹر مریض قیدیوں کا...... معائنہ کرتا...... جبکہ باقی سارا دن...... یہاں قیدیوں پر...... سخت تشدد کیا جاتا تھا...... اس لیے...... سب قیدی...... ایم آئی روم کے نام سے...... گھبراتے تھے...... اور فوجی اور ملٹری پولیس کے جوان...... دھمکی دیتے وقت ایم آئی روم کا...... ذکر کرتے تھے...... دو کمرے تفتیش کیلئے...... خاص تھے...... یہاں فوج کی ایجنسیوں کے اہلکار...... اور دوسری ایجنسیاں...... سارا دن قیدیوں کی...... دھنائی کرتی تھیں...... اور کاغذات لکھے جاتے تھے...... یہ ایک مختصر سا سینٹر اپنے اندر...... ایک لمبی داستان...... اور تاریخ رکھتا ہے...... جو آج کی ڈائری میں لکھنا مقصود نہیں ہے...... آج تو صرف یہ بتانا ہے کہ...... ہندوستان میں...... جب فوج یا پولیس کا...... کوئی ادنیٰ...... اپنے اعلیٰ کے روبرو...... جاتا ہے تو...... اسے بطور ادب سلیوٹ کے ساتھ جے ہند کہتا ہے...... اسی طرح صدر مملکت جسے

یہاں ...... راشٹر پتی کہتے ہیں ...... اور وزیر اعظم ...... جو پردھان منتری کہلاتا ہے ...... جب تقریر کرتے ہیں تو ان کا آخری لفظ ہوتا ہے ...... جے ہند ......

لفظِ جے ...... ہندوستان میں ...... عظمت و رفعت کے معنی میں لیا جاتا ہے ...... بڑے لیڈروں کو خوش کرنے کیلئے ...... پاکستان کی طرح ...... زندہ باد کی بجائے ...... جے جے کے نعرے ہوتے ہیں ...... مثلاً اندرا گاندھی کی جے ...... نرسمہا راؤ کی جے ...... اس نعرے سے ...... مشرک خوشی سے پھولے نہیں سماتے ...... میں نے سنا ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ ...... جب مالٹا کی جیل سے رہا ہوئے ...... اور ہندوستان کا ...... دورہ فرمایا ...... تو ان کے استقبال کے جم غفیر میں موجود ہندو نعرے لگاتے تھے ...... شیخ الہند کی جے ...... جو حضرت شیخ الہند کو سخت ناگوار ...... گزرتا تھا ...... مگر موجودہ ہندوستان کے ...... مسلمان لیڈروں کو ...... یہ نعرہ ناگوار نہیں گزرتا ...... وہ بھی اپنے چمچوں سے ...... اپنی جے کراتے رہتے ہیں۔

بادامی باغ ...... انٹیروگیشن سینٹر میں ...... فوجیوں نے تشدد کر کے ...... قیدیوں کو مجبور کر رکھا تھا ...... کہ جب کبھی کوئی آفیسر ...... یا ادنیٰ سا سنتری ...... ان کے پاس آئے تو ...... وہ کھڑے ہو کر جے ہند کہیں بلکہ خالی ...... جے ہند ہی نہیں ...... جے ہند سر ...... کہا کریں ...... مجبور قیدی ...... آخر کر ہی کیا سکتے تھے ...... دن رات کے ...... مسلسل تشدد نے ان کے ...... ایک ایک جوڑ کو الگ کر رکھا تھا ...... اس لیے ان میں سے ...... اکثریت ...... اس حکم کو مانتی ...... مگر بہت دلچسپ طریقے سے ...... البتہ بعض سر پھرے ...... یہاں بھی ڈٹے رہے ...... ابتدائی چند دنوں کو چھوڑ کر ...... انہوں نے کبھی جے ہند نہیں کہا ...... پاکستانی ...... اس نافرمانی میں ...... پیش پیش تھے ...... مگر کشمیری مجاہدین ...... جن پر آفتوں کے پہاڑ ٹوٹتے تھے ...... مصلحت اور حکمت کے تحت ...... اس عمل کو ایک ...... خاص انداز میں ادا کرتے ...... جیسے ہی کوئی آفیسر ان کے کمرے میں داخل ہوتا ...... وہ سب اچھل کر ...... کھڑے ہوتے اور چیخ کر کہتے ...... جے ہند کھر ...... جے ہند تو دو چار کہتے جبکہ ...... کھر کی آواز سے پورا سینٹر گونج اٹھتا ...... کشمیری زبان میں بھی ...... فارسی کی طرح ...... گدھے کو ...... خر کہتے ہیں ...... جبکہ بیشتر کشمیری خ اور ف ...... ادا نہیں کر سکتے وہ ...... خون کو کھون ...... اور فاروق کو پھروق کہتے ہیں ...... چنانچہ وہ سر کی بجائے ...... اس آفیسر کو ...... خر یعنی گدھا ...... بولتے ...... اور نام و نمود کے بھوکے ...... مشرک کے چہرے پر خوشی و مسرت دوڑ جاتی ...... اور وہ مسکراتے ہوئے ...... سر ہلا ہلا کر ...... جے ہند جے ہند دو بار کہتا ...... اور سب کو

بیٹھنے کی اجازت دے دیتا...... جبکہ ہم اپنے سیلوں میں...... ہنس رہے ہوتے تھے...... اسی طرح جس کشمیری نے...... کسی سنتری کو بلانا ہوتا...... تو زور زور سے چلاتا...... کھر کھر...... وہ سنتری خوش ہو...... جاتا کہ مجھے یہ اگر وادی (دہشت گرد)...... سر کہہ رہے ہیں...... اسی دوران ایک افغانی...... جن کا تعلق پنج شیر سے تھا...... گرفتار ہو کر آئے...... وہ جب کسی آفیسر کو یا سنتری کو بلاتے تو زور سے کہتے...... سگ سگ...... سنتری دوڑتا ہوا آتا...... اسی طرح جب اس افغانی مجاہد سے...... کچھ پوچھا جاتا تو وہ...... جواب میں جی سگ...... جی سگ کہتا...... اور مشرک اس باادب افغانی سے...... بہت خوش ہوتے...... جو انہیں سگ...... یعنی کتا کہہ رہا ہوتا تھا۔

جے ہند...... کے کئی ایک دلچسپ واقعات...... اس سینٹر میں...... دیکھنے کو ملے...... ایک بیوقوف سا حوالدار جس کے مزاج سے...... سب قیدی واقف تھے...... جب آتا تو...... ہر طرف سے جے ہند خر...... جے ہند خر...... کی آوازیں شروع ہو جاتیں...... وہ جواب دے دے کر تھک جاتا...... پھر اسے کہا جاتا...... کھر آپ کہاں تھے...... آپ کے بغیر مزہ نہیں آتا...... یہ سن کر اس کی چال...... اور انداز تک بدل جاتا...... پھر سب قیدی...... اس سے اس طرح کام لیتے...... جس طرح زر خرید نوکر...... بھی نہیں کرتا...... کوئی اس سے سگریٹ لیتا...... کوئی ماچس...... کوئی اس سے سنتری کو ڈانٹ پلواتا تو...... کوئی دوسرے سیل میں جا کر...... اپنے کسی ساتھی سے مل لیتا...... (جو بظاہر ناممکن یا مشکل کام تھا) ایک دفعہ...... میں نے اسے کہا...... جناب آپ کے ہاتھ بڑے مضبوط لگ رہے ہیں...... لوہے سے بھی زیادہ...... میرا یہ کہنا اس پر کام کر گیا...... اس نے زور زور سے اپنے ہاتھ...... ہمارے سیل کی سلاخوں پر مارے...... جس سے اسے انشاء اللہ سخت تکلیف ہوئی ہوگی...... اس کے بعد وہ جب بھی آتا...... دونوں ہاتھوں سے...... سلاخوں کو مارتا...... اور ہم یہ کہہ کر...... اس کی ہمت بڑھاتے...... جناب آہستہ جناب آہستہ...... کہیں سلاخیں ٹوٹ نہ جائیں...... یہ سن کر اسے اور ولولہ آتا...... اس طرح ہم مجاہدین پر تشدد کا...... تھوڑا سا بدلہ چکا لیتے......

ایک دن میں نے اسے کہا...... جناب آپ خواہ مخواہ فوج میں لگ گئے...... فلموں میں کام کرتے تو...... انڈیا کے سب سے اچھے بلیک ہیرو...... بن جاتے...... اس دن کے بعد سے...... وہ زیادہ ٹھمکے مارتا تھا...... اور سب کو جمع کر کے کہتا...... ہاں بتاؤ...... کون سا ڈائیلاگ سننا ہے...... پھر تو اس کی نوازشات اور بڑھ گئیں...... یہ صرف اس کی حالت نہیں تھی انڈیا کا...... ہر

فوجی...... ہر پولیس والا......اور ہر مشرک اس صفت میں......ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے...... کتنے بڑے بڑے خطرناک مجاہدین زیادہ مار سے اس لیے بچ گئے...... کہ وہ آفیسر سے کہہ دیتے...... جناب آپ تو بہت ذہین لگ رہے ہیں......بس پھر آفیسر...... مار چھوڑ کر......اپنی تعریف میں لگ جاتا......اس طرح کے بے شمار واقعات......میرے ذہن میں محفوظ ہیں...... اگر آپ کو سناؤں تو آپ حیران رہ جائیں گے...... یہاں تک کہ ایک مرتبہ تہاڑ جیل کے......ایک حجام کو میں نے ......ازراہ مذاق کہہ دیا...... یار نظر بھی نہیں آتے......شاید بہت مصروف ہو...... بس یہ سنتے ہی وہ ...... استرا قینچی بھول گیا......اور اس نے اپنی مصروفیات اور اہمیت پر مفصل خطاب شروع کر دیا......ایسا لگ رہا تھا کہ...... پورے ہندوستان کو صرف یہی ......ایک شخص چلا رہا ہے...... ہماری خود ساختہ اصطلاح میں......اسے ''پمپ'' کرنا کہتے ہیں...... ہمارے ایک ساتھی اس میں بہت ماہر...... ہو چکے تھے...... جب بھی کسی ......آفیسر سے کام ہوتا......ہم انہیں آگے کر دیتے...... وہ کہتے...... جناب اگر سارے آفیسر آپ جیسے ہوتے......تو نقشہ ہی اور ہوتا......بس اتنی سی بات میں ......وہ ایسے قابو میں آ جاتا جس طرح بین کے سامنے......سانپ ......اور ایسے ناچتا جس طرح......ڈگڈگی کے سامنے بندر......

خیر چھوڑیئے...... یہ ایک لمبا موضوع ہے......بات چل رہی تھی جے ہند کی...... کشمیر کے ایک معروف ...... مجاہد نے مجھے واقعہ سنایا کہ...... ایک مرتبہ کشمیر اسمبلی میں ...... ایک دیندار مسلمان ......ممبر کو چھینک آئی......تو انہوں نے زور سے کہا......الحمدللہ......اس پر ایک ہندو پنڈت نے کہا...... یہ آپ نے کیا کہا ہے...... مسلمان نے جواب دیا...... چھینک آنے سے دماغ صاف ہو جاتا ہے...... میں نے اللہ کا شکر ادا کیا ہے...... پنڈت نے طنزاً کہا...... جب آپ کی ریح خارج ہوتی ہے......تب بھی پیٹ صاف ہوتا ہے......اس وقت بھی آپ الحمدللہ کہا کریں......مسلمان ممبر نے جواب دیا......نہیں اس وقت تو ہم کہتے ہیں...... ''جے ہند''

گرفتاری کے ابتدائی ایّام

فوجیوں کے اس فخریہ جلسے کے بعد ہم دونوں کو الگ الگ کر دیا گیا۔ میرے بارے میں چونکہ ابھی تک آرمی کو معلومات حاصل نہیں تھیں اس لیے ظہر کی نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ جمعہ کے دن گرفتاری کے بعد بحالت اسارت (یا غلامی) یہ میری پہلی نماز تھی جب کہ قید کی حالت میں آخری نماز ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ جمعۃ المبارک کے دن فجر کی نماز تھی۔ جو میں نے کوٹ بھوال جیل میں جموں کی بارک نمبر ۱۸ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ باجماعت ادا کی تھی اور اسی جمعہ کے دن ظہر کی نماز بندہ نے افغانستان میں بحالت آزادی ادا کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ عام طور پر جمعہ کے دن جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے لیکن بندہ مسافرت اور اسارت کی وجہ سے طویل عرصہ تک جمعہ کے دن ظہر کی نماز ادا کرتا رہا۔ مالک کی مرضی جس حال میں رکھے۔ بندے کو ہر حال میں راضی رہنا چاہئے۔

گرفتاری کے پہلے دن مغرب تک غیر یقینی اور بے چینی کی حالت برقرار رہی۔ مغرب کے بعد بندہ کو ایک کمرے میں لے جا کر چھت کے ساتھ تقریباً لٹکا دیا گیا اور بجلی کے کرنٹ سے اس مرحلے کا آغاز ہو گیا جو تقریباً ایک سال تک وقتاً فوقتاً جاری رہا۔ یہ شعبان کی انتیس اور فروری کی

گیارہ تاریخ تھی اور بندہ کو زندگی کا وہ تجربہ حاصل ہو رہا تھا جس کا تذکرہ کتابوں میں تو پڑھا تھا لیکن اپنے اوپر یہ سب کچھ بیتے گا، ایسا کبھی بھی نہیں سوچا تھا۔

وہ رات کسی نہ کسی طرح گزر گئی دشمن کو میرے متعلق یہ معلومات حاصل ہو چکی تھیں کہ میرا جہاد اور مجاہدین کے ساتھ تعلق ہے۔ اگلی صبح میں نے اندازے سے رمضان المبارک کے پہلے روزے کی نیت کر لی لیکن جب ہمیں اس کیمپ سے دوسری جگہ منتقل کرنے سے پہلے ایک ڈاکٹر کے پاس قانونی چیک اپ کے لئے لایا گیا تو وہ ڈاکٹر مسلمان تھا۔ اس نے خبر دی کہ رمضان المبارک کا چاند نظر نہیں آیا۔ اس لیے روزہ کل ہوگا۔ ہمارے پاس اس خبر کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہماری گرفتاری کا پہلا رمضان ابھی ایک دن کے فاصلے پر تھا اور ہم دونوں کو ایک ٹرک میں ڈال کر زنجیروں سے اچھی طرح باندھ کر ایک دوسرے کیمپ لے جایا جا رہا تھا۔ کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد ہم ایک بڑے فوجی کیمپ میں پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر ہمیں پھر ایک دوسرے سے الگ کر دیا گیا۔ ابتدائی تشدد کے بعد جو انڈیا کے ہر نئے کیمپ اور جیل کا لازمہ ہے ایک قدرے کشادہ کمرے میں مجھے بند کر دیا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ انڈیا کا مایہ ناز فوجی کیمپ ہے جو شریف آباد بڈگام میں واقع ہے۔ یہاں ہیلی کاپٹروں اور جنگی ہوائی جہازوں کے اڈے بھی ہیں اور کشمیر پر بھارتی تسلط کے لئے اس کیمپ کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی جیسی ہے۔ تحریک کشمیر میں گرفتار ہونے والے اہم مجاہدین کو اس کیمپ میں لایا جاتا رہا ہے۔ ان میں سے بعض مجاہدین کو اس کیمپ میں شہید کر دیا گیا جبکہ بعض اپنی آنکھوں اور دیگر اعضاء سے محروم کر دیئے گئے۔ اس کیمپ میں قید رکھنے کے دنوں میں اس بات کا فیصلہ بھی کیا جاتا تھا کہ اس مجاہد کو مار دیا جائے یا بین الاقوامی ذرائع ابلاغ کے سامنے پیش کر کے اس کی گرفتاری کا اعلان کر دیا جائے۔ انڈیا پر چونکہ پاکستان کو بین الاقوامی طور پر بدنام کرنے کا ایک جنون سوار ہے اور اس جنون کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ بعض بڑے نقصانات بھی برداشت کر جاتا ہے، چنانچہ اس کیمپ میں جتنے بھی پاکستانی مجاہدین کو لایا گیا انہیں چند دن کے تشدد اور تفتیش کے بعد ذرائع ابلاغ کے سامنے پیش کیا گیا تاکہ پاکستان کے خلاف مؤثر پروپیگنڈہ کیا جا سکے۔ ہمیں گیارہ دن تک اس کیمپ میں رکھا گیا، اس دوران کئی بڑے عجیب واقعات پیش آئے جن میں سے صرف دو واقعات کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے:

(۱) گرفتاری کے وقت بندہ کی جیب میں دیگر سامان کے علاوہ ایک چھوٹی سی پرچی بھی تھی

جس پر اردو میں دہلی کے اس مکان کا پتہ لکھا ہوا تھا جس میں کئی مجاہدین مقیم تھے۔ کھندرو کیمپ میں میری جیب کا سارا سامان نکال لیا گیا تھا چنانچہ بندہ اس بات پر بے حد پریشان تھا کہ اگر دشمنوں نے اس پرچی کو پڑھ لیا تو کئی مجاہدین گرفتار ہو جائیں گے۔ مجاہدین کی گرفتاری کا خیال بار بار دل کو تڑپاتا تھا اور بے حد صدمے میں مبتلا کرتا تھا۔ شریف آباد کیمپ کی پہلی رات جب انڈین آرمی کے ایک میجر نے بندہ کی تفتیش شروع کی تو اس نے ایک کپڑے کے رومال میں سے وہ سارا سامان جو میری جیب سے نکالا گیا تھا میز پر رکھ دیا میں نے دیکھا کہ پاسپورٹ، رقم، بورڈنگ کارڈ اور ٹکٹ کے ساتھ وہ چھوٹی سی پرچی بھی میز پر موجود ہے۔ دوران گفتگو وہ میجر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بے حد متاثر ہو گیا اور اس نے تفتیش میں کافی نرمی شروع کردی۔ آرمی کا ایک صوبیدار جو تفتیش کے دوران تشدد کے لئے مامور تھا کمرے سے باہر بھیج دیا گیا اور یوں اللہ تعالیٰ کی نصرت کا مشاہدہ کھلی آنکھوں سے ہونے لگا۔ تفتیش کے دوران اس نے میز پر رکھے ہوئے سامان میں سے ایک ایک چیز اٹھا کر اس کے بارے میں سوالات کیے۔ بندہ نے کافی حد تک درست جوابات دیئے جس سے وہ اور زیادہ متاثر ہو گیا۔ اسی اثناء میں اس نے وہ چھوٹی پرچی اٹھائی اور پوچھا یہ کیا ہے؟ سوال سنتے ہی بندہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ میں نے اپنی حالت پر قابو پا کر اسے کہا: مجھے یہ پرچی دکھائیں تاکہ اسے پہچان سکوں اس نے بلا توقف پرچی میرے حوالے کردی۔ میں نے کافی دیر تک پرچی کو دیکھنے کے بعد اسے اچھی طرح مروڑ دیا اور کہا یہ مجھے سمجھ میں نہیں آرہی یہ کہہ کر میں نے وہ پرچی نیچے پھینک دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس افسر پر ایسا رعب ڈالا کہ اس نے میری بات کی تردید نہیں کی البتہ زمین سے پرچی اٹھا کر واپس میز پر رکھ دی۔

اس واقعہ کے چھ سات دن بعد وہ آفیسر اپنے ایک بڑے افسر کے ساتھ غصے میں آگ بگولہ ہو کر میرے کمرے میں داخل ہوا اس وقت اس کے ہاتھ میں وہی پرچی تھی۔ اس نے آتے ہی غصے میں کہا: ہم نے تمہیں شریف آدمی سمجھا تھا لیکن تم بہت کھترناک (خطرناک) آدمی ہو۔ تم نے ہمیں اس پرچی کے بارے میں دھوکے میں رکھا، اب ہم تمہیں گولی مار کر دریا میں پھینک دیں گے۔ اس کے بعد ان دونوں نے ڈنڈوں، مکوں اور تھپڑوں سے خوب اپنے دل کی بھڑاس نکالی اور پھر گالیاں دیتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔ دراصل ہوا یہ کہ ابتدائی تفتیش کے چھ سات دن بعد کسی اردو جاننے والے انڈین اہلکار نے یہ پرچی پڑھ لی اور تفتیشی افسروں کو بتایا کہ

اس پرچی پر دہلی کے ایک مکان کا پتہ لکھا ہے۔ یہ بات معلوم ہوتے ہی دہلی میں اطلاع کی گئی اوراس مکان پر چھاپہ مارا گیا لیکن مجاہدین تو بہت پہلے اس مکان کو چھوڑ کر جا چکے تھے۔ چنانچہ انڈین گورنمنٹ کے ہاتھ کچھ بھی نہ لگا لیکن اگر خدانخواستہ گرفتاری کے فوراً بعد یہ پرچی پڑھ لی جاتی تو مجاہدین کو کافی نقصان ہوسکتا تھا کیونکہ ہماری گرفتاری کی خبر بہت دیر سے دہلی پہنچی تھی۔

(۲) اسی فوجی کیمپ میں گیارہ روزہ اسارت کے دوران وہ واقعہ بھی پیش آیا جس کا تذکرہ بندہ نے چند ہفتے قبل ضرب مومن کے لئے لکھے گئے ایک کالم میں کیا ہے۔ اس کالم کا عنوان ہے: ''مشرکوں سے آزادی کا راستہ'' لیجئے قندِ مکرر کے طور پر اسے ملاحظہ فرمایئے:

''مشرکوں سے آزادی کا راستہ''

وہ ناٹے قد، خشخشی داڑھی، سیاہ رنگت اور مکروہ خدوخال والا ایک فوجی میجر تھا، اس کی شکل اور سراپا اب تک میری نظروں کے سامنے ہے، وہ غالباً انڈین آرمی کے کسی خفیہ شعبے کا اہلکار تھا اس لیے ہمیشہ سول کپڑوں میں آیا کرتا تھا، بات بات پر غلیظ گالیاں بکنا، ہروقت تشدد کیلئے پرتولنا اور دوران گفتگو متکبرانہ پہلو بدلنا اس کی عادت بن چکی تھی۔ ابتداء میں خالی ہاتھ آتا تھا اور تشدد کیلئے لاٹھی وغیرہ بعد میں منگواتا تھا۔ لیکن پھر کرنٹ دینے والا ایک برقی آلہ ہمیشہ اس کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ پلاسٹک کے اس دوفٹ لمبے ڈنڈے کے ایک سرے پر لوہے کا دوشاخہ تھا، بٹن دبانے سے اس میں کرنٹ آجاتا تھا اور ہلکے ہلکے شعلے نکلتے تھے، اس آلے کے ذریعے وہ مجاہدین کو اذیت پہنچاتا تھا۔ گرفتاری کے بعد وہ مجھے کئی بار ملا اور ہر بار اس نے اپنی استطاعت کے مطابق خوب ستایا اور دل کھول کر اذیت پہنچائی۔ میں بھی اس کے لئے جھولی پھیلا کر بددعائیں کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے حضور اس موذی سانپ کے شر سے پناہ مانگتا تھا۔ گرفتاری کے بعد جب مجھے برادر محترم کمانڈر حافظ سجاد خان شہید رحمہ اللہ کے ہمراہ شریف آباد (بڈگام مقبوضہ کشمیر) کے ایک فوجی کیمپ میں منتقل کیا گیا تو وہاں تیسرے چوتھے دن اس ظالم اور بزدل آفیسر نے مجھ سے پوچھ تاچھ کی اور پہلے دن ہی گالیوں اور تشدد میں دوسرے آفیسروں سے سبقت لے گیا، اس تکلیف دہ ملاقات کے بعد ہفتے دو ہفتے میں اس کا ایک آدھ چکر لگتا تھا اور اس کا رویہ پہلے سے کہیں زیادہ سخت ہوتا تھا، اپنے برقی آلے اور لکڑی کے ڈنڈے سے تشدد کرتے ہوئے جب اس کے دل کا مشرکانہ بغض تشفی نہیں پاتا تھا تو وہ بے دریغ اپنے ہاتھوں کا استعمال شروع کردیتا تھا۔ بادامی باغ کے عقوبت خانے میں اس نے سجاد شہید رحمہ اللہ کو میرے سامنے اپنے خبیث اور

ناپاک ہاتھوں سے تھپڑ مارے تھے۔ہم دونوں پر اس ہتک آمیز آخری تشدد کے بعد وہ بادامی باغ کے بم دھماکے میں مارا گیا، اس کی لاش کے ٹکڑے بھی نہیں ملے اور یوں ہم نے ایک اصلی ہندو اور کالے سانپ سے نجات پائی۔

کاش! ہندوؤں کے اصلی اور مکروہ چہرے کو سمجھ لیا جائے اور اس غلامی پر فخر کرنے کی بجائے اس ناپاک، نجس، مردود، ظالم، دھوکے باز اور مکار و بزدل قوم سے آزادی حاصل کی جائے، ورنہ مشرکوں کی غلامی مسلمانوں سے بہت کچھ چھین چکی ہے اور جو کچھ باقی بچا ہے وہ بھی چھین لیا جائے گا۔گھٹ گھٹ کر زندہ رہنے کا حق اور محدود دینی کاموں کی اجازت مکہ کے مشرک بھی مسلمانوں کو دینے کیلئے تیار تھے اور ہر ظالم قوم جو ہم پر حکومت کرنا چاہے گی اتنا حق ضرور دے گی۔لیکن ایک مسلمان کیلئے یہ کافی نہیں ہے۔محض زندہ رہنا، وقتی امن پانا اور دین کی محدود خدمت کرنا ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ ان کے عوض مشرکوں کے اقتدار، ان کی حکومت اور حاکمیت کو تسلیم کر لیا جائے۔کاش! غلامی پر فخر کرنے والے اور اپنے محدود اور ظاہری امن پر ڈنکے بجانے والے مسلمان اس پر غور فرمائیں اور اپنی آئندہ نسل کو مشرکوں کی غلامی کا تحفہ دینے کی بجائے ان کے لئے آزادی کے راستے ڈھونڈیں۔

کالم کے آغاز میں جس مشرک فوجی افسر کا میں نے تذکرہ کیا ہے وہ ایک بار رات کے وقت میرے سیل میں آیا، گالم گلوچ، تشدد اور دھمکیوں کے بعد اس نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر مجھے دکھایا اور کہا کہ یہ پڑھ کر سناؤ میں نے پڑھنا شروع کیا وہ اردو رسم الخط میں ہندی اور اردو الفاظ میں ایک تحریر تھی جس میں مجاہدین کے خلاف اور انڈین فوج کے حق میں کافی باتیں لکھی ہوئی تھیں، اس تحریر میں میری طرف سے اس بات کا اقرار درج تھا کہ میں ہندوستان میں دہشت گردی کیلئے آیا تھا پھر میں نے یہاں کے کئی مدارس کا دورہ کیا اور وہاں جہاد کے موضوع پر تقریریں کیں پھر میں کشمیر آیا تو میں نے مجاہدین کو عوام پر ظلم کرتے ہوئے جبکہ انڈین فوج کو کشمیری عوام کے حق میں کام کرتے ہوئے دیکھا اور مجھے یہ دیکھ کر مجاہدین سے نفرت ہوگئی کہ انہوں نے کشمیری پنڈتوں کو وہاں سے نکال کر ان کے مکانات جلا دیئے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔میں نے اس فوجی افسر کے مکوں لاتوں اور گالیوں کے درمیان اٹک اٹک کر یہ جھوٹی عبارت پڑھی اس وقت تک مجھے ہِت، جنتا اور بھاشن جیسے ہندی الفاظ نہیں آتے تھے۔جب میں اس عبارت کو پڑھ چکا تو اس نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا یہ سب ٹھیک ہے یا ''گلت'' (غلط)؟ میں

نے کہا اس میں اکثر باتیں غلط ہیں، یہ سن کر وہ بہت غصے ہوا اور اس نے مجھے دیوار کے ساتھ گرا کر اپنا بوٹ میری داڑھی اور چہرے پر رکھ دیا وہ بوٹ سے میرے چہرے اور داڑھی کو روندر ہا تھا اور مجھ سے مسلسل یہ کہہ رہا تھا کہ یہ عبارت درست ہے یا غلط۔ تم نے کل کیمرے کے سامنے ہر حال میں اسے پڑھنا ہے۔ پھر وہ مجھے سوچنے کی مہلت دے کر چلا گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہ رات میری زندگی کی مشکل ترین رات تھی۔ میں سجدے میں گرا پڑا تھا اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے موت مانگ رہا تھا۔ میں نے اپنی دعاء میں رب تعالیٰ سے فریاد کی کہ یا اللہ مجھے معلوم ہے کہ موت کی دعاء مانگنا درست نہیں ہے لیکن میں اس وقت حالت اضطرار میں ہوں اور مجھ سے زبردستی جہاد اور مجاہدین کے خلاف بیان لیا جا رہا ہے۔ حالانکہ میری زندگی کا ایک خاطر خواہ حصہ جہاد اور مجاہدین کے حق میں بیانات کرتے ہوئے گزرا ہے۔ میں سجدے میں اللہ تعالیٰ کے حضور رو رہا تھا اور دعاء کے دوران مجھے بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شاید میری موت کا وقت آ چکا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ موت سے انسان کو طبعی گھبراہٹ ہوتی ہے لیکن اس رات مجھے یہ سوچ کر کہ موت آ رہی ہے سکون مل رہا تھا اور میں احساس لذت سے آنکھیں بند کر لیتا تھا۔ وہ تکلیف دہ رات گزر گئی۔ صبح کیمرے لائے گئے، لائٹیں لگائی گئیں اور مجھ سے یہ بیان پڑھوانے کی ہر کوشش کی گئی۔ ایک انسان کب تک تشدد سہہ سکتا ہے؟ گوشت سن ہو جاتا ہے اور ہڈیاں جواب دے دیتی ہیں۔ پھر بے بسی، غلامی اور مسلسل تشدد، حقارت، گالیاں انسان کے حوصلے توڑ دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ وہی انسان جانتا ہے جس نے یہ سارے مناظر خود دیکھے ہوں۔ لیکن ان دردناک اور مایوس کن حالات میں اللہ تعالیٰ نے مجھ کمزور ناتواں کی نصرت فرمائی اور عبارت میں لکھے ہوئے ہندی الفاظ اس خوفناک سازش کو توڑنے کا ظاہری ذریعہ بن گئے۔

تھوڑا سا سوچئے! اگر خدانخواستہ ٹیلی ویژن اور انٹرنیشنل میڈیا پر یہ بیان میری طرف سے آ جاتا تو کس قدر نقصان ہوتا۔ بہت سارے مسلمان یہ کہتے کہ میں (خدانخواستہ) مشرکوں کے ہاتھوں بک گیا ہوں جی ہاں! وہ ظالم لوگ جو جیل میں جہاد کے موضوع پر میری طرف سے لکھی گئی کتابوں پر شک کی انگلی اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ ان کتابوں اور مضامین نے اللہ تعالیٰ کی نصرت سے جہاد اور مجاہدین کو فائدہ پہنچایا ہے اور انڈیا کے بے شمار دشمن پیدا کیے ہیں۔ یہ کتابیں اور مضامین جب بہت سارے لوگوں کی نگاہوں میں کھٹک رہیں ہیں تو اگر مذکورہ بالا بیان آ جاتا تو معلوم نہیں وہ میری کیا درگت بناتے؟ اسی طرح بعض لوگ اس بیان کو آڑ بنا کر جہاد کشمیر کے شرعی ہونے پر

انگلی اٹھاتے اور کہتے کہ اب تو فلاں مولانا کا فتویٰ آ گیا ہے کہ مجاہدین کشمیر میں عوام کے خلاف کام کررہے ہیں۔ جبکہ انڈین فوج مسلمانوں کو فائدہ پہنچارہی ہے۔ گالیوں، ڈنڈوں اور بے پناہ تشدد کے دوران لیا جانے والا یہ بیان شرعی فتویٰ سمجھا جاتا۔ وہ لوگ جنہوں نے جہاد نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے اسے بطور حجت استعمال فرماتے۔ حالانکہ میں تو قیدی تھا جب کہ انڈیا کے ظالم حکمرانوں نے وہاں کے مقامی مسلمانوں پر ایسی دہشت قائم کر رکھی ہے کہ وہ بے چارے جہاد کا نام نہیں لے سکتے، طالبان کی حمایت نہیں کر سکتے، جہادی لٹریچر کا مطالعہ نہیں کر سکتے اور مسلمانوں کی بہت ساری تحریکوں کی حمایت نہیں کر سکتے۔ انڈیا میں ہندوؤں کی دہشت گردی کا یہ عالم ہے کہ بات بات پر مسلمانوں کو شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور جو بھی تھوڑی بہت جرأت کا مظاہرہ کرے اسے گرفتار کرکے تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ ان حالات میں ہندوستان کے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے، ایک صورت تو یہ ہے کہ جیل کے قیدیوں کی طرح روٹی، ظاہری امن، نام نہاد عافیت اور اذان و نماز اور تعلیم و تعلم کی اجازت کو کافی سمجھ کر ہندوؤں کی غلامی کو قبول کرلیا جائے۔ وحید الدین خان کی طرح اس غلامی کو باعث عزوافتخار سمجھا جائے اور مشرکوں کو کافر کہنے تک سے دستبرداری کا اعلان کردیا جائے۔ جہاد کے نام کو اپنی زندگیوں سے نکال کر نزاکت اور بزدلی کو سعادت سمجھا جائے اور قرآن مجید کی آیات جہاد کو پرانے زمانے کے احکام قرار دے کر اس زمانے کے مجاہدین کو گالیاں دی جائیں، مشرکوں سے اپنی اسلامی کتابوں پر تحسین کے ایوارڈ لیے جائیں۔ لفظی بحثوں کو فروغ دیا جائے، اسلام کی عظمت اور سربلندی کا یہ معنی بنا لیا جائے کہ بعض مسلمانوں کو مشرکین کے ہاں تھوڑی بہت عزت اور مقام مل جائے۔ اسلام کے اہم ترین فریضے جہاد کے معنی و مفہوم کو بدل دیا جائے اور اپنے بچوں کو خرگوشوں کی طرح بزدل اور نازک اندام بنایا جائے، اور ایک ایسا نیا اسلام متعارف کرایا جائے جو مشرکوں کی غلامی کو اپنے لیے عظیم نعمت سمجھتا ہو۔

یہ وہ صورت ہے جو قوم کی بربادی اور تباہی پر منتج ہوگی اور اللہ معاف کرے ہندوستان کے اکثر مسلمان اس صورت کو تیزی سے اختیار کرتے جارہے ہیں اور انہوں نے غلامی کو اپنا مقدر سمجھ کر اپنے قلوب کو مطمئن کرلیا ہے اور اب ان میں سے آزادی کی امنگ تک ختم ہو چکی ہے۔ حالانکہ یہ وہ خطرناک مرحلہ ہے جو انسان کے ایمان کو برباد کردیتا ہے۔ مسلمان دنیا میں محض زندہ رہنے کیلئے نہیں آیا، زندگی تو ایک امتحان اور آزمائش ہے اسے اصل نعمت سمجھ لینا اور اس کی خاطر

ایمان کے سودے کرنا بہت بڑی بد قسمتی ہے۔اسی طرح عافیت کے مفہوم کو بھی غلط سمجھا گیا ہے۔ اگر عافیت کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں کوئی کچھ نہ کہے اور ہم دین کی خاطر کوئی کام نہ کریں اور کوئی تکلیف نہ اٹھائیں تو پھر یہ عافیت تو حضور اکرم صلی اللہ علہ وسلم کو ایک دن بھی نصیب نہیں ہوئی حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ہمیں عافیت کی دعا سکھائی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقیقی عافیت پائی ہے، لیکن آج عافیت کا مفہوم بدل دیا گیا ہے اور بزدلانہ مفاد پرست زندگی کا نام عافیت رکھ دیا گیا ہے۔حالانکہ اس طرح کی گندی عافیت سے مسلمانوں کو پناہ مانگنی چاہیئے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے دوسری صورت یہ ہے کہ وہ زندگی موت روزی اور امن کے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں اور اس بات کی فکر کریں کہ وہ ایک بدترین غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں اور اس غلامی نے ان کے دین وایمان کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور وہ اس کی وجہ سے پورے دین پر عمل نہیں کر پارہے اور ان کی آئندہ نسل کا ایمان اور مستقبل شدید خطرے میں ہے، اس بنیادی فکر کے پیدا ہونے کے بعد آزادی کے راستے انشاء اللہ خود بخود نکلتے چلے جائیں گے۔ کیونکہ آزادی کے راستے اقلیدس کے اعداد وشمار کی طرح نہیں ہوتے بلکہ یہ راستے ہمیشہ فرعون کے خوفناک لشکروں اور سمندر کی بپھری ہوئی طغیانی کے درمیان سے نکلتے ہیں۔ قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کو بار بار بیان فرمایا ہے۔ کاش! وہ لوگ جو ظاہری اسباب کے تحت آزادی کو ناممکن بتاتے رہتے ہیں، اس قصے پر غور فرمائیں تو انہیں فرعون ڈوبتا ہوا اور قوم آزاد ہوتی ہوئی نظر آئے گی اور اس آزادی کی خاطر اگر کچھ لوگوں کو جان دینی پڑی تو کیا حرج ہے؟ جان ہی جائے گی جس نے بالآخر جانا ہی ہے اور جانا بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مگر آزادی کی اس تحریک کی خاطر بہت سارے بنیادی اقدامات کرنے ہوں گے اور بہت ساری احتیاطوں کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ آج الحمدللہ کشمیر کے مسلمانوں نے انڈیا سے آزادی کی تحریک شروع کردی ہے اور یہ تحریک اس قابل ہے کہ اس سے آزادی کا راستہ معلوم کیا جائے اور اس تحریک کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور انڈیا کے طاقتور سامراج سے ٹکراتے ہوئے شہید ہونے والوں کو خراج عقیدت پیش کیا جائے۔

بادامی باغ سری نگر کا عقوبت خانہ

گیارہ دن کی پوچھ تاچھ کے بعد ایک روز میڈیکل چیک اپ کے لئے ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا۔ وہاں کافی ہجوم تھا کئی فوجی انتظار کی قطار میں لگے بیٹھے تھے۔ مجھے بھی ہتھکڑی لگا کر ان کے قریب بٹھا دیا گیا۔ یوپی کا ایک فوجی میرے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ (وہ فطری طور پر گپ باز لگتا تھا) میرے ساتھ تحریک کشمیر کے موضوع پر گپیّں ہانکنے لگا مجھے اس کی ناقص معلومات اور ان معلومات پر اس کے یقین کو دیکھ کر حیرانی ہورہی تھی۔ اس دن مجھے پہلی بار یہ اندازہ ہوا کہ انڈیا حکومت غیروں کے ساتھ ساتھ اپنوں سے بھی جھوٹ بولتی ہے۔ بعد میں جوں جوں تجربہ بڑھتا گیا میرا یہ اندازہ یقین میں بدل گیا کہ واقعی انڈیا نے صرف کشمیریوں کو ہی نہیں بلکہ اپنے فوجیوں کو بھی دھوکے میں رکھا ہوا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جھوٹ ہی ہندومت کی بنیاد ہے اور اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کے عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اللہ معاف کرے ہندوں کے ہر وقت جھوٹ بولنے کی عادت کا اثر ہندوستان کے مسلمانوں پر بھی پڑنا شروع ہوگیا ہے۔ ہم جب کشمیر یا انڈیا کی جیلوں میں مسلمانوں کو جھوٹ بولتے دیکھتے تو ہمیں اس بات کا سخت صدمہ پہنچتا کہ سچ بولنا تو مسلمان کی شناخت ہے اور اب کافروں کی غلامی کی وجہ سے یہ شناخت بھی چھنتی جارہی

ہے۔ ہندوستان کے دیندار مسلمان کو اس خبیث بیماری یعنی جھوٹ کے خلاف بھرپور جدوجہد کرنی چاہئے اور اپنی قوم کو بے اعتبار بننے سے بچانا چاہئے۔ وہ ہندو فوجی روانی کے ساتھ گپیں ہانک رہا تھا اور میں بے بسی کے ساتھ سن رہا تھا کہ اچانک ایک چھوٹا افسر بھاگ کر میرے پاس آیا اور غصے سے جھڑک کر مجھے خاموش ہونے کیلئے کہا۔ وہ بڑے عجیب دن تھے تشدد، مار کٹائی اور جھڑکیاں ہر وقت برستی رہتی تھیں۔ میں نے اس فوجی کے ساتھ ایک بات بھی نہیں کی تھی میں تو خاموشی اور بے بسی کے ساتھ مجبوراً اس کی باتیں سن رہا تھا۔ لیکن انڈین آفیسر نے اپنے فوجی کو سمجھانے کی بجائے مجھ پر اپنی بھڑاس نکالی اور وہاں سے دفع ہو گیا۔ اس کی جھڑکی کا اثر گپ باز فوجی پر بھی ہوا اور وہ میرے پاس سے اٹھ کر دوسری جگہ چلا گیا تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں خاموشی رہی لیکن چند منٹ بعد مجھے اپنے پیچھے گالیوں کی آواز آنے لگی، میں نے تھوڑا سا مڑ کر دیکھا تو ایک زخمی سکھ فوجی مجھے پنجابی زبان میں تابڑ توڑ گالیاں دے رہا تھا اور باقی فوجی کھیں کھیں کر کے ہنس رہے تھے۔ فحش گالیوں کے اس ماحول میں میرے لئے ایک گھڑی بیٹھنا مشکل تھا لیکن میں مجبور تھا اور سوائے ذکر اللہ کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں اپنی توجہ اس سے ہٹا کر ذکر میں مشغول ہو گیا۔ انڈین فوج میں سکھوں کی بڑی تعداد کو بھرتی کیا گیا ہے۔ ۵۰۵۵ نام کی ایک قابل فخر انڈین رجمنٹ پوری کی پوری سکھوں پر مشتمل ہے۔ اسی طرح ڈوگرہ رجمنٹ میں بھی سکھوں کی کافی تعداد کام کرتی ہے کیونکہ پنجاب کے بعد سکھوں کی بڑی آبادی جموں میں ہے اور جموں پر طویل عرصہ سے ڈوگروں کا راج ہے۔ ۱۹۸۰ء میں بعض غیرتمند سکھوں نے انڈیا کے برہمنی سامراج کے خلاف مسلح تحریک کا آغاز کیا یہ تحریک کامیابی کے قریب تھی کہ خود سکھوں میں سے غلامانہ ذہنیت رکھنے والے بعض افراد نے اس تحریک کا گلا دبا دیا۔ یہ تحریک اب بھی اندر ہی اندر سلگ رہی ہے۔ اگرچہ اس کے شعلے اب ماند پڑ چکے ہیں سکھ قوم میں غداری، بے وفائی اور طوطا چشمی بہت زیادہ ہے۔

سکھ مذہب کی بنیاد چونکہ نفاق پر ہے اس لیے اس کے ماننے والے اپنا روپ بدلنے میں دیر نہیں کرتے۔ ۱۹۴۷ء میں ان لوگوں نے ہندوؤں کے اشارے پر مسلمانوں کے خلاف قابل نفرت کارروائیاں کیں اور مسلمانوں کے دلوں پر نہ مٹنے والے زخم چھوڑے۔ لیکن ۱۹۸۰ء میں انہیں پہلی بار اندازہ ہوا کہ وہ تو برہمنی سامراج کے ہاتھوں کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے انڈیا میں بربریت کے خلاف تحریک شروع کی تب انہیں سب سے زیادہ مدد اور حمایت

مسلمانوں ہی کی طرف سے ملی اور آئندہ جب بھی سکھوں نے عقلمندی کا ثبوت دے کر انڈیا سے آزادی کی بات کی تو مسلمان ضرور ان کی حمایت کریں گے، کیونکہ برہمنی سامراج کا طاقتور رہنا کسی بھی انسان یا جانور کے مفاد میں نہیں ہے۔ انڈیا کی فوج میں موجود سکھ فوجی دو طرح کے ہیں ایک تو وہ جو اپنے دس ہزار سے زائد جوانوں کی لاشیں اٹھا کر انڈیا کے اصلی چہرے کو پہچان چکے ہیں اور وہ ماضی میں مسلمانوں پر کیے ہوئے مظالم پر بے حد نادم اور شرمندہ ہیں۔ یہ فوجی تحریک کشمیر میں برسر پیکار مسلمان مجاہدین کی اندرون خانہ مدد کرتے ہیں اور کسی بھی تعاون سے دریغ نہیں کرتے۔ مجھے اپنے چھ سالہ زمانہ اسارت میں اس طرح کے کئی سکھوں سے واسطہ پڑا جنہوں نے اپنے جذبات کے اظہار کے علاوہ بعض مقامات پر تعاون بھی کیا۔ لیکن انڈین فوج میں موجود سکھوں کا دوسرا طبقہ مسلمانوں کا خطرناک دشمن ہے۔ یہ غلیظ صفت شرابی اور بدکار سکھ ہیں جو اپنی قوم کی آزادی کو ہندوؤں کے ہاتھوں بیچ کر بے غیرتی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ گالیاں دینے والا یہ سکھ اسی طبقے کا نمائندہ لگتا تھا اس لیے وہ اپنے اندر کا بغض گالیوں کے ذریعے نکال رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد مجھے ڈاکٹر کے سامنے پیش کیا گیا پہلی نظر میں وہ فوجی ڈاکٹر ایک خوش شکل مہذب شخص نظر آیا لیکن جب اس نے زبان کھولی تو اس کے منہ سے بھی گالیوں کی غلاظت خارج ہونے لگی۔ اس نے چیک اپ تو سرسری سا کیا البتہ جہاد کے خلاف ایک گالیوں بھری جوشیلی تقریر کر ڈالی۔ تفتیش اور تشدد کے بعد میڈیکل چیک اپ کے بین الاقوامی قانون کے تحت کبھی کبھار اس طرح کے ڈاکٹروں سے واسطہ پڑتا تھا اور یہ لوگ ہماری بے بسی کا فائدہ اٹھا کر جو منہ میں آتا بک لیا کرتے تھے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ان کی تقریر کے دوران قیدی کے جسم سے کپڑے اتار لیے جاتے اور کچھ فوجی ہاتھوں میں ڈنڈے لے کر کھڑے رہتے تاکہ قیدی کسی طرح کا تلخ جواب نہ دے سکے۔ گرفتاری کے ان ابتدائی مراحل کے بعد جیلوں میں انڈیا کے کئی سورما آفیسر اور ڈاکٹر جب مجاہدین سے بحث کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے چاروں شانے چت گرتے تھے اور ان کی خطابت اور معلومات کا فخر خاک میں مل جاتا تھا۔ لیکن گرفتاری کے ابتدائی ایام میں وہ ڈنڈے کے زور پر اپنی تقریر سنا لیتے تھے۔

میڈیکل چیک اپ کے بعد ہمیں ایک گاڑی میں زنجیروں سے باندھ کر بٹھا دیا گیا اس دن شدید برفانی بارش ہوئی تھی اس لیے زمین پر کئی فٹ برف کی تہیں جم چکی تھیں۔ گاڑیوں کے ٹائروں پر زنجیریں باندھی گئی تھیں تاکہ برف کی پھسلن سے بچا جا سکے، اس شدید سردی کے موسم

میں ہمیں ایک بڑے فوجی کانوائے کے ساتھ سری نگر لایا گیا۔ جہاں بادامی باغ ہیڈ کوارٹر کے چنار کلب میں ہم دونوں کو صحافیوں کے سامنے پیش کر کے ہماری باقاعدہ گرفتاری کا اعلان کیا گیا۔ صحافیوں کی اس پریس کانفرنس میں فوجیوں نے جھوٹ کے اگلے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔ وہ صحافیوں کے ہر سوال کے جواب میں نہایت ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ پر جھوٹ اگل رہے تھے اور صحافی بڑی توجہ سے لکھ رہے تھے اور کیمرے کے پیٹ میں یہ جھوٹ بھری مجلس محفوظ کر رہے تھے۔ اس نمائش کے بعد ہمیں بادامی باغ کے عقوبت خانے میں لایا گیا۔ جہاں میڈیکل روم میں ابتدائی مگر خوفناک تشدد کے بعد الگ الگ سیلوں میں ڈال دیا گیا۔ ان سیلوں میں پہنچنے کے بعد ہمارے لیے سب سے بڑی خوشی کی بات یہ سامنے آئی کہ یہاں پر ہم سے پہلے نو پاکستانی مجاہدین موجود تھے جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ جناب کمانڈر نصر اللہ منصور لنگڑیال
۲۔ بھائی سلطان احمد میانا
۳۔ بھائی محمد سعید
۴۔ بھائی سیف اللہ خالد
۵۔ بھائی رضاء اللہ اعوان
۶۔ بھائی قدرت اللہ
۷۔ بھائی ضرار بلوچ
۸۔ بھائی ناصر اکرام
۹۔ بھائی غلام حیدر

ان ساتھیوں کا قید ہونا ایک افسوس ناک بات تھی لیکن اس تنگ عقوبت خانے میں باہم جمع ہونا ایک ایسی خوشی تھی جو تنہائی اور غم کی شدت کو ہلکا کرتی تھی۔ ابتداء میں ہمارے آپس میں ملنے پر پابندی تھی لیکن پھر سب ساتھیوں نے جرأت و ہمت کے ساتھ ماحول کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ چند دنوں کے بعد بھائی نصیح اللہ پنجشیری نام کے ایک قیدی کو بھی ہمارے ساتھ بند کیا گیا اور یوں ہماری تعداد بارہ ہوگئی۔ اس عقوبت خانے میں سات ماہ کے دوران بہت سارے واقعات پیش آئے۔ ان واقعات پر نظر ڈالنے سے پہلے آیئے اس عقوبت خانے کی ساخت پر ایک تحقیقی نظر ڈالتے ہیں۔ جیل میں قید بندہ کے ایک مخلص ساتھی نے چند ماہ قبل اس عقوبت خانے کا ایک نقشہ

اور تفصیلات کسی ذریعے سے بھجوادیں اب چونکہ وہاں پر آفاق شہید کے بم دھماکے کے بعد بہت کچھ بدل چکا ہے اس لیے ان باتوں کے افشاء میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا۔ لیجئے! راہ خدا کے ایک اسیر کے قلم سے انڈیا کے ایک عقوبت خانے کی تفصیلات پڑھیے:
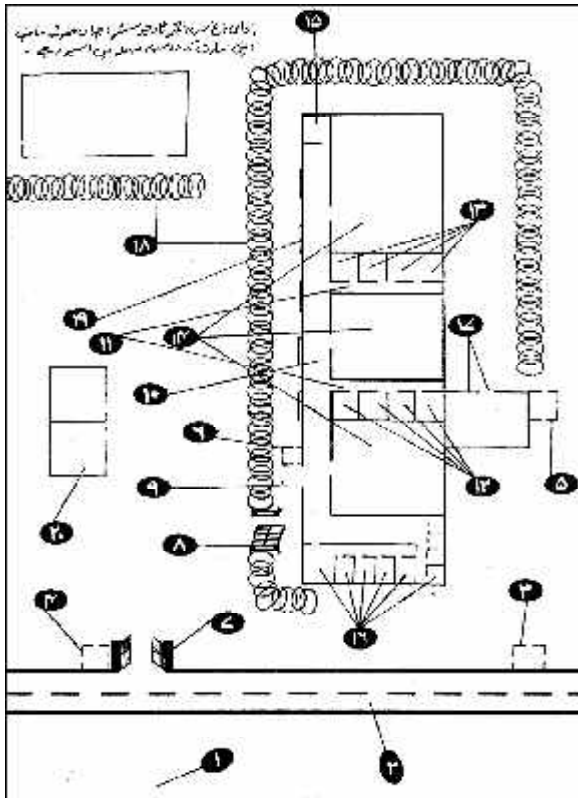
''بادامی باغ کا عقوبت خانہ''

از قلم: ابوحیدر میانا

امیر المجاہدین حضرت مولانا محمد مسعود ازہر صاحب دامت برکاتہم ہندوستان کی قید سے نجات پا کر خیر و عافیت سے وطن عزیز پہنچ چکے ہیں۔ اسلاف کے روشن نقش قدم پر محو سفر حضرت صاحب کا زمانہ اسارت دلچسپ واقعات سے عبارت ہے۔ جیلوں میں آپ کے قیام کا انداز ہی

نرالا تھا۔ ایام اسیری میں جہاں آپ نے اپنے رفقاء جیل کی تعلیم وتربیت اور اصلاح باطن پر اپنی خاص توجہات مرکوز رکھیں وہیں آپ تحریر وتقریر کے ذریعے پوری دنیا کے مسلمانوں کی بیداری کا فریضہ بھی سرانجام دیتے رہے۔ تحریر وترسیل پر تمام تر پابندیوں کے باوجود آپ نے جیل سے امت مسلمہ کو کم از کم چار جہادی کتابوں اور سینکڑوں مضامین کا تحفہ دیا، جب کہ جیل سے ایک ایک صفحہ باہر بھیجنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ جیل کے اندر دشمن انتظامیہ کے ساتھ کسی قسم کی مصلحت کے روادار نہ تھے۔ جیل میں دشمن انتظامیہ سے ویسے ہی معاملہ فرماتے رہے جیسے جیل میں نہ ہوں بلکہ میدان کارزار میں برسر پیکار ہوں۔ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ بھارت نے حضرت صاحب کو قید کر کے خسارہ ہی خسارہ پایا۔ فروری ۱۹۹۴ء میں ہندوستانی مقبوضہ کشمیر کے اسلام آباد علاقہ سے حضرت صاحب اور مولانا سجاد خان شہید رحمہ اللہ کو گرفتار کیا گیا تھا۔ اس کے بعد کئی دن آپ کو آرمی کیمپ میں رکھا گیا جہاں پوچھ تاچھ کے نام پر بہیمانہ مظالم کا بازار گرم رکھا گیا اس کے بعد آپ کو سری نگر میں ملٹری کے بدنام زمانہ ٹارچر سینٹر بادامی باغ یا بی بی کیمپ لایا گیا۔ فروری سے ستمبر ۱۹۹۴ء تک آپ اسی ٹارچر سینٹر میں قید رہے۔ اس کے بعد آپ کو ایک ایسی جیل میں لایا گیا جو مجاہدین کشمیر کو قید رکھنے کیلئے خاص طور پر تعمیر کی گئی تھے اور اس سے پہلے کہ اس ہائی سکیورٹی جیل کا مفصل تذکرہ ہو چند لکیروں کی مدد سے آرمی کے بادامی باغ ٹارچر سینٹر کی سیر کرتے ہیں اور یہ جاننے کے ساتھ ساتھ حضرت صاحب کو اس سینٹر میں کہاں قید رکھا گیا تھا یہ بھی معلوم کرتے ہیں کہ اس ٹارچر سینٹر میں کیا ہوتا تھا۔ سری نگر میں بادامی باغ کیمپ کے نام سے ہندوستان قابض فوج کی بہت بڑی چھاؤنی ہے۔ اسی چھاؤنی میں لب سڑک فوجی گاڑیوں کے لئے کانوائے گراؤنڈ ہے۔

۱۔ اسی وسیع وعریض کانوائے گراؤنڈ کی نشاندہی کر رہا ہے۔ اس کانوائے گراؤنڈ کے ایک حصے کے بالمقابل سڑک کے پار بادامی باغ ٹارچر سینٹر واقع ہے۔

۲۔ یہ سڑک ہے جو کانوائے گراؤنڈ اور بادامی باغ ٹارچر سینٹر کے درمیان حائل ہے۔ اس سڑک پر سول وملٹری ٹریفک سارا دن چلتا رہتا ہے۔

۳۔ لب سڑک آرمی کا مورچہ ہے جس میں مسلح فوجی دن رات موجود ہوتے ہیں، اس مورچہ کے عقب چٹانیں ہیں۔

۴۔ یہ بھی مورچہ ہے اس میں بھی مسلح فوجی ہروقت موجود رہتے ہیں۔

۵۔ یہ بھی مورچہ ہے اس مورچہ میں مسلح فوجی ہر وقت موجود ہوتے ہیں اور یہ مورچہ قید خانہ کے عقب کی نگرانی کرتا ہے یہ مورچہ میڈیکل روم سے متصل ہے۔

۶۔ یہ بھی مورچہ ہے جو کہ قید خانہ میں داخلے کے واحد دروازے کے بالکل ساتھ ہے، یہاں بھی مسلح پہریدار ہروقت موجود رہتے ہیں۔

۷۔ یہ پھاٹک ہے جو ٹارچر سینٹر کے احاطے میں کھلتا ہے اسی سے گزر کر فوجی گاڑیاں ٹارچر سینٹر میں آ سکتی ہیں۔

۸۔ ایک اور پھاٹک جو خاردار باڑ کے درمیان لگایا گیا ہے اور خاص قید خانے کی طرف جانے والوں کے کام آتا ہے۔

۹۔ قید خانہ کی بلڈنگ میں داخل ہونے کا واحد دروازہ۔

۱۰۔ قید خانہ کے تنہا دروازہ سے گزرنے کے بعد بلڈنگ کی گیلری یا برآمدہ۔ اس گیلری کی بیرونی دیوار میں روشنی یا ہوا کے لئے کھڑکیاں لگی ہوئی ہیں جن میں سے ایک کی نشاندہی نمبر ۱۹ سے کی گئی ہے۔ یہ گیلری قیدیوں کے بیت الخلاء اور غسل خانے میں جانے کے لئے راہداری کا کام دیتی ہے اسی گیلری میں تین فوجی ہر وقت تعینات رہتے اور قیدیوں کی نگرانی کرتے ہیں۔

۱۱۔ بڑی گیلری میں کھلنے والے دو تنگ و تاریک راستے جو اس قید خانہ میں بنائے گئے سیلوں میں جانے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ انہیں دو راستوں میں سے ایک میں بیٹھ کر حضرت صاحب اپنے رفقاء کو درس قرآن دیتے رہے۔

۱۲۔ قید خانہ میں بنائے گئے تنگ و تاریک سیلوں میں سے چار سیل۔ انہیں سیلوں میں سے ایک سیل میں حضرت صاحب کو قید رکھا گیا اور حضرت صاحب کے سیل سے متصل ہی دوسرے سیل میں سجاد شہید بند تھے جو اکثر تلاوت کلام اللہ میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت صاحب جس سیل میں مقیم تھے اسے سبز رنگ سے نمایاں کیا گیا ہے۔ ان سیلوں میں سے ہر ایک کی لمبائی چھ فٹ ہے اور چھ فٹ ہی چوڑائی ہے۔ ٹارچر سینٹر کی بلڈنگ کی چھت کے علاوہ ایک دوسری چھت ان سیلوں پر بنائی گئی ہے جو آہنی سلاخوں کی بنی ہوئی ہے۔

۱۳۔ چار سیلوں کی دوسری قطار۔ ان کل آٹھ سیلوں میں حضرت کے رفقاء جیل کو رکھا گیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ سب سیل مہمان مجاہدین کے لئے مخصوص تھے ان سیلوں میں روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔

۱۴۔قید خانے کے تین بڑے لاک اپ۔ان میں مقامی مجاہدین کو قید رکھا گیا تھا۔

۱۵۔آرمی کے زیر کنٹرول بادامی باغ ٹارچر سینٹر کا اکلوتا غسل خانہ۔یہ غسل خانہ تقریباً ایک سو مجاہدین کے نہانے، کپڑے دھونے، برتن دھونے اور پانچ وقت وضو کرنے کیلئے بنایا گیا تھا اور جبکہ مقامی مجاہدین کو مہمان مجاہدین سے الگ بند رکھا جاتا تھا اور ہر قسم کی ملاقات پر پابندی عائد تھی۔یہ غسل خانہ میٹنگ روم کے کام آتا تھا اور یہیں آپس میں اہم مشورے بھی ہوتے تھے۔

۱۶۔قید خانہ میں بنے کئی بیت الخلاء ان کے سامنے بنی راہداری بھی ملاقات گاہ کا کام دیتی ہے۔یہ بیت الخلاء صرف اسی ٹارچر سینٹر کی چھت کے نیچے واقع تھے بلکہ سیلوں کی اس قطار کے بالکل قریب واقع تھے جس میں حضرت صاحب کو قید رکھا گیا تھا اس کے باوجود بزدل خوف زدہ دشمن حضرت صاحب کو ہتھکڑی لگا کر بیت الخلاء تک لے جاتے تھے۔

۱۷۔میڈیکل روم۔ٹارچر سینٹر میں واقع قید خانہ کے عقب میں بنے اس میڈیکل روم کو یہاں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ نئے آنے والے قیدیوں کا یہیں استقبال کیا جاتا تھا اور میڈیکل چیک اپ کے نام پر آرمی ڈاکٹر وہ وحشیانہ مظالم کرتے تھے کہ انسانیت سسک اٹھتی۔ کالی دیوی کے پجاری ڈاکٹر اپنی درندگی کا بھرپور مظاہرہ کرتے، دوا مانگنے والوں پر لاٹھیاں برستی تھیں۔ جب حضرت صاحب کو بادامی باغ لائے تو پہلے اسی میڈیکل روم میں لے گئے پھر لاٹھیاں چلیں تو شاید حضرت صاحب کے بدن کا کوئی حصہ اس سے محفوظ نہ رہ سکا، اسی دوران ایک لاٹھی حضرت کے چشمے پر پڑی جس سے چشمہ چکنا چور ہو گیا۔اس کے بعد ایک طویل مدت جیل میں آپ نے چشمے کے بغیر گزاری۔

۱۸۔یہ خاردار تار کی باڑ ہے جسے اندرونی اور بیرونی خطرات سے بچنے کیلئے خاص طریقے سے بنایا گیا تھا۔عام خاردار تار سے الگ اس کی بناوٹ تھی۔

۱۹۔قید خانہ کی بیرونی دیوار میں لگی کھڑکیاں جو کہ نہ صرف ہوا اور روشنی کا کام دیتی تھیں بلکہ خطوط کی ترسیل کا کام بھی یہیں سے سرانجام پاتا تھا۔اس ٹارچر سینٹر میں کاغذ پنسل بالکل منع تھے۔ خطوط کے آنے جانے پر سخت پابندی تھی ان حالات میں مجاہدین کے لئے کام کرنے والا آرمی کا خاکروب ٹارچر سینٹر کی بیرونی حصے میں جھاڑو دیتے دیتے اسی کھڑکی کے قریب آتا اور کمال ہوشیاری سے اپنے لباس میں یا کسی اور جگہ چھپایا ہوا خط کھڑکی میں رکھ دیتا اور تھوڑی ہی دیر میں کوئی مجاہد نگرانی پر مامور تین فوجیوں سے تھوڑی دیر کی آنکھ مچولی کے بعد وہ خط اٹھانے میں

کامیاب ہو جاتا پھر وہ خط حضرت صاحب یا سجاد شہید رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔ مناسب وقت اور احتیاط کے تقاضے پورے ہونے پر جواب تحریر کیا جاتا اور جب اگلے روز خاکروب جھاڑو گھماتے گھماتے کھڑکی کے قریب پہنچتا تو خط کھڑکی کے بیرونی طرف لڑھکا دیا جاتا جسے خاکروب فنکارانہ طریقے سے اٹھاتا اور کوڑے میں ڈال لیتا اور وہاں سے یوں یہ خط حفاظت سے مجاہدین تک پہنچ جاتا۔ ہندوستانی آرمی میں موجود ایسے کئی افراد مجاہدین کیلئے اب بھی کام کر رہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

۲۰۔ بادامی باغ ٹارچر سینٹر کے صحن میں واقع یہ دو کمرے قید خانے کے سامنے کے حصے میں ہیں۔ ان دونوں کمروں میں اسیر مجاہدین سے بیان لیے جاتے تھے۔ بھارتی خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار باری باری اسیروں کو یہاں بلواتے اور تفتیش کے نام پر ان پر دن بھر ظلم کرتے اور لوہے کی سلاخوں سے پیٹتے تھے اور رات کو واپس لاک اپ میں بند کر دیتے تھے۔ کبھی ان کمروں میں اس قدر ظلم ہوتا تھا کہ اسیر مجاہد زندہ واپس نہیں آتا تھا بلکہ اس کی لاش ہی ٹارچر سینٹر سے باہر جاتی تھی۔

جب تک حضرت صاحب اس ٹارچر سینٹر میں بند رہے ہر روز نت نئے انداز میں دشمن آپ کو اذیت پہنچاتے رہے۔ دشمن کی طرف سے پہنچائی گئی تکالیف سے کوئی دن خالی نہیں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود حضرت اپنے نظریئے پر ہمیشہ ڈٹے رہے۔ آرمی کے بڑے بڑے آفیسر آتے حضرت سے بحث ومباحثہ کرتے، ادھر ادھر کی ہانکتے اور مجاہدین کی دہشت پسندی ثابت کرنے کی کوشش کرتے اور بالآخر حضرت کے علمی دلائل سے شکست کھا کر منہ لٹکائے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے واپس چلے جاتے کہ ''یہ شخص بدلنے والا نہیں''

اس سینٹر میں دشمن کی پوری کوشش تھی کہ مجاہدین دنیا سے کٹے رہیں نہ ان کے پاس کوئی ذریعہ خبر ہو اور نہ ان تک کوئی بیرونی خبر پہنچے، مگر اللہ پاک نے اپنی رحمت سے دشمن ہی کے آدمی کے ذریعے ریڈیو کا انتظام کر دیا تھا، یہ ریڈیو خفیہ رکھا جاتا تھا، خبروں کے اوقات میں اسے نکالا جاتا اور خبریں سن کر دوبارہ چھپا دیا جاتا تھا۔ ستمبر ۱۹۹۴ء میں حضرت صاحب اور ان کے دیگر رفقاء کو جموں کی ایک جیل میں منتقل کر دیا گیا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد وعلی آله واصحابه اجمعین

۲۵ر شوال سہ شنبہ بمطابق یکم فروری ۲۰۰۰ء

تفتیش کا دردناک پہلو

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ بادامی باغ سری نگر کے اس عقوبت خانے میں کئی اہم واقعات پیش آئے۔ آیئے! اب ان واقعات کا مختصر سلسلہ شروع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ فریضہ جہاد کو ادا کرتے ہوئے گرفتار ہونے والے مجاہدین کے جسموں اور ذہنوں پر ان عقوبت خانوں میں کیا گزرتی ہے؟ آج کی مجلس میں جو واقعہ پیش کیا جا رہا ہے اسے بندہ نے تہاڑ جیل دہلی میں قید کے زمانے میں قلمبند کیا تھا۔ یہ مضمون بندہ کی زیر التوا کتاب ''مسکراتے زخم'' کا حصہ ہے۔ لیجئے! جیل کے بارے میں جیل ہی میں بیٹھ کر لکھی ہوئی ایک تحریر کو ملاحظہ فرمایئے، جس کا عنوان ہے: ''تفتیش کا ایک دردناک پہلو''

صبح آٹھ بجتے ہی سب کے دل ...... دھڑکنے لگ جاتے ...... کیونکہ اسی وقت ...... ملٹری پولیس کا ایک اہلکار روزانہ ...... ان لوگوں کے نام پکارتا تھا ...... جن سے انٹروگیشن ...... یعنی پوچھ تاچھ ...... کرنی ہوتی تھی ...... چونکہ یہ آرمی کا انٹروگیشن سینٹر ...... تھا ...... اس لیے اس میں کچھ قوانین تھے ...... جن کا مقصد ...... قیدیوں کو دوران تفتیش ...... موت سے بچانا ہوتا تھا ...... سنا ہے کہ پہلے ...... یہاں ...... یعنی بادامی باغ انٹروگیشن سینٹر میں ...... کئی ایک مجاہدین ...... دوران

تفتیش...... تشدد کی بناء پر شہید ہوگئے...... زیادہ بدنامی کا خطرہ ہوا...... تو فوجی حکام نے کچھ قوانین بنالیے...... ایک قانون یہ بنا کہ...... پوچھ تاچھ سے پہلے...... اور بعد میں...... ایک ڈاکٹر یا کمپاؤنڈر قیدی کو چیک کیا کریں گے...... اور طبی مدد دیا کریں گے...... بعد میں معلوم ہوا کہ یہ قانون صرف آرمی کے تفتیشی اداروں میں ہے...... جب کہ بی ایس ایف...... یعنی بارڈر سکیورٹی فورس...... اور جموں کشمیر پولیس اس طرح کے قوانین سے بالاتر ہے...... چنانچہ سری نگر میں واقع...... بی ایس ایف...... کے تفتیشی مرکز...... پاپاٹو...... میں سینکڑوں مجاہدین کو ذبح کردیا گیا...... اور کئی ایک...... مار کھاتے کھاتے...... شہید ہوگئے...... کئی ایک کے...... ایک کان میں سلاخ ڈال کر...... دوسرے سے نکالی گئی...... یہاں کی اصطلاح میں...... اسے ''ٹائیگر کرنا'' کہتے ہیں...... بی ایس ایف کا...... ایک مسلمان اہلکار...... جو مجبوراً اس ادارے میں بھرتی ہوا تھا اور ہر وقت مسلمانوں پر ہونے والے تشدد سے کڑھتا تھا...... اور اس بے چارے سے جہاں تک ہوسکتا تھا...... وہ پاپاٹو جیسی خوفناک جگہ پر بھی مجاہدین کی مدد کرتا تھا...... ایک مرتبہ اس نے...... ہمارے ایک ساتھی کو...... جو اس سینٹر میں تشدد کا نشانہ بنا ہوا تھا...... بتایا کہ...... بی ایس ایف کا فلاں اہلکار...... جو ہندو ہے...... اور کٹر مشرک ہے...... اُس نے اب تک اسی (۸۰) مجاہدین کو اپنے ہاتھ سے...... دوران تفتیش ذبح کیا ہے۔ مجھے جب بھی موقع ملا...... میں اسے...... انشاءاللہ قتل کرکے...... اپنے دل کو ٹھنڈا کروں گا...... چونکہ اس فوجی کا تعلق...... اس مجاہد کے علاقے سے تھا...... اس لیے اس نے اعتماد کے ساتھ...... اسے یہ راز...... اور اپنی تمنا بتادی...... اسی طرح پولیس کے...... انٹروگیشن سینٹرز...... میں بھی...... کسی طرح کے...... ڈاکٹر یا طبی معائنہ کا...... کوئی انتظام نہیں...... نہ تشدد اور ٹارچر کی...... کوئی حدود مقرر ہیں...... ان سینٹروں میں بھی...... کئی ایک مجاہد...... شہید...... اور بہت سارے بالکل ناکارہ ہوچکے ہیں...... لیکن انڈین آرمی نے...... اپنی عزت رکھنے کیلئے...... کچھ قوانین بنالیے ہیں...... مگر انہوں نے...... بی ایس ایف اور پولیس کی طرح...... مجاہد کا خون کرنے...... کے لئے دوسرا متبادل نظام بنا رکھا ہے...... وہ متبادل نظام یہ ہے کہ...... مجاہد کو گرفتار کرتے ہی...... اسی جگہ تفتیش...... اور ٹارچر شروع کردیا جاتا ہے...... جس میں نہ کوئی قانون ہوتا ہے...... اور نہ کوئی حدود...... اگر مجاہد مارا جائے تو مقابلہ دکھا کر...... اس قتل کو ہضم کرلیتے ہیں...... لیکن اگر مجاہد سے...... کچھ برآمد ہونے کی توقع ہو...... یا کوئی بڑا عہدیدار ہو...... تو اسے انٹروگیشن سینٹر لانے سے پہلے...... کسی کیمپ میں رکھا جاتا ہے...... کیمپ میں

...... بالکل اسی طرح ...... پوچھ تاچھ ہوتی ہے...... جس طرح بی ایس ایف والے کرتے ہیں......
چنانچہ بے شمار مجاہدین...... ان کیمپوں میں شہید ہو چکے ہیں...... اور ان کی لاشیں...... دریا سے ملی
ہیں...... البتہ مارتے وقت یہ احتیاط کی جاتی ہے کہ...... اسے کلاشنکوف کی گولی سے...... مارا جاتا
ہے...... تاکہ یہ قتل مجاہدین ...... کے سر ڈالا جاسکے...... کافی دن...... اور بعض اوقات کئی ماہ تک
ان کیمپوں میں رکھنے کے بعد اگر کوئی بچ جاتا ہے...... تو اسے انٹروگیشن سینٹر لایا جاتا ہے......
جہاں از سر نو تفتیش ہوتی ہے...... اور شدید ٹارچر کیا جاتا ہے...... مگر حدود میں رہتے ہوئے......

یہاں صبح آٹھ بجے...... ملٹری پولیس کا اہلکار...... نام پکارتا ہے...... پھر ان افراد کو...... ایم آئی روم لے جایا جاتا ہے...... مگر عجیب طریقے سے...... ان کی قمیصیں...... ان کے سروں اور منہ پر ڈال دی جاتی ہیں...... تاکہ آنکھیں بند ہو جائیں...... اور سب کو رکوع کی حالت میں چلنا ہوتا ہے...... فوج والے مسلسل ان کی گردن پکڑے رہتے ہیں...... اسی طرح حالت رکوع میں چلا کر ...... ڈاکٹر تک لے جاتے ہیں...... ڈاکٹر...... سرسری معائنہ کر کے...... انٹروگیشن کی اجازت لکھ دیتا ہے...... لیکن اگر کوئی سخت بیمار ہو تو...... ڈاکٹر اجازت نہیں دیتا...... اس کے بعد قیدی کو...... واپس کمرے میں لایا جاتا ہے...... جہاں وہ دھڑکتے دل...... اور ڈبڈباتی آنکھوں کے ساتھ ذکر کرتے کرتے...... دس بجے کا انتظار کرتا ہے...... دس بجے پھر پہلے والی کیفیت میں...... اسے پوچھ تاچھ والے کمرے میں...... پہنچا دیا جاتا ہے...... جہاں کاغذ، قلم...... لاٹھی...... ڈنڈوں...... سلاخوں اور کرنٹ کی تاروں سے لیس کئی حیوان نما آفیسر اس کے منتظر ہوتے ہیں...... اور پھر اس نوجوان کی چیخوں کی آواز اس کے دوسرے ساتھی سنتے رہتے ہیں...... شام تک...... تفتیش جاری رہتی ہے...... شام کو وہ آفیسر اس نوجوان کو خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے...... آئندہ کل پیش آنے والے سنگین نتائج سے ڈراتے ہوئے...... ایک رات کی مہلت دے کر چلے جاتے ہیں اور قیدی کو واپس...... اس کے سیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔

تفتیش کے بھی الگ الگ...... انداز ہیں، اکثر کئی افراد...... مل کر تفتیش کرتے ہیں...... وہ سب کرسیوں پر بیٹھے ہوتے ہیں...... ایک خالی ہاتھ ہوتا ہے...... اور ایک مارنے کیلئے ہر دم مستعد ...... ہاتھوں میں سلاخ...... یا کرنٹ لگانے کا آلہ لیے ہوئے...... اکثر یہ آدمی...... جس کے ذمے...... قیدی کی دھنائی ہوتی ہے...... نشے میں دھت ہوتا ہے...... اور ہر دم گالیاں بکتا رہتا ہے...... پھر قیدی کو...... سامنے کھڑا کر دیا جاتا ہے...... اور سوالوں کی بوچھاڑ...... گالیوں کی

بارش...... اور ڈنڈوں اور گرم سلاخوں کے...... درمیان اسے ایک ایک سوال کا جواب دینا ہوتا ہے...... اپنی سابقہ زندگی کے ایک ایک منٹ کا حساب دینا ہوتا ہے...... جاہل آفیسروں کی...... اسلام...... پاکستان اور جہاد کے خلاف...... بکواس سننی ہوتی ہے...... اس بے چارے کو...... جو کئی بھیڑیوں میں گھرا ہوا ہوتا ہے...... پریشان کرنے کیلئے...... عجیب عجیب حیلے کیے جاتے ہیں...... اچانک باہر سے کوئی داخل ہوتا ہے...... اور گھور کر...... اس مجاہد کو دیکھ کر کہتا ہے...... اچھا اچھا یہ تو وہی ہے...... پھر وہ تفتیشی آفیسر کے کان میں...... کھسر پھسر کرتا ہے...... تفتیشی آفیسر کہتا ہے یہ باتیں مجھے فون کے ذریعے...... دہلی سے بتائی جا چکی ہیں...... اب اس کی مرضی پیار سے بتاتا ہے...... یا مار کھاتا ہے...... باتیں تو ہمیں پتہ ہیں...... پھر اچانک کوئی آفیسر...... نرم ہو جاتا ہے...... دوسرا سختی کرتا ہے...... نرمی والا مجاہد کو ظاہری طور پر بچاتا ہے اور اس کے عوض راز پوچھتا ہے...... بعض آفیسر...... کسی مجاہد کے رعب میں آ کر...... اپنے اخلاق دکھانے کیلئے...... اسے کرسی پر بٹھا کر...... پوچھ تاچھ کرتے ہیں...... اور نرم نرم باتیں کرتے ہیں...... اس دوران...... دو آفیسر مستقل...... اس مجاہد کو بار بار...... مارنے کیلئے دوڑتے ہیں مگر...... وہ آفیسر ہر بار دفاع کرتا ہے...... بہرحال عجیب وغریب طریقے اختیار کیے جاتے ہیں...... اپنے گمان میں ہندستان نے اب تک...... اپنے تمام ذہین اور چالاک...... جاسوس اور ایجنٹ...... کشمیر بھیج رکھے ہیں...... مگر میں نے چار مختلف عقوبت خانوں میں ایک سال گزارا...... اور میرا یہ تجربہ ہے کہ...... ان آفیسروں سے زیادہ بیوقوف...... اور کوئی نہیں ہے...... ہر طرح کے تشدد...... ہر طرح کی چالاکی...... ہر طرح کی عیاری...... اور دنیا بھر کے آلات استعمال کر کے بھی...... وہ کسی مجاہد سے کوئی راز نہیں لے سکتے...... میں نے دس دس سال کے مجاہد بچوں کو دیکھا...... جنہیں مار مار کر...... کچومر نکال دیا گیا...... مگر فوج اور پولیس...... ان کا اصلی نام تک معلوم نہ کر سکی...... دو بھائی اکٹھے گرفتار ہوئے تھے...... پولیس بے انتہا تشدد کے باوجود...... ان کے باہمی رشتے کو...... نہ جان سکی...... بڑے بڑے کمانڈر...... گرفتار ہوئے...... اور خوفناک ماریں کھا کر چھوٹ گئے...... یہ تفتیشی آفیسر...... ان کے بارے میں کچھ نہ جان سکے...... ان کی تمام تر کامیابی مخبری پر ہے...... انہیں مخبر بتا دیتے ہیں کہ...... فلاں شخص مجاہد ہے...... فلاں کے پاس ہتھیار ہیں...... فلاں نے فلاں ایکشن کیا ہے...... بس اس مخبری کی بنیاد پر انہیں...... کامیابی ملتی ہے...... ورنہ دوران تفتیش...... خود کو انڈیا کا ذہین ترین...... جاسوس سمجھنے والوں کو میں نے...... پندرہ سالہ مجاہد کے سامنے......

بے بس دیکھا...... مار مار کر ان کے ہاتھ تھک گئے...... مگر وہ کچھ معلوم نہیں کر سکے...... میں نے ستر سال کے بزرگوں کو دیکھا...... جنہیں ننگا کر کے...... رسوں سے الٹا لٹکا دیا گیا...... مگر ان کی زبان سے کوئی بات نہیں نکلی...... بالآخر تھک ہار کر ان کو چھوڑ دیا گیا...... بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ...... وہ مجاہدین کے خاص لوگ...... اور سر پرست ہیں...... اور تو اور...... کتنی عورتوں کو مار مار کر ان کی پسلیاں توڑ دی گئیں...... مگر انہوں نے اپنے گھر میں چھپے...... اسلحے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا...... ہائے کاش...... کشمیر میں مخبری نہ ہوتی اور...... کشمیریوں میں...... ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا جذبہ ہوتا...... تو جس قدر قربانی انہوں نے دی ہے...... اب تک انڈیا کا بیڑہ غرق ہو چکا ہوتا...... مگر باہمی اعتماد کے زبردست فقدان...... اور مخبری نے...... اس تحریک کو لمبا...... اور منزل کو دور کر رکھا ہے......

بات تفتیش کی چل رہی تھی...... میرے بارے میں ان کو رپورٹ تھی کہ...... کئی ملکوں میں گیا ہے...... صحافی ہے...... تعویذ دینے میں ماہر ہے...... اس لیے کئی مواقع پر...... ظاہراً نرمی کرتے تھے...... اور بعض مواقع پر بہت سختی...... بادامی باغ میں...... کچھ نرمی رہی...... جس کا بدلہ کوٹ بھلوال اور تالاب تلو کے...... عقوبت خانوں میں نکالا گیا...... بادامی باغ میں...... جتنے آفیسروں نے پوچھ تاچھ کی...... کرسی پر بٹھا کر کی اور زیادہ بدتمیزی سے بھی پیش نہیں آئے...... مگر پوچھ تاچھ...... ایک ایسا ظالمانہ عمل ہے کہ...... نرمی سے ہو یا سختی سے...... انسان کو نچوڑ کر رکھ دیتا ہے...... دشمنوں کو...... دوران جنگ سچ بتانا جائز نہیں...... جب کہ جھوٹ بولنے کی مشق نہیں تھی...... اور پھر جھوٹ بھول بھی جاتا ہے...... اس لیے صبح آٹھ بجے...... دل دھڑکنے لگتا...... اگر ہمارا نام نہ ہوتا...... تو اطمینان کا سانس لیتے...... اور جب نام آجاتا...... تو پھر دل پر جو گزرتی وہ رب ہی جانتا ہے...... اکثر زندگی میں کسی نے...... مجھے ''کیوں'' نہیں کہا تھا...... اب ہر بات پر ''کیوں'' کا لفظ سننا پڑتا...... گالیاں نہ دی تھیں...... نہ سنی تھیں...... یہاں سننی پڑتیں...... سب سے زیادہ درد...... اس وقت ہوتا جب وہ...... اسلام اور جہاد کے خلاف بکتے تھے...... ہم جواب دیتے تو...... سنا نہیں جاتا...... یا تشدد کی دھمکی دے کر چپ کرا دیا جاتا۔

ایک دن جیسے ہی...... ملٹری پولیس والا آیا...... میرا دل گھنٹی بجانے لگا...... اس نے نام پڑھے تو پہلا نام میرا تھا...... حالانکہ اب تو کئی ماہ ہوئے...... تفتیش مکمل ہو چکی تھی...... اور کئی دن سے پوچھ تاچھ کا عمل بند تھا...... اس اچانک نام کے آنے پر دل خدشات سے بھر گیا کہ معلوم نہیں

کون سی نئی بات ان کو معلوم ہوئی ہے...... معلوم نہیں کیا کیا بکواس سننی پڑے گی...... خیر...... خدا خدا کر کے دس بجے مجھے اس کمرے میں پہنچا دیا گیا...... جہاں ایک چھوٹا آفیسر...... جس نے مجھ سے پہلے کبھی...... پوچھ تاچھ نہیں کی تھی...... ہاتھ میں ڈنڈا لیے بیٹھا تھا...... میں اندر داخل ہوا تو اس نے مجھے خونخوار نظروں سے گھورا...... اور زمین پر بیٹھنے کا اشارہ کیا...... میں اس کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا...... اس نے مجھے کہا...... تم نے اب تک جو بتایا ہے...... وہ سب جھوٹ نکلا ہے...... اب تمہاری شامت کا وقت...... آ چکا ہے...... کافی دیر تک...... وہ اسی طرح بدتمیزی کرتا رہا...... اور دھمکیاں دیتا رہا...... میں نے...... پوچھا...... میری کونسی بات جھوٹی نکلی...... اس نے کہا سب کچھ...... پھر اچانک اس نے موضوع...... اور انداز...... دونوں بدل دیئے...... لاٹھی میز پر رکھ دی...... اور مجھے نرم نگاہوں سے دیکھ کر کہنے لگا...... سنا ہے بہت کتابیں لکھی ہیں تم نے؟...... میں نے کہا ہاں کچھ لکھی ہیں...... پھر تو اسلام کے بارے میں کافی معلومات ہوں گی؟...... میں نے کہا میں نے تعلیم ہی اسلام کی حاصل کی ہے...... معلومات بہرحال ہونی ہی ہیں۔

آپ لوگوں میں اور جماعت اسلامی میں کیا اختلاف ہے؟ اس نے سوال داغا اور اس کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی...... اس نے پھر زور دے کر پوچھا...... یہ بھی بتاؤ...... تمہارے اور اہل حدیثوں میں کیا اختلافات ہیں...... اس کے لہجے میں بلا کا طنز تھا...... مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے مجھے...... کند چھری سے ذبح کرنا شروع کر دیا ہے...... میرے دل ودماغ میں آندھیاں چلنے لگیں...... میری حالت اس شخص جیسی تھی...... جسے باندھ کر اس کے سامنے اس کی...... کسی مقدس ترین ہستی پر...... تشدد کیا جا رہا ہو...... میرے اندر سے آواز آئی...... اٹھو! اس مشرک کو ایسا مکّا لگاؤ کہ...... مصر کے قبطی کی طرح...... دوسرے کی ضرورت نہ پڑے...... یہ سیاہ قلب مشرک...... گائے کا پیشاب پینے والا...... ہر پتھر پر ماتھا ٹیکنے والا...... آلہ تناسل کی پوجا کرنے والا...... غلاظت کا ڈھیر...... اسے کیا اختیار ہے کہ ہم مسلمانوں کے داخلی معاملات میں الجھے...... اور اسلام کی طرف انگلی اٹھائے...... اس تھوڑی سی دیر میں...... میرے دل پر...... خیالات اور جذبات کا ایک...... ہجوم مسلسل تھا...... مگر میں...... بے بس تھا...... سوائے جلنے اور تڑپنے کے اور کیا کر سکتا تھا...... مشرک میری دکھتی رگ پر...... ہاتھ رکھے بیٹھا مسکرا رہا تھا...... مجھے خود پر حیرانگی بھی تھی...... کہ اس کی اتنی سی بات دل کو کیوں لگ گئی...... یہ اختلافات تو...... مسلمانوں کا روزمرہ کا معمول...... اور مرغوب و پسندیدہ عمل ہیں...... لیکن شاید...... میری جگہ کوئی

اور مسلمان ہوتا تو...... اس کے دل پر بھی یہی کچھ گزرتا...... جو میرے دل پر گزر رہا تھا...... میں سمجھ چکا تھا...... کہ مشرک نے صرف طنز کیا ہے...... ہماری ایک بڑی کمزوری...... جو ان کی بقا کی ضمانت ہے...... ظاہر کی ہے...... وہ کچھ سمجھنا نہیں چاہتا...... بلکہ مجھے توڑنا چاہتا ہے...... مجھے جانچ رہا ہے...... میری زبان سے کچھ ایسا کہلوانا چاہتا ہے...... جسے وہ مجاہدین کے اختلافات کی آگ پر...... پٹرول کے طور پر ڈال سکے...... میں انہیں...... سوچوں میں کھو گیا...... میرے چہرے پر ناگواری کے آثار وہ بھی دیکھ رہا تھا...... اور لطف اندوز...... ہو رہا تھا...... بولتے کیوں نہیں ہو؟...... جلدی سے بتاؤ تمہارے اور جماعت اسلامی میں کیا اختلافات ہیں؟...... وہ دھاڑا میں نے سر اٹھا کر...... اسے نفرت سے دیکھا...... اور ہمت کر کے...... نتائج سے بے پرواہ ہو کر کہا...... کوئی اختلافات نہیں ہیں...... تم جھوٹ بولتے ہو سچ سچ بتاؤ؟...... ورنہ؟...... وہ غرّایا

میں نے کہا...... ان کی سیاسی پارٹی کا نام...... جماعت اسلامی ہے...... اور علماء کی سیاسی پارٹی کا نام...... جمعیت علماء اسلام ہے...... ان کے امیر قاضی حسین احمد ہیں...... اور جمعیت کے امیر...... مولانا عبداللہ درخواستی...... اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب ہیں...... یہ سب تو مجھے بھی معلوم ہے...... اس نے برہم ہو کر کہا...... مجھے بتاؤ مولانا مودودی اور علماء دیوبند میں کیا اختلاف ہے...... میں سمجھ گیا...... خبیث بہت کچھ جانتا ہے...... میں نے بے زاری سے کہا...... مجھے معلوم نہیں...... تمہیں سب معلوم ہے...... مگر تم ایسے نہیں بولو گے...... آخری موقع دے رہا ہوں...... سچ سچ بتاؤ مجھے معلوم ہے...... تم بڑے عالم ہو......

میں نے کہا...... مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ...... مودودی صاحب...... سیاست پر زیادہ زور دیتے تھے...... اور دوسرے علماء تھوڑا کم...... بس اسی بات پر اختلاف ہو گیا...... پھر جب اختلاف ہو جاتا ہے...... تو بڑھ ہی جاتا ہے......

اس نے کہا...... اہلحدیثوں کے ساتھ کیا اختلاف ہے؟...... میں نے کہا...... مسلمانوں کے بنیادی عقائد...... جن کے بغیر کوئی آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا...... ان میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے...... تھوڑا سا پریکٹیکل میں اختلاف ہے...... ہم ہاتھ نیچے باندھتے ہیں...... وہ تھوڑا اوپر...... عبادت دونوں ایک ہی خدا کی کرتے ہیں...... ہزاروں کی نہیں......

میری چوٹ کام کر گئی...... اور اس نے موضوع ہی بدل دیا...... مگر میں اب بھی اسی موضوع کی آگ میں جل رہا تھا...... وہ میرے دل پر...... ایک نہ بجھنے والی آگ لگا کر...... چلا گیا......

میں اپنے چہرے پر غم کے بادل اور دل پر..... مَنوں بوجھ لیے..... جب اپنے سیل میں آیا.....تو ساتھیوں کو احساس ہوا کہ..... آج بہت خوفناک تشدد ہوا ہے.....مگر وہ حیران تھے کہ پھر چیخوں کی آواز کیوں نہیں آئی..... جب سب نے پوچھا تو..... میں رو پڑا..... میں نے کہا..... بدبخت نے مسلمانوں پر..... اعتراض کیے..... جس سے میرا دل دکھ گیا..... یہ مشرک..... آٹھ سو سال تک ..... مسلمانوں کے غلام تھے..... ان کی جوتیاں صاف کر کے..... زندہ رہتے تھے..... آج ان کو اتنی ہمت ہوگئی..... کہ اسلام پر باتیں کستے ہیں.....

رات کو جب میں بستر پر لیٹا..... تو نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی..... میں نے سوچا کہ..... حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ساتھ مالٹا جیل میں..... شاید ایسا ہی کوئی واقعہ پیش آیا ہوگا..... جس کا اثر یہ ہوا کہ..... شیخ نے جیل سے نکل کر..... مسلمانوں کو صرف دو ہی چیزوں کی ..... دعوت دی..... ایک یہ کہ قرآن کو خوب تھام لو..... پڑھو سمجھو اور غور کرو..... اور دوسرا آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہو..... میں خیالات میں..... حضرت شیخ الہند کے قدم چوم رہا تھا.....ان کے ہاتھوں کے بوسے..... لے رہا تھا..... مجھے یوں لگ رہا تھا..... وہ میرے زخمی دل پر مرہم ..... لگا رہے ہیں.....اور مجھ سے کہہ رہے ہیں..... تمہارا پریشان ہونا حق ہے..... تم لوگ تو مسلمانوں کی جانیں..... اور عزتیں بچانے کی خاطر..... لڑ رہے ہو..... کٹ رہے ہو..... صرف اس لیے کہ..... ان لوگوں سے تمہار..... اسلام کا رشتہ ہے..... گویا کہ تم سب کچھ اسلام کے لئے ..... کر رہے ہو..... اب جب کوئی اسلام پر ہی..... تمہارے سامنے انگلی اٹھا رہا ہے..... اور تم اس انگلی کو کاٹ نہیں سکتے..... مشرک اسلام پر بک رہا ہے..... مگر تم اس کی زبان گدی سے..... نہیں کھینچ سکتے ہو..... تو تمہیں دل پر..... زخم لگا..... آؤ میں..... تمہیں مرہم لگا دوں..... واقعی تم نے ٹھیک سمجھا..... وہ مشرک تمہارا منہ..... چڑا رہا تھا..... وہ کہہ رہا تھا..... تم مسلمان..... اب بٹ چکے ہو..... فرقوں میں..... جماعتوں میں..... قوموں میں..... قبیلوں میں..... اب تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے..... مگر ہم تمہارا سب کچھ بگاڑ دیں گے..... اور تم ایک دوسرے سے..... لڑ مرو گے..... اور ہمارے ہاتھوں سے بھی مرو گے..... شاید تمہیں..... یہ خیال بھی ستا رہا ہے کہ..... دو ہفتے پہلے ایک مشرک نے تمہیں کہا تھا..... اب یہ خیال چھوڑ دو کہ..... کوئی غزنوی آئے گا..... اور سومنات تک..... چلا جائے گا..... مگر تم پریشان نہ ہو..... ان کی سب باتوں کا جواب ہے..... اگر واقعی اسلام اب تفرقے میں..... تباہ ہو چکا ہے..... اور مسلمان بالکل..... ایک دوسرے کے

نہیں رہے...... تو پھر تم جیسا ایک پاکستانی...... اپنی پر امن زندگی چھوڑ کر...... کیوں کشمیر میں...... آ رہا ہے...... حضرت شیخ الہند نے دل پر مرہم لگایا...... اور یوں لگا کہ وہ سبز باغات اور موتیوں کے محلات میں غائب ہو گئے...... پھر اچانک مجھے طیش آنے لگا...... میرا دل غصے سے بھر گیا...... آخر مودودی صاحب کو کیا ضرورت پڑی تھی...... اختلافات کا بیج بونے کی...... اچھی خاصی دین کی خدمت کر رہے تھے...... مغرب کو للکار رہے تھے...... پھر اچانک...... لوگوں کی واہ واہ نے...... انہیں پٹڑی سے اتار دیا اور وہ ایسی باتیں لکھ گئے...... جن سے کسی مسلمان کو فائدہ تو نہیں ہوا...... مگر امت میں ایک الگ...... دھڑا وجود میں آ گیا...... کاش وہ علماء کرام کے ساتھ...... مذاکرہ کر لیتے یا ان کے بعد ان کے وارث...... علماء کرام کو مذاکرے کی دعوت دیتے...... اور قابل اعتراض مواد کو...... کتابوں سے نکال دیا جاتا...... امت سے معافی مانگ لی جاتی...... ان کی کتابیں...... آسمانی وحی تو نہیں ہیں...... جن کی حفاظت جیالوں کے ذمے...... ضروری ہے...... ہائے کاش...... نئے قلمکار کچھ عبرت پکڑیں...... اور ان چیزوں میں منہ نہ ماریں جو ان کی دسترس سے...... باہر ہیں...... ہائے کاش ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے کے شوقین...... اب اس شوق سے باز آ جائیں...... ان کے اس شوق نے امت کو...... رسوا اور ذلیل کر کے رکھ دیا...... اور امت کا شیرازہ بکھر گیا...... مگر افسوس صد افسوس...... بہت سارے لوگ جنہیں قلم پکڑنا آ جاتا ہے...... وہ نئی راہیں تلاش کرتے ہیں...... نئے مطالعے کی روشنی میں نئی تحقیقات کر کے...... امت کی کشتی میں...... ایک اور چھید کرتے ہیں...... زندگی بھر انگریز کے جوتے صاف کرنے والے...... بڑھاپے میں تفسیر لکھنے بیٹھ جاتے ہیں...... اسلام کو سب نے ایک مردہ جسم سمجھ لیا ہے...... ہر کوئی اس پر مشق کر رہا ہے...... اس کے ایک ایک عضو پر...... آپریشن ہی آپریشن...... کیے جا رہے ہیں...... مگر وہ طاقت نہیں جو...... مسلمانوں کو ایک رکھ سکے...... دلوں میں برداشت کا جذبہ نہیں...... ہر پارٹی میں...... اختلاف پسند عناصر کا بول بالا ہے...... بڑے بڑے لوگ...... ایک دو مسائل پر اختلاف کی وجہ سے...... امت سے الگ ہو کر رہ جاتے ہیں اگر ایسا ہوتا کہ...... آپس کے وہ اختلافات...... جن کا خاتمہ ممکن ہے...... آپس میں حل کر لیے جاتے...... اور دشمن کو اس کی ہوا نہ لگتی...... تو آج نقشہ کچھ اور ہوتا...... مگر ہر شخص صرف اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے...... اور باقی سب کو دوزخ کے آخری کنارے ڈال آتا ہے...... جس کے پیٹ میں مروڑ اٹھتی ہے...... کوئی تحقیق پیش کر کے حالات بگاڑ دیتا ہے...... پھر مجبوراً علماء حق کو...... اس کی تردید کرنی

پڑتی ہے...... مسلمانوں سے خلافت کیا چھنی...... سب کچھ چھن گیا...... جس طرح ماں کے مرنے کے بعد...... بچے بکھر جاتے ہیں ہم بھی خلافت کے بعد...... بکھر گئے...... اور بکھرتے جا رہے ہیں...... مرغی کے پروں میں...... ہر رنگ کا چوزہ پناہ لیتا ہے...... ہم بھی...... خلافت کے سائے میں پناہ لے لیتے تھے...... اب وہ پناہ گاہ کہاں گئی؟......

خلافت کی طاقت سے...... بہت سارے فتنے رک جاتے تھے...... مگر اب وہ طاقت ماضی کی داستان بن گئی...... اب تو جمہوریت ہے...... باپ سے بیٹے کو جدا کرنے والی...... بھائی کو بھائی کا دشمن بنانے والی...... عہدوں پر جھپٹنے کی خواہش پیدا کرنے والی...... مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے والی...... میراثیوں اور کنجروں کو حکمران بنانے والی...... خباثت اور فحاشی کو قانونی تحفظ دینے والی......

اے میرے مالک...... دشمنوں کے ہاتھ کا ستایا ہوا...... تیرے دین کی غیرت کو...... دل میں رکھنے والا...... تیرا ایک...... کمزور اور بے کس بندہ...... تجھ سے التجا کرتا ہے کہ امت مسلمہ کو خلافت راشدہ واپس عطا فرما دے...... تاکہ کوئی مشرک...... کسی مسلمان کو...... طعنہ نہ دے سکے...... تاکہ صلیب کے پجاری...... ہماری بیٹیوں کی...... عزت سے نہ کھیل سکیں...... تیرے بندوں کی...... داڑھیاں نہ نوچی جائیں...... اور اسلام کو لاوارث سمجھ کر...... مسلمانوں کے ساتھ...... جانوروں سے بدتر...... سلوک نہ کیا جائے......

اے میرے رب...... اب تو قافلے نکل چکے ہیں...... شہداء کے خون سے پہاڑیاں...... میدان...... اور ریگستان سرخ ہو رہے ہیں...... تیرے کمزور بندے...... جیلوں میں بند...... آسمان کی طرف...... دیکھ رہے ہیں...... امت خلافت کے راستے...... یعنی جہاد پر...... جیسے تیسے چل پڑی ہے......

بس اب تیرے فضل کی ضرورت ہے...... تیری نصرت کی حاجت ہے......!!

عقوبت خانے میں حج پر تقریر

بادامی باغ کے عقوبت خانے میں اور بھی بہت سارے قابل ذکر واقعات پیش آئے جن میں سے چند ایک حاضر خدمت ہیں:

''دھوپ کا نظارہ اور ''لا شريك لك'' کی تشریح''

انڈین آرمی کا ایک لیفٹیننٹ کرنل اس عقوبت خانے کا سکیورٹی انچارج تھا ہمیں اس کا مکمل نام تو معلوم نہیں ہوسکا البتہ وہ اپنا مخفف نام کرنل ڈاگر بتاتا تھا لیکن ہمارے ساتھی اسے کرنل ڈنگر کہا کرتے تھے۔ چھوٹا قد، نحیف جسم، سانولا رنگ، بے رعب شخصیت...... مگر بے حد باتونی طبیعت۔ اسے اپنی پتلی کمر اور منظّم طبیعت پر فخر تھا۔ عام حالات میں بھی فوجی چال چلتا تھا اکثر وردی میں اور کبھی کبھار سادہ کپڑوں میں بھی آتا تھا ہمارے سیلوں کے سامنے آکر حال پوچھنا، تفصیلی گفتگو کرنا اور اپنے واقعات سنانا اس کا محبوب مشغلہ تھا، فطری طور پر بزدل...... اور مصلحت پسند معلوم ہوتا تھا وہ اپنے دل کے بغض کو چھپانے کا بخوبی ملکہ رکھتا تھا۔ ایک دوبار اس کے ساتھ مجاہدین کی جھڑپ بھی ہوگئی۔ مگر وہ اسے ضبط کر گیا...... وہ ذہن سازی کا ماہر تھا اور کشمیری مجاہدین پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا تھا لیکن اسے بارہ مہمان مجاہدین کے سامنے اپنی پسپائی کا

اعتراف کرنا پڑا...... یعنی وہ مان گیا کہ ان دیوانوں کا ذہن بدلنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ وہ اسلام کی بہت ساری باتوں کا معترف تھا۔ بقول اس کے اس نے ایک ماہ کے روزے رکھے جس کا اسے خوب جسمانی فائدہ ہوا اور وہ کبھی کبھار نماز بھی پڑھتا تھا۔ بقول اس کے یہ بہت اعلیٰ درجے کی ورزش ہے ایک بار تو اس نے ہمیں نماز پڑھ کر بھی دکھائی۔ وہ عام مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ بہتر انداز سے رکوع اور سجدہ کر رہا تھا...... اس کی یہ ادائیں دیکھ کر ہمیں احساس ہوا کہ ہندو واقعی بہت پیچیدہ کافر ہے اس کے مکر سے بچنا بہت مشکل ہے...... کیونکہ ہندو کو اپنے مفاد کے علاوہ کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے...... مفاد کی خاطر وہ سب کچھ کرتا ہے اور ہر ایک کے سامنے جھکتا ہے...... اہل توحید کے ساتھ اس کی نفرت اور بغض پکا ہے لیکن مفاد کی خاطر وہ مسلمانوں کے آگے جھکنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ کرنل ڈاگر ہمیں سیکولر بننے کی لمبی دعوت دیتا تھا جبکہ ہم اسے مسلمان ہونے کی بھرپور دعوت دیتے تھے۔ ایک دن وہ تنگ آ گیا اور کہنے لگا بتاؤ اسلام کے بنیادی عقائد کیا ہیں؟...... بندہ نے مفصل مگر آسان تقریر کر ڈالی...... اگلے دن وہ ذرا جلدی آ گیا اور کہنے لگا مبارک ہو...... ہم مسلمان ہو چکے ہیں...... اُس کی یہ ناقابل یقین بات سن کر ہم سب خوش ہو کر اسے مبارک بادیں دینے لگے...... اس نے کہا...... ہم نے گھر جا کر بہت سوچا اور آپ کی دعوت پر غور کیا تب ہمارے دل نے کہا اسلام لانے میں کیا نقصان ہے؟ ہم پہلے ہی بہت سارے بھگوانوں کو مانتے ہیں اگر دو مزید بھگوانوں کو مان لیں گے تو کیا نقصان ہوگا۔ چنانچہ ہم اللہ (جل جلالہ) اور محمد (ﷺ) کو بھی آج سے ماننے لگے ہیں...... مبارک ہو ہم مسلمان ہو چکے ہیں...... اس کی یہ بات سن کر ہماری خوشی کافور ہو گئی...... اور ہم نے پھر مغز ماری کر کے اسے ''بھی'' اور ''ہی'' کا فرق سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ تب ہمیں احساس ہوا کہ اسلام کے کلمے کا آغاز ''لا'' کی تلوار سے کیوں ہے؟ جب تک گندگی اور غلاظت صاف نہ ہو اس پر خوشبو چھڑکنے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ جب تک غیر اللہ کی گندگی دل سے نہ نکلے اس وقت اللہ تعالیٰ کو ماننا...... نہ ماننے سے بدتر ہے...... اسی لیے مشرک کافر سے زیادہ بدتر ہے...... کافر انکار کرتا ہے...... جبکہ مشرک اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کر کے اللہ تعالیٰ کی توہین کرتا ہے...... توہین انکار سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔

سات ماہ تک کرنل ڈاگر کے ساتھ ہمارے مناظرے چلتے رہے نہ وہ ہمیں بدل سکا اور نہ ہم اسے بدل سکے وہ انڈیا کا عاشق تھا اس کی ضد نے ہمیں پاکستان کی ہر چیز کا عاشق بنا دیا۔

یہاں تک کہ ایک بار اس نے ہمیں ایک پرانا اخبار لا کر دیا اس میں انڈیا کے وزیر اعظم نرسمہا راؤ اور پاکستان کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کی تصویریں تھیں۔ اس نے کوئی طنز کی تو ہم نے کہا جناب غور سے تصویریں دیکھیں ایک طرف ایک ملکہ نظر آ رہی ہے اور دوسری طرف ایک بھنگی۔ اس نے بے ساختہ تصویریں دیکھیں تو ایک دم شرمندہ ہو گیا اور موضوع بدل کر گفتگو کرنے لگا۔ حالانکہ ہم نہ تو تصویروں کے قائل تھے اور نہ بے نظیر کے۔ لیکن مشرک کی ضد نے معاملے کو تعصب تک پہنچا دیا۔ پھر چونکہ معاملہ عدل وانصاف کا نہیں ایک نفسیاتی جنگ کا تھا وہ ہمارا حوصلہ ہر پہلو سے گرانا چاہتا تھا اور ہم ہر پہلو سے اسے یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ جیل میں آ کر بھی الحمدللہ ہم زندہ ہیں۔ اس عقوبت خانے میں اخبار، ریڈیو وغیرہ پر پابندی تھی کرنل ڈاگر ہمیں اکثر حوصلہ شکن خبریں سناتا تھا تاکہ ماحول کی تنگی اور تاریکی کے ساتھ یہ وحشت ناک خبریں ہمارے اندر کے جذبات کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیں...... لیکن اس نادان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اسی عقوبت خانے میں ڈیڑھ سو سے زائد کشمیری مجاہد بند ہیں۔ ان کشمیری مجاہدین کی ہفتے میں ایک بار ملاقات آتی تھی اس ملاقات کے ذریعے جہاں ایک طرف ہمارے پاس کشمیر کے سیب اور دیگر تحفے پہنچتے تھے وہاں باہر کی تازہ اور حوصلہ بخش خبریں بھی پہنچ جایا کرتی تھیں۔ ظاہری طور پر ہماری اور کشمیری مجاہدین کی باہمی ملاقات بند تھی لیکن انڈیا کی کرپشن زدہ فوج کے ہوتے ہوئے کوئی کام ناممکن نہیں تھا...... اور تو اور گرفتاری کے کچھ عرصہ بعد میدان میں برسرپیکار مجاہدین کے خطوط تک موصول ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ان حالات میں کرنل ڈاگر کی تقریریں ہمارے لیے بے معنی تھیں۔ وہ ہمیں چند بری خبریں سناتا تھا جب کہ ہم ہر ہفتے ڈھیروں اچھی خبریں سن لیا کرتے تھے۔ کرنل ڈاگر ظاہری طور پر ہماری رہائی کا متمنی نظر آتا تھا اور کہتا تھا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ لوگ جلد چھوٹ کر اپنے گھروں کو جائیں۔ اس کی یہ بات مجاہدین کے دلوں میں اس کی ہمدردی پیدا کرتی تھی...... کیونکہ قید میں جو شخص بھی آزادی کی بات کرتا ہے وہی قیدی کو اچھا لگتا ہے۔ یہ نفسیاتی حربہ وکیل حضرات خوب استعمال کرتے ہیں اور پھانسی کے پھندے تک وہ ہر قیدی کو یہی یقین دلاتے ہیں کہ بس اب تو منٹوں میں آزادی ملنے والی ہے...... ہم نے تہاڑ جیل میں منٹوں میں ملنے والی آزادی کے انتظار میں بیس بیس سال سے بیٹھے لوگوں کو دیکھا ہے۔ کرنل ڈاگر حکومتی پالیسیوں کا عذر کر کے ہماری آزادی کی تمنا کرتا تھا اور بہت سارے قیدیوں کے دل جیت لیتا تھا...... لیکن اچانک مجاہدین نے کچھ غیر ملکی سیاحوں کو اغواء کر کے بعض قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کر دیا...... اس دن کرنل ڈاگر بے

حد غمگین تھا اور باوجود کوشش کے اپنے غم کو چھپا نہیں پا رہا تھا...... اس دن ہمیں معلوم ہوا کہ ہماری آزادی کیلئے فکر مند رہنے والا یہ مشرک کرنل اپنے دل میں ہمارے لیے کس قدر بغض رکھتا ہے۔ کرنل کے وہ دن بہت صدمے میں گزرے لیکن جب دونوں برطانوی باشندے بغیر کسی عوض کے رہا ہوگئے اور ہماری آزادی کا خطرہ ٹل گیا تو کرنل کی جان میں جان آئی اور وہ پہلے کی طرح دوبارہ ہمارے سیلوں پر آ کر جھکنے لگا۔ کرنل ڈاگر مسلمان بزرگوں کے مزاروں پر حاضری کا بہت قائل تھا۔ وہ چھٹی پر اپنے گھر (حیدر آباد دکن) جانے سے پہلے کہا کرتا تھا ہم آپ کی کوئی اور خدمت نہیں کر سکتے البتہ آپ لوگوں کی طرف سے کسی مزار پر ایک آدھ دیا جلا سکتے ہیں یا ایک دو روپے کی پرشاد (نیاز) دے سکتے ہیں۔ ہم اس موضوع پر خاموش رہتے تھے اور اسے ہماری خاموشی پر بے حد حیرت ہوتی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ مزاروں پر نیاز چڑھانے کا نام سن کر یہ بہت خوش ہوں گے لیکن ہمارے چہروں پر خوشی کے آثار نہ پا کر وہ پریشان ہو جاتا تھا بقول اس کے ماضی میں اس کی بعض اہم حاجتیں مزاروں پر نیاز چڑھانے سے پوری ہو چکی ہیں اور وہ اب بھی اپنی بعض حاجتیں مزاروں پر پیش کرنے کے بعد ان کے پورا ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔ وہ مجاہدین کو جب اکثر اوقات نماز اور تلاوت میں مشغول دیکھتا تو کبھی کبھار ان کی عقیدت میں گرفتار ہو جاتا تھا۔ ایک بار اس نے مجاہدین کو دودھ میں سویاں ڈال کر کھلائیں...... یہ نوازش دیکھ کر سب مجاہدین حیران رہ گئے کیونکہ اس عقوبت خانے کا کھانا بہت بے حال ہوتا تھا...... پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں ان (بارہ مہمان مجاہدین) کو یہ کھانا کھلاؤں گا میری وہ حاجت پوری ہو چکی ہے۔ چنانچہ میں نے آپ لوگوں کو یہ میٹھا کھلایا ہے۔ اس کی بات سن کر سارے ساتھی ابکائیاں لینے لگے کہ معلوم نہیں اس نے کس کے نام کی نذر مانی تھی...... اور یہ کھانا معلوم نہیں جائز بھی تھا...... یا نہیں...... حالانکہ...... مجبوری...... بے بسی اور ناواقفیت وغیرہ جیسے عذر موجود تھے مگر آپس میں بحث چلتی رہی اور مذاکرہ ہوتا رہا...... دراصل اپنی آخرت سنوارنے کیلئے سلاخوں کے پیچھے آنے والے چند میٹھے لقموں کی خاطر اپنی آخرت بگاڑنے کے حق میں نہیں تھے۔ کرنل ڈاگر اکثر اوقات اپنی فراخدلی دکھانے کیلئے مجاہدین سے پوچھتا تھا کہ آپ لوگوں کو کوئی تنگی یا شکایت تو نہیں ہے؟ مجاہدین جانتے تھے کہ یہ سوال یا تو رسمی ہے یا کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ۔ اس لیے خاموش رہتے تھے۔ ایک بار اس نے بہت اصرار کے ساتھ پوچھا تو بعض ساتھیوں نے کہا کہ ہمیں ان تاریک سیلوں میں کئی ماہ گزر چکے ہیں۔ موسم

سخت جاڑے کا ہے اور ہم نے ابھی تک سورج کو نہیں دیکھا اور نہ اس کی حرارت سے لطف اندوز ہوئے ہیں۔ اگر ہمیں چند منٹ کے لئے ہی سہی دھوپ میں نکالا جائے تو برفانی موسم کی وجہ سے ہمارے کمزور پڑے جسموں کو کچھ راحت مل جائے گی...... کرنل ڈاگر سے بعض ساتھیوں کی یہ فرمائش مناسب نہیں تھی کیونکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی ہیں ایک مشرک سے نہیں۔ لیکن ساتھی تنگ وتاریک سیلوں اور سرد موسم سے بے حد پریشان تھا، ان کے بعض اعضاء صحیح طرح کام نہیں کر رہے تھے۔ اکثر کی آنکھیں اندھیرے میں رہنے کی وجہ سے کمزور پڑ چکی تھیں اور پھر روز روز کا تشدد زخموں پر نمک کا کام کرتا تھا۔ ادھر کرنل ڈاگر روزانہ سینہ پھلا کر کوئی فرمائش پوچھتا تھا۔ چنانچہ بعض ساتھیوں نے یہ فرمائش کر ڈالی...... کرنل ڈاگر سوچ میں پڑ گیا اور خاموشی سے چلا گیا...... اگلے دن آیا تو کہنے لگا آپ لوگوں کی ڈیمانڈ پر غور چل رہا ہے۔ یہ غور ایک ماہ سے زائد عرصہ تک جاری رہا...... اسی اثناء میں عید الاضحیٰ کا دن آ پہنچا کرنل ڈاگر نے اس دن ہمیں پہلی بار باہر نکالنے کا حکم دیا۔ انڈین آرمی کے سپاہی ہمیں سیلوں سے نکال کر ہماری قمیصیں ہمارے منہ پر ڈال کر رکوع کی حالت میں چلاتے ہوئے ہمیں سیلوں سے باہر نکال کر سلاخوں کی آہنی باڑھ کے قریب لے گئے یہاں چہروں سے کپڑا ہٹا کر ہمیں زمین پر بٹھا دیا گیا۔ چاروں طرف بہت سخت پہرا تھا اور انڈین سپاہی ہاتھوں میں تیار اسلحہ لیے کافی سراسیمہ دکھائی دے رہے تھے۔ کرنل ڈاگر کے بقول اس نے ایک بہت بڑا رسک ہماری خاطر لیا تھا۔ حالانکہ ہم عقوبت خانے کی چار دیواری اور باڑھ کے اندر ہی تھے چاروں طرف فوجی چھاؤنی اور مسلح پہرا تھا اس سب کے باوجود کرنل ڈاگر سمیت تمام فوجیوں کے چہروں پر خوف کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے۔

اس دن اچھی خاصی دھوپ نکلی ہوئی تھی ہمارے بدن اتنے عرصے کے بعد دھوپ کی حرارت پا کر عجیب کیفیت محسوس کر رہے تھے۔ سر سے لے کر پاؤں تک سرور کی ایک کیفیت بجلی کی طرح جسم میں دوڑ رہی تھیں۔ جسم خوش تھا لیکن آنکھیں چندھیا رہی تھیں ہم سارے اپنے گرد موجود فوجیوں سے بے نیاز اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم الشان نعمت کا سرور اٹھا رہے تھے۔ سری نگر میں سردی بہت سخت پڑتی ہے اور کئی کئی دن تک بھاری برف باری ہوتی رہتی ہے۔ کشمیری لوگ ہڈیوں کا گودا جمانے والی اس سردی سے بچنے کیلئے طرح طرح کے جتن کرتے ہیں۔ انگیٹھی، کانگڑی، نون چائے، فرن، موٹے گدّے، بھاری بھرکم لحاف، اونی زیر جامے (دراز)، گرم ٹوپیاں، سماوار اور بھی بہت کچھ...... اس کے باوجود سردی سے اف اف کرتے ہیں اور بعض

اوقات گرم علاقوں میں جا بستے ہیں...... ہم کئی ماہ سے اسی ٹھنڈے سری نگر میں تھے اور ہمارے پاس مذکورہ بالا انتظامات میں سے کچھ بھی نہیں تھا...... ٹھنڈے بستر اور پرانے کالے کمبل سردی سے بچنے کیلئے ناکافی تھے۔ اس لیے آج کی دھوپ بہت اچھی لگ رہی تھی...... اور ہمیں یاد دلا رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی اس مفت نعمت کا تم نے کبھی شکر تک ادا نہیں کیا تھا۔ اب کچھ عرصہ یہ نعمت چھن گئی تو تمہیں معلوم ہوا کہ اس کی قدر و قیمت کتنی زیادہ ہے۔ سورج نہایت آزادی کے ساتھ مسکرا مسکرا کر اپنی شعائیں بکھیر رہا تھا۔ یہ سورج ایک اللہ تعالیٰ کا سچا غلام بنا تو ہر کسی کی غلامی سے بچ گیا وہ ہم غلاموں کو آزادی کا راستہ بتا رہا تھا...... یعنی ایک اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت اور غلامی میں...... مسلمان کے لئے آزادی کی نوید ہے۔ ہم سارے خاموشی کے ساتھ سورج کی شعاؤں میں کھوئے ہوئے تھے اچانک کرنل ڈاگر نے مجھے کہا مولانا! آج آپ لوگوں کی عید ہے سنا ہے مسلمان اس میں حج کیلئے جاتے ہیں۔ آپ اس موضوع پر تقریر کریں۔ میں اس کی فرمائش پر کھڑا ہو گیا اور میں نے اسے اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے بیان شروع کر دیا، عید، حج اور بیت اللہ کا تذکرہ شروع ہوا تو ہم سب کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ میں نے بیان کے دوران بتایا کہ حاجی عاشقوں جیسا فقیرانہ لباس پہن کر دنیا اور اس کی زیب و زینت کو چھوڑ کر اپنے رب کی طرف دیوانہ وار دوڑتا ہے اس کے گھر کے چکر کاٹتا ہے حجر اسود کے بوسے بھرتا ہے وغیرہ وغیرہ اور ہر گھڑی یہ تلبیہ پڑھتا ہے:

لبيك اللهم لبيك لبيك لاشريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لاشريك لك

پھر میں نے تفصیل سے اس تلبیہ کا ترجمہ کیا اور خاص طور سے لاشریک لک کے لفظ کی خوب تشریح کی، وفاداری کبھی بھی شرک کو برداشت نہیں کرتی، کوئی شخص اپنی بیوی میں شریک کو برداشت نہیں کرتا مگر افسوس اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔ میں پورے زور کے ساتھ شرک کی نفی کر رہا تھا اور اس کے عقلی و نقلی نقصانات بتا رہا تھا اور مشرک کرنل ڈاگر نہایت غور کے ساتھ مبہوت ہو کر سن رہا تھا۔ میں نے زندگی میں بہت بیانات کیے ہیں مگر اس بیان کی کیفیت ہی الگ تھی۔ مشرکوں کی جیل بلکہ عقوبت خانہ، مشرکوں کا مسلح پہرہ، مشرک افسر کی موجودگی اور توحید کے حق میں اور شرک کے خلاف بیان، میں نے دیکھا کہ کرنل ڈاگر کی آنکھیں بھی بھیگ رہی ہیں مجھے یوں لگا کہ بات کا اثر اس کے دل پر ہوا ہے میں نے بیان ختم کر دیا اور ساتھیوں کے ساتھ

بیٹھ گیا۔ ساتھیوں کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ کرنل ڈاگر نے کہا آپ کے پاس ذہن سازی کا زبردست ملکہ ہے، ہم آئندہ بھی آپ سے بیانات کروایا کریں گے۔

چند منٹ دھوپ میں مزید بیٹھنے کے بعد ہمیں سابقہ حالت میں...... دوبارہ اپنے تاریک سیلوں میں بند کر دیا گیا۔

انڈین فوجیوں کے ان جیسے نام

عقوبت خانے میں جو افسر اور سپاہی متعین تھے وہ اکثر اپنا نام چھپاتے تھے۔ چنانچہ مجاہدین کو مجبوراً ان کے نام رکھنے پڑتے تھے۔ یہ نام ایک طرف تو بہت دلچسپ ہوتے تھے جب کہ دوسری طرف ان میں مجاہدین کی وہ نفرت بھی چھلکتی تھی جو ان کے دلوں میں کافروں کے لئے بھری پڑی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں مشرک فوجیوں کے دلچسپ ناموں کا سلسلہ شروع کروں دو باتوں کی وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے۔

ا۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کے نام بگاڑنے اور ایک دوسرے کے برے نام رکھنے سے روکا گیا ہے لیکن کفر پرست لوگوں کیلئے خود قرآن مجید میں فمثله كمثل الكلب جیسے الفاظ فرمائے ہیں، اسی طرح مکہ کے قریشی سردار کا نام بھی اسلام نے ابو جہل تجویز کیا ہے۔

۲۔ مجاہد ساتھیوں نے بعض موذی قسم کے فوجیوں کے نام بڑے خطرناک اور ناگفتہ بہ رکھ چھوڑے تھے...... میں اس مضمون میں ان ناموں کو حذف کر کے صرف قابل تحریر ناموں کا تذکرہ کروں گا...... باقی جب اللہ تعالیٰ ہمارے سب ساتھیوں کو رہائی عطا فرما دے گا تو وہ حضرات خود تشریف لا کر ان شاء اللہ اپنے دوستوں کو سارے نام بتا دیں گے، لیجئے انڈین آرمی کے چند

فوجیوں کے نام ملاحظہ فرمائیے:

رکشہ

سی ایم پی (سینٹرل ملٹری پولیس) کا اہلکار آسام کا ہندو فوجی وہ اپنے نام کا آخری حصہ ''رائے'' بتاتا تھا۔ رکشے کے ساتھ اس کی کئی طرح سے مشابہت تھی اس لیے مجاہدین نے اسے اس نام سے نواز رکھا تھا۔

ا۔ وہ اپنی گفتگو میں ٹ کا بہت استعمال کرتا تھا یہ لفظ رکشے کی آواز کے زیادہ مشابہ ہے مثلاً وہ کہتا تھا میرے ماٹا پٹا مجھے بوٹ یاڈ کٹے ہیں (میرے ماتا پتا (ماں باپ) مجھے بہت یاد کرتے ہیں)

۲۔ وہ تیز چلتا تھا اور رکشے کی طرح اچانک موڑ کاٹتا تھا۔

۳۔ قیدیوں کا سامان خرید کر لانا اس کی ذمہ داری تھی لیکن اس کے ریٹ رکشے کے میٹر کی طرح تھے...... بقول بعض ساتھیوں کے یہ شخص اس قدر لالچی ہے کہ اگر اسے رقم دی جائے تو نمازیں بھی پڑھے گا۔ الغرض اس کی ہر حرکت صرف اور صرف پیسے کی خاطر تھی اور اس کا میٹر ہر وقت رواں رہتا تھا۔ ویسے سچ یہ ہے کہ وہ دیکھنے میں بھی رکشے جیسا لگتا تھا۔

سنگھاڑا

یہ بڑی مونچھوں والا ایک فوجی تھا بظاہر کافی مہذب معلوم ہوتا تھا اور اکثر ہندوستانیوں کی طرح خود کو عقلمند سمجھتا تھا۔ اس کی مونچھیں اور خدوخال دیکھ کر دریائی مچھلی سنگھاڑا یاد آجاتی تھی اصلی نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ساتھی آپس میں اس کا تذکرہ اسی نام سے کیا کرتے تھے۔

اعمالِ بد

یہ تالاب تلو جموں کے عقوبت خانے میں ایک حوالدار تھا۔ چھوٹا سا قد اور انتہائی سیاہ رنگ، آنکھیں اور دانت دونوں بے حد پیلے اس کے منہ سے ہمیشہ شراب کی بو آتی تھی...... کالا رنگ بعض اوقات گورے سے بھی زیادہ خوبصورت اور نور بھرا ہوتا ہے لیکن اس شخص کی رنگت اس طرح تھی جس طرح کسی مردار جانور کا سڑا ہوا چمڑا۔ وہ رات کو ہماری ہتھکڑیاں دیکھنے آتا تھا کہ ان کے تالے لگے ہوئے ہیں یا نہیں؟ اس کے آتے ہی کمرہ بدبو سے بھر جاتا تھا۔ ساتھیوں نے اس کا نام اعمال بد رکھا ہوا تھا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان کے برے اعمال قبر میں ایک انتہائی بدصورت شخص کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ ساتھیوں کے بقول یہ ہمارے برے اعمال کی

صورت ہے جو ہر رات دکھائی دیتی ہے۔اس کا یہ نام ساتھیوں نے ہمارے جانے سے پہلے رکھا ہوا تھا۔ہم پہنچے تو اس سے واسطہ پڑا ساتھیوں نے نام اور وجہ تسمیہ بتائی تو بہت عبرت ہوئی۔

واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین

بیڑی شگریٹ

یہ لمبے قد کا ایک بھینگا فوجی تھا وہ جب بھی وارڈ میں داخل ہوتا تھا اسکی آمد کی خبر ان جہری دھماکوں سے ہوتی تھی جو وہ بڑی محنت سے خارج کرتا تھا...... ہندوستان کے فوجیوں میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی یہ بری عادت کہ مجلس میں بلند آواز سے ریح خارج کرتے ہیں بہت زیادہ ہے لیکن یہ فوجی ان سب میں ممتاز تھا اور اگر کبھی کھانے کے دوران وہ آ کر اپنے اس فن کا مظاہرہ کرتا تو کراہیت کی وجہ سے ہمارے نوالے گلے میں اٹک جاتے تھے۔رات کے اوقات میں اس کی آواز بہت گونجتی تھی اور بعض اوقات وہ زور لگاتے ہوئے منہ سے بھی کراہنے کی آوازیں نکالتا تھا۔ یقیناً انڈیا کو ایسے فوجیوں پر فخر ہونا چاہئے۔وہ ساتھیوں کے ساتھ گپ شپ بھی لگاتا تھا اور انہیں فکرمندی سے بتاتا تھا کہ میری تنخواہ میں شے ہر مہینے تیش روپے بیڑی شگریٹ پر خرچ ہو جاتے ہیں۔وہ سگریٹ کو ہمیشہ شگریٹ کہا کرتا تھا اور کشمیری مجاہدین میں بلند آواز سے اعلان کرتا تھا۔ بیڑی شگریٹ پینے والے باہر آ جاؤ۔غالباً اس کے اسی اعلان کی وجہ سے اس کا نام ہمارے رفقاء نے بیڑی شگریٹ رکھ دیا تھا۔وہ جب کسی سیل کا تالا کھولتا تو اس کا انداز بہت عجیب ہوتا تھا ہمارے کئی ساتھی اس کی نقل اتار کر دوسرے ساتھیوں کو سامان تفریح فراہم کرتے تھے۔ایک بار اس کی بغل میں پھوڑا نکل آیا۔وہ میرے پاس آیا کہ دم کر دو میں نے ویسے ہی ٹال دیا دوسرے دن اس نے اصرار کیا تو دم کرنا پڑا۔اللہ تعالیٰ نے اس دن شفاء اس کا مقدر کر رکھی تھی وہ بہت خوش ہوا اور مجھے آ کر کہنے لگا:''پرشوں تم نے ویشے ہی دم کیا تھا اں کل تم نے عقل شے دم کیا۔''

بچونگڑا اور پٹھا

یہ ایک سکھ فوجی تھا جس نے عقوبت خانے میں مجاہدین کے ساتھ بے حد تعاون کیا اور کئی نازک مراحل پر کام آیا اس کا نام سب کو معلوم تھا لیکن باہمی تذکرے میں اگر اس کا نام لیا جاتا تو اس کے پکڑے جانے کا خطرہ تھا اس لیے ابتداء میں اس کا نام بچونگڑا (چھوٹا بچہ) تجویز کیا گیا اور بعد میں یہ نام بدل کر پٹھا رکھ دیا گیا۔

چور، مخنث

یہ سی ایم پی کا ایک نائیک تھا، قد لمبا، جسم پتلا اور چہرہ وحشت زدہ۔ وہ جب بھی آتا اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی ہوتی تھیں اور چہرے پر وحشت صاف نظر آتی تھی۔ ساتھیوں نے کہا کہ یہ تو کوئی چور لگتا ہے۔ چنانچہ یہی نام اس کے لئے تجویز ہو گیا لیکن چند دن کے بعد جب اس کے مزید جوہر کھلے تو ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ گفتگو کے دوران اپنے دونوں ہاتھ کھول کر انہیں بعض خواتین کی طرح خوب ہلاتا تھا اور بعض باتوں کے دوران کولھے بھی مٹکاتا تھا۔ بھوک ہڑتال کے زمانے میں ایک مرتبہ رات کو شراب پی کر آ گیا اور میری منتیں کرنے لگا کہ تم کھانا کھا لو کھانا نہ کھانے سے تمہاری سمسیا کا سمادھان نہیں ہونے والا۔ میں نے انکار کیا تو لاڈ سے کہنے لگا میری خاطر کھا لو، میں نے ہنسی ضبط کر کے پھر انکار کیا تو دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ہلا کر منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا ''جاؤ ہم تم سے نہیں بولتے۔''

وہ سین کو ث کے تلفظ سے ادا کرتا تھا۔ ابتدائی زمانے میں اس نے مجاہدین پر بے انتہا مظالم ڈھائے مگر آہستہ آہستہ کمزور پڑ گیا اس کی مذکورہ بالا حرکتوں کی وجہ سے شوریٰ نے اس کا نام مخنث تجویز کیا۔

بھیڑا

یہ سی ایم پی (سینٹرل ملٹری پولیس) کا ایک نائب صوبیدار تھا۔ شروع میں اس کی کرخت شکل دیکھ کر سارے پریشان ہوتے تھے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا مزاج بھی کافی سخت ہے چنانچہ اس کا نام بھیڑا (برا) رکھ دیا گیا۔ وہ اس زمانے میں انچارج بن کر آیا جب مجاہدین نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عقوبت خانے کا ماحول کافی نرم کرا لیا تھا۔ اس نے آتے ہی دوبارہ سختی کی کوشش کی لیکن بری طرح ناکام رہا۔ ابتداء میں اس عقوبت خانے میں یہ لازم تھا کہ جب بھی کوئی آفیسر آتا تھا ہر قیدی کو کھڑے ہو کر اس کے سامنے جے ہند کہنا پڑتا تھا مگر مہمان مجاہدین نے بڑی محنت کر کے اس ماحول کو بدل دیا اور حالت یہاں تک آ پہنچی کہ بڑے سے بڑے افسر کے آنے پر جے ہند کہنا تو در کنار کوئی کھڑا ہونا بھی گوارہ نہیں کرتا تھا بلکہ بعض اوقات جب کوئی بڑا فوجی افسر آتا تو مجاہدین اپنی ٹانگوں کو مزید پھیلا لیا کرتے تھے۔ اس ماحول میں بھیڑے نے جب چارج سنبھالا تو وہ بہت سٹپٹایا۔ ایک بار وہ کسی بڑے فوجی افسر کو لے کر آیا تو مجاہدین نے اسے کوئی گھاس نہیں ڈالی بلکہ اپنے سیلوں میں اس کے سامنے لیٹے رہے۔ اس افسر نے بھیڑے کی کھچائی

کر دی۔ تھوڑی دیر بعد بھیڑا غصے سے مزید کالا ہو کر کانپتا ہوا آیا اور ہمیں جمع کر کے کہنے لگا: اگر آئندہ کسی افسر کے آنے پر تم لوگ کھڑے نہ ہوئے اور تم نے اسے جے ہند نہ کہا تو پھر میں تمہارے ساتھ بہت برا پیش آؤں گا۔ ہم نے آپس میں مشورہ کیا اور اپنے موجودہ طرز عمل کو برقرار رکھنے کا عزم کر لیا۔ اگلے دن بھیڑا ایک اور افسر کو لے کر آ گیا اسے یقین تھا کہ آج پاکستانی مجاہد سدھر گئے ہوں گے مگر کوئی ساتھی ٹس سے مس نہیں ہوا اور بعض باہمت افراد نے تو اس افسر کے سامنے اپنی ٹانگوں کو مزید پھیلا لیا اور اس کے پوچھنے پر اسے کافی کڑوے جوابات بھی دیئے۔ انڈین آرمی کے اس عقوبت خانے میں یہ جرأت و ہمت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی نصرت اور آپس کے اتفاق کی بدولت تھی۔ اللہ تعالیٰ ان بلند ہمت ہستیوں کو پوری امت مسلمہ کی طرف سے جزائے خیر عطاء فرمائے۔

ڈسپلن

یہ بہت احمق حوالدار تھا۔ وارڈ میں آتے ہی کہتا تھا کہ سارے ڈسپلن سے رہا کرو۔ اس کے اس اعلان کی وجہ سے اس کا نام ڈسپلن پڑ گیا تھا۔ آزاد کشمیر کے ایک ساتھی اسے بوجا (بندر) بھی کہا کرتے تھے۔ اس شخص کی حماقتوں پر اگر قلم اٹھایا جائے تو ایک عبرتناک کتاب وجود میں آ سکتی ہے۔ شروع میں اس نے مجاہدین پر کافی ظلم و ستم ڈھائے لیکن جب ذہین مجاہدین نے اس کے ساتھ کھیلنا شروع کیا تو وہ مجاہدین کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر رہ گیا۔ کوئی اسے زمین پر لٹاتا تھا۔ کوئی اس سے سلاخوں پر مکّے مرواتا تھا کوئی اسے دوسرے فوجیوں سے لڑاتا تھا وہ چرس کے نشے کا عادی تھا۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ میں تو بھگوان سے کہوں گا کہ دوسرے جنم میں مجھے سور (خنزیر) بنا دے، سارا دن آرام سے کیچڑ میں پڑا رہوں گا۔ ہم اسے کہتے جناب آپ کے ہاتھ لوہے کی طرح مضبوط لگتے ہیں تو اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو لوہے کی سلاخوں پر مارنے لگ جاتا جس سے پہنچنے والی تکلیف اس کے چہرے پر صاف نظر آتی۔ لیکن وہ تعریف کیلئے شوق میں مسلسل مکّے مارتا رہتا تھا۔ وہ اکثر اپنی غیرت اور انتقام کا ایک واقعہ سنایا کرتا تھا یہ واقعہ چونکہ انڈین حکومت کی پالیسیوں اور اس کے مزاج کو سمجھنے میں کافی مددگار ثابت ہو سکتا ہے اس لیے مجبوراً ذکر کیا جا رہا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ ایک بدمعاش شخص نے ایک بار میری پٹائی کر دی۔ میں بھاگ کر اپنی بڑی بہن کے پاس گیا اور اسے پورا قصہ سنایا۔ میری بہن سخت غصے میں آ گئی اور کہنے لگی اس نے پرتھوی راج چوہان جیسے راجہ کی نسل پر ہاتھ اٹھایا ہے میں اسے نہیں بخشوں گی۔ اگلے دن وہ بدمعاش بازار

گیا تو میری بہن راستے میں چھپ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ قریب سے گزرا تو بہن نے اپنی ساڑھی پھینک کر شور مچادیا کہ اس نے میری عزت پر ہاتھ اٹھایا ہے۔لوگوں نے جب یہ بات سنی اور منظر دیکھا تو اس آدمی کی خوب دھنائی کردی۔شام کو وہ پٹیاں باندھ کر جارہا تھا تو میں نے اسے کہا دیکھا ہمارا انتقام۔آج ہندوستان بھی مجاہدین اور پاکستان کو اسی طرح بدنام کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ اس میں اس کی اپنی کتنی بے عزتی اور بے غیرتی ہے۔

ڈسپلن کے ساتھ ایک بار یہ دلچسپ واقعہ بھی پیش آیا کہ وہ ایک دن میرے سیل پر آ کر اپنا سر پکڑ کر کہنے لگا مجھے سر میں سخت درد ہورہا ہے۔کوئی گولی تو بتاؤ میں نے کہا زڑکئی کی ایک گولی آپ کے دردسر کو ٹھیک کردے گی۔ وہ یہ نام یاد کرکے دوسرے سیل پر گیا اور پوچھنے لگا کیا واقعی زڑکئی کی گولی سے دردسر ٹھیک ہوجائے گا؟ تو میرے ساتھیوں نے تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ ایک گولی کے بعد پھر کبھی آپ کو اس سر میں درد نہیں ہوگا (نوٹ: زڑکئی پشتو میں لائٹ مشین گن کو کہتے ہیں انڈیا کے مشرک اس لفظ کا معنی نہیں سمجھتے)

پاٹے خان

یہ بہت چھوتے قد کا ایک پنڈت تھا۔فوج میں بھرتی ہونے کے باوجود سارا دن پنڈت گیری کرتا رہتا تھا۔کسی کا ہاتھ دیکھ کر قسمت بتاتا اور کبھی زاویئے بناتا رہتا تھا اس کی شکل، آواز اور قد کو دیکھ کر سخت پریشانی اور وحشت ہوتی تھی۔ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہیں لیکن کفر کی نحوست بہت بری ہے وہ سب کچھ بگاڑ کر رکھ دیتی ہے۔ساتھیوں نے اس کا نام پاٹے خان تجویز کیا جو خوب پسند کیا گیا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں سو سال تک نہیں مروں گا۔ایک بار اس نے یا کسی اور ہندو فوجی نے ہمارے ایک سیدھے سادے ساتھی کے سامنے فخر سے سینہ پھلا کر کہا میں نے زندگی بھر کبھی انڈہ یا گوشت نہیں چکھا۔اس ساتھی نے بے ساختہ کہا: خسر الدنیا والآخرۃ (دنیا بھی خسارے میں اور آخرت بھی) وہ تو نہ سمجھ سکا البتہ تمام ساتھی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوگئے۔

کچھ تذکرہ کھانے کا

بادامی باغ سری نگر کے عقوبت خانے کا کھانا بہت عجیب تھا۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ہمیشہ رہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ پسند آیا تو تناول فرمالیا اور اگر طبیعت آمادہ نہ ہوئی تو چھوڑ دیا۔ پھر اس سلسلے میں اہم بات یہ بھی ہے کہ مسلمان کیلئے ''کھانا'' مقصود نہیں محض ایک ضرورت ہے۔ جبکہ کافر کھانے کو مقصود سمجھتے ہیں۔ چنانچہ آپ کسی بھی کافر کا کوئی سفرنامہ پڑھیں تو آپ کو اس میں کھانے کا تذکرہ نہایت تفصیل کے ساتھ ملے گا۔ انڈیا میں قیام کے دنوں میں جب جیل میں اخبارات ملنا شروع ہوئے تو کئی ہندو اور سکھ قلم کاروں کے مضامین اور سفرنامے پڑھنے کا موقع ملا۔ مشہور سکھ قلمکار خشونت سنگھ، انڈین پارلیمنٹ کے رکن ست پال مہاجن اور دوسرے بہت سارے ادیب اور قلمکار جب بھی اپنا کوئی سفرنامہ لکھتے ہیں تو اس میں بنیادی چیز کھانا ہوتی ہے۔ انڈیا کے موجودہ وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی تو اپنے چٹورے پن کی وجہ سے اکثر اخبارات کا موضوع بنتے ہیں اور ان کے ہر ملکی اور غیر ملکی دورے کے دوران ان کے کھانے کی فہرست اخبارات کی زینت بنتی ہے۔ جیل میں چھ سالہ قیام کے دوران جب بھی کسی

مشرک افسر کا دورہ ہوا اس نے ازراہ ہمدری پہلا سوال یہی کیا کہ کھانا ملتا ہے یا نہیں؟ ہم جب اثبات میں جواب دیتے تو وہ کہتا کہ آپ لوگوں کو اور کیا چاہئے آرام سے کھانا مل رہا ہے۔ کھانے کے ساتھ ہندوؤں کے اس تعلق کو دیکھ کر ہمیں ہمیشہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان گرامی یاد آتا تھا کہ کافر سات آنتوں سے کھاتا ہے جبکہ مومن صرف ایک آنت سے کھاتا ہے۔ اسلام کی انہیں تعلیمات اور اسلام کے اسی مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے دل نہیں چاہتا کہ اس تحریری سلسلے میں کھانے کے بارے میں مفصل تذکرہ کیا جائے لیکن چونکہ یہ بھی تصویر کا ایک اہم رخ ہے کہ مجاہدین کو گرفتار ہونے کے بعد کس طرح کے سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے تاکہ کافروں کے انسانیت نوازی کے نعروں کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے اور مجاہدین بھی ذہنی طور پر ہر طرح کے حالات کیلئے تیار رہیں۔ اس لیے مختصر سا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے...... بادامی باغ سری نگر کے عقوبت خانے میں مجاہدین کو تین ٹائم کا کھانا دیا جاتا تھا۔ صبح کے وقت بغیر دودھ کے کڑوا قہوہ اور پرانی ڈبل روٹی کے دو ٹکڑے...... دوپہر کو ابلی ہوئی بے مرچ بے مصالحہ بے روغن سبزی اور ریت ملے آٹے سے بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی چپاتیاں...... یہی کھانا شام کو بھی ہوتا تھا۔ عقوبت خانے کے ملازمین نے بتایا کہ سالن میں مصالحہ ڈالنے کیلئے فی قیدی ہر ماہ صرف ایک روپیہ ملتا ہے اور بس۔ ابتداء میں یہ کھانا منہ اور حلق میں اتارنا کافی دشوار تھا۔ کئی دن تک صرف ایک دو لقمے پر چوبیس گھنٹے گزر جاتے تھے یہ دیکھ کر بعض فوجی نہایت ہمدردی کے انداز میں کہتے تھے کھاؤ گے نہیں تو کیسے زندہ رہو گے؟ اور بعض فوجی آپس میں یہ بھی کہتے ہوئے سنے گئے کہ معلوم نہیں یہ اس قدر کم کھا کر کس طرح زندہ رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رزاق ہے چند دن کی آزمائش ہمارے بھلے کیلئے تھی۔ وہ رب جو یہ آزمائش لایا تھا۔ اس نے برداشت بھی خوب عطا فرما دی اور دل میں تلاوت وغیرہ کا شوق کھانے پر اس طرح سے غالب آ گیا کہ کھانے کی طرف توجہ تک نہیں ہوتی تھی اور کئی وقت ایسے بھی گزر جاتے تھے کہ ایک لقمہ بھی نہیں لیا جاتا تھا۔ کھانا لانے والوں میں بعض مسلمان بھی تھے۔ وہ یہ صورتحال دیکھ کر بعض اوقات رو پڑتے تھے اور تنہائی میں کھانا کھانے کی نصیحت کرتے تھے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا رزق صرف روٹی سالن کے لقموں کی صورت میں نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ مختلف طریقوں سے اپنے بندوں کو روزی عطا فرماتے ہیں۔ یہ روزی کسی کو کھانے کی صورت میں، کسی کو ذکر کے ذریعے بھوک ختم کرنے کی صوت میں اور کبھی صبر وقناعت کی

صورت میں نصیب ہوتی ہے۔

ذكرك للمشتاق خير شراب
وكل شراب دونه كسراب

محبت کرنے والے کے لئے آپ کا ذکر ہی بہترین شربت ہے اور دوسرے شربت اس کے مقابلے میں سراب (کی طرح بے حقیقت) ہیں۔ کچھ دن ظاہری آزمائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس تنگ ظلمت کدے میں انواع واقسام کی ظاہری روزی بھی پہنچانا شروع فرمادی۔ ذیل میں اس سلسلے کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے:

بہنوں کی قربانی

گرفتاری کے وقت جو رقم ہمارے پاس تھی وہ انڈین سپاہیوں نے ہڑپ کرلی میرے پاس پاسپورٹ کے ساتھ بارہ سو ڈالر بھی تھے جو بروقت اطلاع کرنے کی وجہ سے کاغذوں میں محفوظ رہے۔ جموں کے ایک جج نے گرفتاری کے ساڑھے پانچ سال بعد یہ فیصلہ سنایا کہ یہ ڈالر قیدی کو واپس دیئے جائیں۔ اس فیصلے پر ابھی عمل درآمد نہیں ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو رہائی نصیب فرمادی۔ رہائی کے وقت یہ ڈالر مجھے واپس نہیں کیے گئے اور یوں انڈیا ابھی تک ان ڈالروں کا مقروض ہے۔ چونکہ گرفتاری کے وقت ساری رقم لے لی گئی تھی۔ اس لیے ہم جب بادامی باغ سری نگر کے اس عقوبت خانے میں پہنچے تو بالکل خالی ہاتھ تھے۔ ابتداء میں کئی دن اسی طرح گزرے لیکن پھر کشمیری مسلمان بہنوں کی قربانی سے رقم پہنچنا شروع ہوگئی۔ یہ بہنیں اپنے بھائیوں سے ملاقات کیلئے جیل کے بیرونی حصے میں آتی تھیں تو ساتھ کچھ رقم بھی نہایت ہوشیاری سے چھپا کر لے آتی تھیں۔ حالانکہ لیڈی پولیس کی طرف سے تلاشی کا سخت انتظام تھا لیکن کشمیر کی مائیں بہنیں تو مجاہدین کو اسلحہ تک پہنچاتی ہیں۔ ان غیر تمند، باحیا اور بہادر بیٹیوں کے لئے چند نوٹ لانا کون سا مشکل کام تھا...... اسی طرح جیل کے بعض ملازمین بھی یہ خدمت سرانجام دیتے تھے۔ باہر مجاہدین نے ان سے رابطہ کیا اور اندر ہم نے ان پر ڈورے ڈالے اور چند دن بعد ہمارے لیے جیل میں رزق کی تنگی ختم ہوگئی۔

اس عقوبت خانے کی انتظامی نگرانی سی ایم پی یعنی سینٹرل ملٹری پولیس کے پاس تھی۔ یہ فوج کی پولیس ہوتی ہے اور اس کے اہلکار سر پر سرخ ٹوپی پہنتے ہیں۔ ان کے بازو پر وردی کے اوپر

ایک پٹی ہوتی ہے جس پر انگریزی میں ایم پی یعنی ملٹری پولیس لکھا ہوا ہوتا ہے۔ آپ نے پاکستان میں بھی اسی قسم کی فوجی پولیس کو بعض اوقات ٹریفک کنٹرول کرتے دیکھا ہوگا۔ ہمارے یہاں عقوبت خانے پر سی ایم پی کے کئی ملازم متعین تھے ان میں سے ایک آسام کا ہندو ''رائے'' تھا جو اپنی باتوں اور سخت رویے سے انڈیا کا بے حد وفادار معلوم ہوتا تھا۔ اس عقوبت خانے کے قیدی فوجی قانون کے مطابق صرف تین چیزیں باہر سے خرید سکتے تھے، ڈبل روٹی، سگریٹ اور بیڑی، ان اشیاء کی خریداری کا کام ''رائے'' کے ذمہ تھا۔ قیدیوں نے اسے چارہ ڈالا تو وہ پھنس گیا اور اپنے من مانے ریٹ پر تمام وہ چیزیں لا کر دینے لگا جو اس عقوبت خانے میں ممنوع تھیں۔ وہ اپنی نوکری بچانے کیلئے رشوت نہیں لیتا تھا لیکن چیزوں کے بھاؤ اس قدر لیتا تھا کہ خود وہ اور اس کا آفیسر آہستہ آہستہ مالدار ہوتے جا رہے تھے، مکھن، بسکٹ، موم بتیاں، مٹھائیاں، پھل، اچار، چٹنیاں اور معلوم نہیں کیا کیا وہ لا کر دیدیتا تھا۔ ان دنوں اس کی ملکی وفاداری بھی ہلکی پڑ گئی تھی اور وہ ہمدردی والی باتیں کیا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ سب قیدیوں کو جھوٹ بولنے کی باقاعدہ عملی مشق کراتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ میں بڑا افسر بن کر آؤں گا اور آپ لوگوں سے پوچھوں گا کہ کیا کیا ملتا ہے؟ آپ نے جواب دینا ہے بریڈ (ڈبل روٹی)، بیڑی، سگریٹ۔ چنانچہ وہ افسر کے انداز میں آکر پوچھتا اور قیدی اس کا سکھلایا ہوا جواب دیتے جس پر اسے اطمینان ہو جاتا کہ اگر اچانک کسی بڑے افسر نے چھاپا مار کر قیدیوں سے پوچھ لیا تو خلاف قانون آنے والی چیزوں کا اظہار نہیں ہوگا۔ میرے سیل میں آزاد کشمیر کے ایک مجاہد بند تھے ان کی طبیعت میں مزاح کا عنصر تھا۔ ایک بار جھوٹ کی مشق کے دوران رائے نے اس سے آکر پوچھا ''کیا ملتا ہے؟'' اس نے کہا ''بریڈ، بٹر، (مکھن) سگریٹ'' یہ سن کر رائے پریشانی سے سٹپٹا گیا اور کہا ''کتنا بار شو مجھایا ہے پھر بھی نوھیں شمجھتا (کتنی بار سمجھایا ہے پھر بھی نہیں سمجھتا) بٹر (مکھن) نہیں بولنا''۔ پھر رائے نے دوبارہ افسر بن کر پوچھا ''کیا ملتا ہے؟'' مجاہد نے کہا ''بریڈ، بٹر...... نہیں نہیں بٹر نہیں ملتا، بالکل نہیں ملتا''...... رائے یہ سن کر بہت پریشان ہوا اور مجھے کہنے لگا ''زناب آپ اشے شو مجھائیں یہ شاب کو فشوائے گا۔ (جناب آپ اسے سمجھائیں یہ سب کو پھنسوائے گا) میں نے کہا ''آپ پریشان نہ ہوں میں اسے سمجھا دوں گا۔''

رائے کی فراخ دلی کو دیکھ کر ہم نے اپنے کھانے میں اجتماعی سدھار کر لیا اور وہ اس طرح کے کچھ اچار، پیاز وغیرہ منگوالیا گیا ہر کھانے کے ساتھ پیاز کاٹ کر اس میں کچھ اچار ملا کر

ساتھیوں کو دے دیا جاتا جس سے کھانا آسانی حلق سے اتر جاتا تھا۔

لڈو اور مچھلی

بعض ساتھیوں کے پاس زیادہ رقم آئی تو انہوں نے لڈو منگوا کر سب ساتھیوں میں تقسیم کیے، یہ لڈو جیل میں بڑی نعمت محسوس ہوتے تھے۔ ساتھیوں نے اپنے حصے کے لڈو سنبھال کر رکھ لیے اور پاکستانی رواج کے مطابق کھانے کے بعد آدھا یا پورا کھانے لگے، اس طرح ڈیڑھ دو دن کھانے کے بعد میٹھا کھانے کی پاکستانی عادت بھی پوری ہوگئی۔ معاملہ آگے بڑھا تو بعض رفقاء نے رائے کو مچھلی کے ڈبے لانے پر راضی کرلیا وہ پیک مچھلی کے چھوٹے ڈبے لے آیا لیکن یہ تجربہ کامیاب نہیں ہوا اور مچھی کی بو نے ذائقہ گیری کے متوالوں کو مایوس کر دیا۔

موم بتی پر سالن

بعض ساتھی رائے سے موم بتیاں منگوانے میں کامیاب ہوگئے۔ ابتداء میں یہ موم بتیاں اندھیرے میں تلاوت کے کام آتی تھیں لیکن جب ان کی مقدار بڑھ گئی تو ایک ماہر ساتھی نے ان موم بتیوں پر سالن کی اصلاح شروع کر دی۔ وہ دو تین موم بتیاں جلا کر ان کے گرد گتے کے ڈبوں کا چولھا بناتا اوپر پلیٹ رکھ کر اس میں مکھن اور کٹی ہوئی پیاز ڈال دیتا۔ پھر اس میں جیل کے سالن کو تڑکا لگا دیتا۔ یہ عیاشی چند دن تک جاری رہی لیکن پھر اس پر پابندی لگ گئی۔ کچھ دن تک انہیں موم بتیوں پر پیاز، مکھن اور مرچوں کی ایک چٹنی بھی بنتی رہی جسے سالن میں ڈال کر سالن کو خوش ذائقہ بنالیا جاتا تھا۔ یہ چیزیں چونکہ سخت غیر قانونی تھیں اس لیے ان کی مدت بہت کم ہوتی تھی۔

جیل کا حلوہ

موم بتیوں کا دور آیا تو صبح کا ناشتہ شاہانہ ہوگیا۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ صبح کے ناشتے میں ڈبل روٹی کے دو پیس اور کڑوا قہوہ ملتا تھا جب فتوحات کا زمانہ شروع ہوا تو مکھن منگوالیا گیا جو پرانی ڈبل روٹی کو لذیذ بنا دیتا تھا۔ موم بتیوں کے دور میں مزید سدھار رہا کہ مکھن کے ذریعے ڈبل روٹی کو تل لیا جاتا جو بے حد لذیذ ہو جاتی تھیں۔ انہیں دنوں ایک مجاہد ساتھی جسے بیکری کے کام کا کافی تجربہ تھا اس نے اس عقوبت خانے میں حلوہ کھلانے کی پیشکش کی۔ اس کے لئے کہیں سے ایک باریک رسی (موٹے دھاگے) اور ایک برتن کا انتظام ہوگیا۔ اس نے رسی کا ایک سرا اپنے سیل کی چھت (سلاخوں) کے ساتھ باندھا اور دوسرے سرے کے ساتھ برتن کو باندھ کر زمین سے تھوڑا اوپر لٹکا دیا پھر نیچے موم بتیاں جلا کر مکھن کو اسی برتن میں گرم کیا اور اس میں چینی کو

بھونا پھر ڈبل روٹیوں کو پانی میں چورا کر کے اس میں ڈال کر خوب اچھی طرح پکالیا اور یہ عجیب وغریب سا حلوہ ساتھیوں کو پیش کر دیا۔ دو دن تک یہ حلوہ بہت مقبول رہا لیکن پھر اس کے خلاف بعض آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں اور کچھ رفقاء نے اس پر کچے پن کا الزام لگا دیا۔ اختلاف رائے کی وجہ سے یہ حلوہ زیادہ دن تک اپنا جلوہ نہ دکھا سکا۔ ویسے بھی موم بتیوں کا ترقی یافتہ دور بہت مختصر تھا۔

عقوبت خانے میں بھنی ہوئی مرغی

عید کے دن کشمیری بھائیوں کی ملاقات آئی تو ان کے اہل خانہ نے ہمارے لیے مرغی کا بھنا ہوا لذیذ گوشت بھجوایا۔ سچ یہ ہے کہ کھاتے وقت گوشت کا مزہ کم اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا لطف زیادہ آ رہا تھا۔ کہاں یہ ظلم کا گڑھ اور کہاں یہ اعلیٰ درجے کے کھانے۔ واقعی یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ جیل کے نگران نصیب سنگھ تک یہ کارگزاری پہنچی تو اس نے کشمیریوں پر پابندی لگا دی کہ وہ ملاقات پر سے کوئی چیز جیل میں نہ لایا کریں۔ اس پابندی پر بہت سختی سے عمل کرایا گیا۔ چنانچہ کشمیری مسلمان ہمارے لیے جو کچھ پکا کر لاتے تھے وہ انہیں یا تو واپس لے جانا پڑتا تھا یا جیل ملازموں کو کھلانا پڑتا تھا۔ اس پابندی سے پہلے کشمیری سیب ہمارے پاس بکثرت پہنچتے تھے لیکن پابندی کے بعد ان تمام نعمتوں پر قدغن لگ گئی۔

والحمدللہ رب العالمین علی کل حال

بڑا کھانا

فوجی اصطلاح میں اچھے کھانے کو بڑا کھانا کہا جاتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ روزانہ کی خوراک میں سے کچھ رقم جمع کر لی جاتی ہے اور جب کوئی تہوار وغیرہ ہوتا ہے تو اس جمع شدہ رقم سے اچھا کھانا پکا کر کھایا جاتا ہے، یہ بڑا کھانا پاکستانی فوج میں بھی ہوتا ہے البتہ ہم نے یہ اصطلاح سب سے پہلے بادامی باغ کے عقوبت خانے میں سنی تھی۔ جہاں ہمیں عید سے ایک دن پہلے ہی بتا دیا گیا کہ کل آپ لوگوں کو بڑا کھانا دیا جائے گا۔ صبح کا ناشتہ حسب معمول تھا ہم سمجھ گئے کہ بڑا کھانا صرف ایک وقت کا ہوگا۔ پورے دن کا نہیں، دوپہر کے وقت لنگر کے فوجی خلاف معمول کئی دیگچے اور پتیلیاں اٹھا کر لائے، یہ سارے اوپر سے ڈھکے ہوئے تھے، اس سے پہلے ہمارا کھانا ایک بڑی بالٹی میں آتا تھا آج بالٹی کی جگہ دیگچے بڑے کھانے کی علامت نظر آ رہے تھے کھانا ابھی تقسیم ہونا باقی تھا کہ ایک کشمیری مجاہد کے پیٹ میں تکلیف شروع ہوئی وہ درد کی شدت

سے لوٹنے پوٹنے لگا۔ باقی قیدیوں نے ڈیوٹی پر موجود سنتری کو بتایا وہ عقوبت خانے کے فوجی کمپاؤنڈر کو بلا لایا کمپاؤنڈر چھٹی کا دن شراب کے نشے میں منا رہا تھا۔ ویسے بھی وہ بہت ظالم فوجی اور آسام کا متعصب ہندو تھا۔ اس نے اس مجاہد کو میڈیکل روم میں لے جا کر بری طرح تشدد کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ بیمار مجاہد کی چیخیں پورے عقوبت خانے میں گونجنے لگیں، اپنے کمروں اور سیلوں میں موجود قیدی یہ چیخیں سن کر بے تاب ہو گئے۔ عید کا خوشیوں بھرا دن دشمن کی قید اور پھر یہ اندوہناک ظلم اکثر ساتھی بستروں میں منہ ڈال کر رونے لگا اور احتجاج کی فضا قائم ہو گئی۔ بیمار مجاہد کو مار پیٹ کر واپس لایا گیا تو اس کی حالت دیکھ کر سارے مجاہدین آہ و بکاء میں ڈوب گئے۔ جیل حکام نے بیچ بچاؤ کی کوشش کی مگر غم و غصے کی فضا بہت گرم ہو چکی تھی اور مجاہدین اس آسامی کمپاؤنڈر کو مارنے پر تلے ہوئے تھے۔ جیل حکام نے معذرت کے بعد کھانا پیش کیا تو کسی نے نہیں کھایا حالانکہ اس عید میں ملاقات پر سے کچھ لانے پر بھی پابندی لگ چکی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دیگچیاں اور پتیلے واپس جا رہے تھے اور مجاہدین کرام عید کے دن بھوکے پیٹ اور غمگین دل کے ساتھ بہت یاد کر رہے تھے۔

عقوبت خانے میں جنات کا پیچھا

عقوبت خانوں میں اکثر مجاہدین عبادات کا خوب اہتمام کرتے تھے۔ عام لوگ بعض قرآنی آیات کو مدنظر رکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ مشکل وقت میں زیادہ عبادت کرنا مشرکین کا طریقہ ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے قرآن مجید میں مشرکین کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ صرف مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں جبکہ عام حالات میں اسے بھول جاتے ہیں اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ لیکن مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے، اسی طرح مشکل حالات میں اللہ تعالیٰ کو خوب پکارنا اور اس کے حضور آہ و زاری کے ساتھ توبہ استغفار کرنا اور اس کی نصرت کا سوال کرنا یہ بھی مومن کی صفت ہے۔

كما فى قوله تعالىٰ: حتى يقول الرسول والذين آمنوا معهٗ متى نصر الله (الآية)

مصیبت، مشقت اور تکلیف کی حالت میں انسان کا دل نرم ہو جاتا ہے اور اس پر سے دنیا کی فانی محبت کا زنگ اترنے لگتا ہے تب عبادات کی طرف زیادہ توجہ ہوتی ہے اور اس کی عبادت میں کسی قدر جان بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ البتہ کچھ شقی القلب لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مصیبت کی گھڑیوں میں پہلے سے زیادہ گناہگار بن جاتے ہیں اور ان کا دل سخت قسم کا باغی بن جاتا ہے۔

اس کیفیت میں مبتلا ہونا مصیبت در مصیبت ہے اللہ تعالیٰ اس سے حفاظت فرمائے۔ بادامی باغ کے عقوبت خانے میں بعض ساتھیوں نے ابتدائی طور پر زیادہ عبادت کی طرز اپنائی تو انہیں دیکھ کر باقی ساتھیوں کو بھی ترغیب ہوئی اور چند دنوں کے اندر اندر ماحول میں واضح تبدیلی نظر آنے لگی۔ (درحقیقت مجاہد کو ہر حال میں خوب عبادت گزار ہونا چاہئے کیونکہ اپنے نفس کو جہاد پر آمادہ رکھنا اور دشمنوں پر غلبہ پانا یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے بغیر ممکن نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کے لئے نیت اور اعمال کا درست ہونا بے حد ضروری ہے۔ چنانچہ وہ مجاہدین جو نماز، تلاوت اور ذکر کا اہتمام نہیں کرتے وہ بہت جلد جہاد سے دور ہو جاتے ہیں اور صرف نام کے مجاہد بن کر رہ جاتے ہیں)۔

وہ عبادات جن کا ساتھیوں نے زیادہ اہتمام کیا یہ ہیں:

تلاوت کی کثرت، ذکر اللہ کا اہتمام، تہجد اور دیگر نوافل کی پابندی، نفل روزوں کی ترتیب اور آیت کریمہ کے ختمات۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں مقابلے اور مسابقے کی خاصیت رکھی ہے۔ چنانچہ عبادات میں ساتھی چپکے چپکے ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے لگے اور ہر ایک نے دوسرے سے بڑھ کر خود کو عبادت کی باسعادت مشقت میں ڈالا۔ بعض ساتھیوں نے مسلسل چالیس چالیس دن نفل روزے رکھے۔ بعض نے ماضی کی قضاء نمازوں اور روزوں کی ترتیب شروع کر دی، بعض نے آیت کریمہ اور اللہ الصمد کے ورد کو لاکھوں کی تعداد تک پہنچایا۔ پیر اور جمعرات کے دن، عبادات کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا، تقریباً تمام ساتھی روزہ رکھتے تھے اور اس بارے میں ماحول اس قدر پختہ ہو چکا تھا کہ جو ساتھی عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکتا تھا وہ خود کو گناہگار سمجھتا تھا اور دوسروں کے سامنے کھانے پینے سے پرہیز کرتا تھا، حالانکہ اجتماعی طور پر سوائے ترغیب کے اور کوئی سختی یا التزام نہیں تھا مگر ماحول اپنی راہیں خود متعین کر لیتا ہے۔ عبادات کے اسی دور میں رہائی کے لئے مختلف وظائف کا سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد اکثر ساتھی ایک مخصوص مقدار میں حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولی ونعم النصیر کا ورد کرتے تھے۔ سوا لاکھ بار آیت کریمہ تو بہت بار پڑھی گئی۔ اللہ الصمد کا ورد بھی لاکھوں کی تعداد میں ہوا۔ بعض لوگوں نے سورہ انفال اور سورہ جن پڑھنے کیلئے کہا تو اس کا بھی خوب اہتمام ہوا۔ رہائی کے وظیفوں کے بعد اچانک اگلا مرحلہ جنات کو قابو کرنے کے عملیات کا شروع ہو گیا۔ دراصل عملیات

کی ایک کتاب کسی طرح سے عقوبت خانے میں پہنچ گئی اس میں جنات کو تابع کرنے کیلئے بعض عملیات کا تذکرہ تھا۔ کچھ ساتھیوں نے یہ کتاب پڑھ لی بس پھر کیا تھا نہ آو دیکھا نہ تاؤ۔ آنکھیں بند کر کے جنات کے پیچھے پڑ گئے۔ بندہ نے انہیں سمجھایا کہ بھائی آپ لوگ ابھی تو خود قیدی ہیں اس حال میں دوسری مخلوق کو قید کرنے کی فکر میں پڑنا فضول اور لاحاصل ہے مگر ساتھیوں پر ایک دھن سوار تھی اور دراصل اس شوق کے پیچھے رہائی کا شوق ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور ان کا خیال تھا کہ جنات کو قابو کر کے ان کے کندھے پر بیٹھ کر جیل سے باہر چلے جائیں گے۔ کافی بحث وتمحیص کے بعد بعض ساتھیوں نے زبردستی اجازت لے لی۔ حالانکہ بندہ قطعاً اس کے حق میں نہیں تھا لیکن اس سخت جگہ پر ساتھیوں کی فرمائش مانے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ چنانچہ جناتی عملیات کا سلسلہ پورے زور وشور سے شروع ہو گیا۔ بعض ساتھی اپنے سیلوں میں سر چھپا کر سورہ جن پڑھ رہے تھے بعض نے خوب روزے رکھے اور شکر کے پانی سے افطار کا سلسلہ شروع کیا، کسی نے نمک کھانا چھوڑ دیا تو کسی نے ساتھیوں سے بات کرنا۔ مگر جنات بہت سمجھدار تھے وہ بقول ان ساتھیوں کے آخری لمحات میں ہاتھوں سے پھسل جاتے تھے، میں کہتا تھا کہ جنات تو آپ لوگوں پر ہنستے ہوں گے اور اپنے بچوں سے کہتے ہوں گے چلو بیٹا آج تمہیں کچھ پاگل دکھاتے ہیں جو خود قید میں ہیں اور ہمیں قید کرنے کیلئے ڈورے ڈال رہے ہیں۔ ہمارے مذاق کے باوجود ساتھی نہایت استقامت کے ساتھ جنات کی تسخیر کیلئے خود کو تھکاتے رہے بلکہ مجھ سے اصرار کرتے رہے کہ آپ بھی یہ عمل شروع کر دیں کیونکہ ہمیں امید ہے کہ اگر آپ نے یہ عمل کیا تو فوراً کام بن جائے گا۔ ساتھیوں کے اصرار پر کوٹ بھلوال جیل میں بندہ نے بھی تین دن کا ایک عمل شروع کر دیا دو دن رات کی پڑھائی کے بعد تیسرے اور آخری دن اچانک جیل حکام سے لڑائی کا ماحول بن گیا۔ بندہ کو خبر پہنچی تو وظیفہ توڑ کر ڈنڈہ لے کر باہر نکل گیا اور اس کے بعد کبھی اس طرح کے عملیات میں نہیں پڑا بلکہ دوسروں کو بھی روکتا اور سمجھاتا رہا۔ بادامی باغ کے عقوبت خانے میں بعض ساتھیوں نے اس طرح کے عملیات کے دوران دباؤ اور خوف کی شکایت کی اور اسے اچھے آثار میں سے قرار دیا۔ جبکہ کچھ ساتھیوں نے اسے مسلسل بیٹھنے کی وجہ سے گیس کا دباؤ قرار دیا، عملیات والے ساتھی ہر وظیفے میں ناکامی کے باوجود سونا بنانے والوں کی طرح استقامت کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہے۔ بادامی باغ کے بعد کوٹ بھلوال جیل اور پھر تہاڑ جیل میں ان کی یہ محنت جاری رہی بلکہ تہاڑ جیل میں ان کے ہاتھ لوگوں کی نظر سے غائب ہونے والا ایک عمل آ گیا، ایک ساتھی نے کئی

دن تک صرف کھجور سے روزہ رکھا اور افطار کیا اور روزانہ دھوپ میں کئی کئی گھنٹے بیٹھ کر عمل کیا۔ آخری دن پسینے میں شرابور حالت میں عمل ختم کر کے اس نے آواز دے کر ساتھیوں سے پوچھا کیا میں نظر آ رہا ہوں؟ ساتھیوں نے کہا پہلے سے زیادہ نظر آ رہے ہو۔ اس پر وہ کافی پریشان ہو گیا اور اٹھ کر اندر آ گیا ورنہ اس کا ارادہ غائب ہونے کے بعد اندر آنے کا نہیں جیل سے باہر جانے کا تھا۔ اس طرح کے ہر واقعہ کے بعد عملیات والے ساتھی اپنی کسی غلطی کو ڈھونڈ کر کہتے کہ عمل تو طاقتور تھا مگر ہم سے پڑھنے میں فلاں غلطی ہو گئی تھی۔ جس طرح سونا بنانے والے ساری زندگی پر امید رہ کر بالآخر ناکام مرتے ہیں اور زندگی میں ہر ناکامی کے بعد یہ کہہ کر خود کو امید دلاتے ہیں کہ بس صرف ایک آنچ کا فرق رہ گیا تھا، بالکل یہی حالت ہمارے وظیفہ باز ساتھیوں کی تھی۔

ہمارے ایک ساتھی نے چالیس دن تک روزہ رکھ کر سخت مشقت والا ایک جناتی عمل کیا اس عمل کے مطابق آخری رات دو تین بجے جنات نے حاضر ہو کر گرفتاری پیش کرنی تھی۔ عمل پورا ہونے کے بعد جب آخری رات آئی تو وہ مسلسل پڑھتے رہے مگر رات کے دو تین بجے انہیں نیند آ گئی، صبح نماز کے لئے اٹھے تو اکیلے تھے، ساتھیوں کو پتہ چلا تو سب نے کہا جنات تو آئے تھے مگر انتظار میں بیٹھ بیٹھ کر چلے گئے اور آپ سوتے رہ گئے...... تہاڑ جیل کے بعد دوبارہ کوٹ بھلوال واپسی ہوئی تو عملیات کا سلسلہ جاری رہا لیکن جب سرنگ کی کھدائی شروع ہوئی تو عمل کی مصروفیت نے عملیات سے ان ساتھیوں کی وقتی طور پر جان چھڑا دی۔

صرف ایک سچ

بادامی باغ سری نگر کے عقوبت خانے میں کئی ایسے واقعات بھی پیش آئے جنہیں ''دلچسپ'' کہا جاسکتا ہے۔ بندہ نے تہاڑ جیل میں قیام کے دنوں میں جیل کی بوجھل فضا کو قابل برداشت بنانے کیلئے ان واقعات کو قلمبند کیا اور اسیران راہ حق کو سنایا۔ ان مضامین کو سن کر اسیران راہ حق کے چہروں پر مسکراہٹیں بکھر گئیں۔ لیجئے آپ بھی سچے واقعات پر مشتمل ان مسکراتی تحریروں کو پڑھئے اور ان سے وہ سبق لیجئے جو ان تحریروں کا اصل مقصود ہے:

صرف ایک سچ

ہندوستان......ایک ایسا ملک ہے...... جہاں جھوٹ آسانی سے بولا جاتا ہے......جبکہ سچ بولنے کیلئے...... بہت ساری احتیاطی تدابیر کی جاتی ہیں......اس ملک کی...... اکثریت......جھوٹ بولنے کی عادی ہے......اور جھوٹ زندگی کا......ایک اٹوٹ انگ...... بن چکا ہے......اگر یہاں کوئی...... سچ بولنا چاہتا ہے...... تو پہلے دائیں بائیں...... دیکھتا ہے...... پھر آواز آہستہ کرتا ہے......اور پھر اپنا منہ...... سننے والے کے کان کے ساتھ......فٹ کرتا ہے......تب جا کر سننے والے کو...... بات کرنے والے کے منہ کی بدبو...... کے بھبکوں میں...... سچ کی خوشبو......محسوس

ہوتی ہے...... یہاں چونکہ...... جھوٹ زندگی کا...... ایک حصہ...... ضرورت...... اور فیشن ہے...... اس لیے...... اس کے انداز...... اور اس کا معیار بھی مختلف ہے...... بعض لوگ جان بوجھ کر...... جھوٹ بولتے ہیں...... اور بعض بلا سوچے سمجھے...... کچھ لوگ...... اپنی شان و شوکت بنانے کیلئے...... ایسا کرتے ہیں...... تو کچھ لوگ ملک کی شان بڑھانے کیلئے...... مجھے انڈین آرمی کا...... ایک حوالدار ملا...... اس نے کہا آپ لوگ انڈیا سے نہیں لڑ سکتے...... انڈیا بہت بڑی شکتی (طاقت) ہے...... انڈیا کے پاس...... تیش (تیس) کروڑ فوج ہے...... اس کی بات سن کر...... مجھ سے رہا نہ گیا...... میں نے کہا...... جناب تیش کروڑ...... کس طرح ممکن ہے؟...... پھر تو...... یہاں کا ہر تیسرا آدمی...... فوجی ہونا چاہئے...... حالانکہ...... یہاں ڈیڑھ کروڑ تو معذور لوگ ہیں...... ایک کروڑ کے قریب...... ایڈز کے مریض...... یہاں عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھ رہی ہے...... بچے بھی کافی ہیں...... حوالدار جی کہنے لگے...... چلو تیش کروڑ نہیں بیش کروڑ...... وہ ایک ہی سانس میں دس کروڑ...... فوج کو نگل گئے...... میں نے بیس کروڑ پر بھی اعتراض کیا...... مگر وہ ڈٹے رہے...... بادامی باغ...... آرمی انٹروگیشن سینٹر...... (پوچھ تاچھ مرکز) کا نگران ایک صوبیدار...... نصیب سنگھ تھا...... مگر حقیقت میں بڑا بدنصیب تھا...... ہم نے پانچ ماہ میں اس سے صرف ایک بات...... سچی سنی...... اس کے علاوہ...... اس نے کبھی سچ بولنے کی تکلیف نہیں کی...... اس کی باتیں...... اور اس کی حرکتیں دیکھ کر...... اندازہ ہوتا تھا کہ...... یہ شخص انڈیا کے کلچر...... اور تہذیب کا...... چلتا پھرتا نمونہ ہے...... اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ...... وہ شراب پی کر بھی...... جھوٹ بولتا تھا...... حالانکہ ہم نے تجربہ کیا کہ...... اکثر ہندو...... شراب پی کر سچ بولتے تھے...... کیونکہ شراب دماغ کو الٹ دیتی ہے...... بڑے بڑے آفیسر...... رات کو شراب کے نشے میں دھت...... جب قیدیوں کی کوٹھڑیوں کے چکر لگاتے تو کوئی اہم راز بتاتے جاتے...... اور نشے میں کی ہوئی...... ان کی اکثر باتیں سچی نکلتی تھیں...... جبکہ عام حالات میں کی ہوئی...... ان کی کوئی بات سچی نہیں نکلتی تھی...... جبکہ...... مسلمانوں کا معاملہ برعکس تھا کہ وہ شراب پی کر جھوٹ بولتے تھے...... لیکن نصیب سنگھ...... اپنے دماغ کی سیدھی اور الٹی طرف صرف اور صرف...... جھوٹ ہی محفوظ رکھتا تھا...... اس لیے...... ہر حال میں جھوٹ بولنا اس کے لئے...... بسہولت ممکن رہتا تھا...... جب وہ سینٹر میں داخل ہوتا...... تو دروازے سے ہی...... کچھ بولتا ہوا آتا...... اور ہم ذہنی طور پر...... جھوٹ کی بدبو سونگھنے کیلئے تیار ہو جاتے...... وہ ہمارے پاس آ کر...... ایک

ایک کو پکارتا...... ہاں بھائی پتر کار (صحافی) ہاں بھائی پھوٹو گراپھر (فوٹو گرافر) ہاں بھائی کمانڈر......اور پھر ہم سب کو اکٹھا کر کے......نشانے باندھ باندھ کر جھوٹ بولتا......کبھی کہتا...... بس عنقریب میں پاکستان جارہا ہوں......آپ لوگوں کے بارے میں بات کرنے کیلئے......کبھی وہ اقوام متحدہ والوں سے مل کر آیا ہوتا تھا......اور کارگزاری سناتا تھا......ایک بار پندرہ دن غائب رہا...... واپس آیا......تو کہنے لگا...... میں پاکستان سے ہو آیا ہوں......تم سب کے باپ ملے تھے...... ہمارے ایک ساتھی نے کہا میرے والد بھی ملے تھے......کہنے لگا...... ہاں وہ تو خاص طور پر ملے تھے......اس ساتھی نے کہا...... میرے والد کا تو کافی عرصہ پہلے انتقال ہو چکا ہے...... نصیب سنگھ گالی دے کر بولا...... پھر انہوں نے کوئی نقلی آدمی ملا دیا ہوگا......ایک بار وہ آیا......ہم نماز پڑھ رہے تھے......وہ دیکھتا رہا......ہم فارغ ہوئے تو کہنے لگا......تم غلط طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے...... میں کل ہی سری نگر شہر میں گیا تو......سوچا آج مسلمانوں کی نماز بھی پڑھ لوں...... مسجد میں جا کر...... جب میں نے نماز پڑھی......تو وہ تو دوسری طرف منہ کر کے پڑھ رہے تھے......تم عجیب لوگ ہو......تمہیں اتنا بھی دھرم (دین) کا علم نہیں......اس بدنصیب شخص کی معلومات بھی عجیب تھیں...... کہتا تھا...... پاکستان اور انڈیا کی جنگ ۴۷ء میں ہوئی تھی......اس میں جو قیدی پکڑے گئے تھے......ان کا کیمپ میں چلاتا تھا...... ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی اسی لاکھ تھی اب......سات کروڑ ہو چکی ہے......وہ اپنی زندگی کی غلاظتیں کھل کر نہیں بلکہ ......مبالغے سے بتاتا تھا......ہمیں شرم آتی...... مگر کل جب میں نے......انڈیا کے سب سے نیک نام...... ہندو لیڈر......نرسمہا راؤ کے...... معاشقے کی داستان بی بی سی پر سنی......تو مجھے یقین ہو گیا کہ...... ہندو معاشرے میں......شرافت اور پاکدامنی نام کی چیز......تو صرف گنگا......اور جمنا دریاؤں کے لئے...... وقف ہے......روئے زمین پر تو اس کی مثال ملنا مشکل ہے......وہ شخص جب گفتگو کرتا تو...... ہر لفظ کے بعد...... ماں یا بہن کی...... گالی بکنا......ضروری سمجھتا تھا......اب آپ اس کی گفتگو کی صرف دو سطریں ملاحظہ فرمائیں، اس کی گالی کی جگہ......کاٹے کا نشان لگا رہا ہوں......

یار ہماری گورنمنٹ بڑی × ہے تم جیسے ملی ٹینٹوں کیلئے یہاں پر تین سو × آرمی والے ہیں اور سات ہم × سی ایم پی والے ہیں......اور کھانا پکانے والے × الگ ہیں......

ایک مرتبہ بابری مسجد کی بات چلی تو...... اس نے داستان گھڑ لی...... کہنے لگا میں......

اجودھیا..... آتا جاتا تھا..... میں نے خود دیکھا..... وہاں مسجد بھی تھی..... اور مندر بھی..... دونوں بالکل اکٹھے تھے..... اور دونوں چھوٹے چھوٹے تھے..... کسی نے چندہ دیا..... دونوں بڑے بن گئے..... اور جھگڑا شروع ہوگیا......

بابری مسجد تنازعہ کی ...... یہ داستان تو اس کے علاوہ شاید..... کسی کو معلوم نہیں تھی...... ہم پانچ مہینے..... اس کے جھوٹ کی..... نحوست برداشت کرتے رہے..... لیکن اس کے بعد..... بھی جو ملا..... جھوٹا ہی ملا..... ہندوؤں میں جھوٹ..... اس قدر کیوں ہے؟ اس پر بھی کبھی بات ہوگی..... انشاءاللہ..... مختصر یہ کہ اس نے..... پانچ مہینے میں..... بے شمار جھوٹ بولے..... ان میں سے جو مجھے یاد ہیں..... ان کو اگر الگ لکھا جائے تو..... لطیفوں کی ایک کتاب بن جائے...... لیکن اس نے ایک سچ بھی بولا..... انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ..... اس سچ کا..... تذکرہ..... ضرور کیا جائے..... ایک دن کوئی خبر آئی..... وہ اس پر تبصرہ کررہا تھا..... ہمارے ایک ساتھی نے چھیڑنے کے لئے کہ..... جناب اس سے..... انڈیا کی بڑی بدنامی ہوگی..... اس نے برجستہ کہا..... یار بدنامی اس کی ہوتی جس کی کچھ عزت ہو......

نانی بولے فارسی

کیا نام ہے؟ ...... کہاں سے پکڑے گئے؟..... کتنے فوجی مارے ہیں تم نے؟..... کتنے پیسے ملتے ہیں تمہیں؟..... یہ وہ سوال ہیں..... جن کا ہمیں دن رات..... جواب دینا پڑتا تھا...... ہم چھوٹے چھوٹے..... پنجرہ نما سیلوں میں..... بند تھے..... اور ہمیں دیکھنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا..... اول تو سنتری مسلط رہتے..... پھر کوئی آفیسر آجاتا..... بعض آفیسر..... اپنے دوسرے دوست آفیسروں کو بلا کر..... لاتے..... تاکہ ہمیں دکھا کر اپنی بہادری کا سکہ بٹھا سکیں..... کہ ہم نے ایسے..... خطرناک..... اگروادی (دہشت گرد)..... پکڑ رکھے ہیں..... اس صورت حال سے ہم اتنے تنگ تھے..... کہ ہمیں چڑیا گھر کے..... جانور اچھے لگنے لگے..... جو بے زباں ہونے کی وجہ سے..... تماشہ کرنے والوں کے..... خیالات سننے سے..... محفوظ رہتے ہیں..... مگر ہماری..... بے بسی تو..... ان جانوروں جتنی یا..... ان سے بھی زیادہ تھی..... اور اضافہ یہ کہ..... ہمیں سوالات کے جوابات بھی دینے پڑتے تھے..... اور بیوقوفوں کی باتیں بھی سننی پڑتیں..... ایک مرتبہ تو حد ہوگئی..... انڈین آرمی کے آفیسر..... عورتوں کو لے کر آگئے..... غالباً وہ عورتیں بھی آفیسر تھیں..... ہم ..... اس ملاقات کے دوران نظریں جھکائے..... کھڑے

رہے......اور ہم نے......ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیا......وہ مایوس......اور ناراض ہو کر...... چلے گئے......ہم نے آپس میں مشورہ کیا......فوراً ہی فیصلہ ہوا......اور عمل شروع ہو گیا......ایک سیل سے بلی کی......دوسرے سے بکرے کی......تیسرے سے گھوڑے کی......اور چوتھے سے ......کسی اور جانور کی......آواز آنے لگی......سنتری دوڑتے ہوئے آئے......انہوں نے خاموش کرانے کی......پوری کوشش کی......مگر یہ تو مرکزی شوریٰ کا......فیصلہ تھا......ہر ساتھی......حسب استطاعت آنکھیں بند کر کے......توجہ سے کوئی نہ کوئی آواز نکال رہا تھا......مجھ جیسے اناڑی خاموش تھے......مگر دل سے شریک تھے......سنتریوں نے آفیسروں کو بتایا کہ......پاکستانی دہشت گرد......عجیب وغریب آوازیں نکال رہے ہیں......آفیسر بھی......خود پہنچ گئے......مگر یہاں سلسلہ جاری رہا......انہوں نے پوچھا......یہ کیا حرکت ہے؟......جواب ملا......پہلے سارا دن مرد آتے تھے......آج عورتیں بھی آ گئیں......گویا کہ چڑیا گھر ہے......اور ہم جانور......اب ہم بھی......جانوروں کی بولی بولیں گے......خواہ کوئی بھی آ جائے......بہرحال......یہ سلسلہ جاری رہا......ایک سنتری نے سمجھا......یہ لوگ میرا مذاق اڑاتے ہیں......میرے ساتھ سیل میں ......ایک ساتھی......بکرے کی آواز......اتنی مہارت سے نکالتا تھا کہ بکرا سنے شک میں پڑ جائے......اُس سنتری کی بکرے سے کچھ مشابہت ہو گی......اللہ کی مرضی......جسے جیسا چاہے بنا دے......وہ آواز سن کر بدک جاتا......ایک بار وہ آفیسر کو لے آیا......آفیسر نے آ کر ہمیں کہا......یہ سنتری کچھ شکایت کر رہا ہے......اس نے سنتری کی طرف دیکھا......سنتری نے کہا......شر (سر) یہ مجھے بکرا کہتے ہیں......میرے ساتھی نے کہا......جناب آپ خود ان کی شکل دیکھیں......یہ تو انسان ہیں......بکرے تھوڑی ہیں......میں ان کو کیسے بکرا کہہ سکتا ہوں......آفیسر نے سنتری کے چہرے کی طرف دیکھا......تو خود اس کی ہنسی چھوٹ گئی......اب وہ اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش بھی کر رہا تھا......اور رعب برقرار رکھنے کی بھی......چنانچہ اس نے ان دونوں سے توجہ ہٹا کر مجھ سے کہا......ہاں بھائی......آپ بتاؤ......کیا بات ہے......میں نے کہا......سنتری کو خواہ مخواہ شک ہو گیا ہے......ایسی تو کوئی بات نہیں......

خیر چھوڑیئے......بات چل رہی تھی......ہمیں دیکھنے کیلئے آنے والوں کی......اور ان کے سوالات کی......ہر آنے والا ہم سے آخری سوال یہ کرتا کھانا ملتا ہے؟......ہم کہتے جی ہاں ملتا ہے......بس اس کا انداز بدل جاتا......کوئی پینٹ کی جیبوں میں......ہاتھ ڈال کر......اداکاری

کرتا تو...... کوئی...... دونوں ہاتھ کمر کے اطراف میں رکھ لیتا...... اور بات سب کی ایک ہوتی...... یہ ہمارا ہندوستان ہے...... جو دشمنوں کو بھی کھانا دیتا ہے...... پاکستان میں...... ہمارے قیدیوں کو کھانا نہیں دیتے...... مگر ہمارے ہاں اصول ہیں...... ہم سب کو انسان سمجھتے ہیں...... بہر حال ایک لمبی تقریر شروع ہو جاتی تھی...... جسے ہم غمگین دل...... اور بھوکے پیٹ کے ساتھ سنتے تھے...... کیونکہ وہاں کا کھانا...... کھانے کے قابل نہیں ہوتا تھا...... اکثر پوچھنے والے تو اتنا پوچھتے...... کھانا ملتا ہے؟ اور پھر ایک لمبی تقریر...... انڈیا کی فراخدلی پر جھاڑتے...... اور چلے جاتے...... مگر بعض یہ بھی پوچھتے...... کھانا کیسا ہوتا ہے؟ ہم کبھی تو یہ سوچ کر...... کہ کھانے میں کیا عیب نکالیں...... جواب دیتے...... بس ٹھیک ہی ہوتا ہے...... اس پر...... وہ مٹک مٹک کر پھر تقریر کرتے...... لیکن کبھی کبھار...... ہم تنگ آ کر کہتے...... یہ کھانا تو...... جانور بھی نہیں کھا سکتے...... بس پھر ان کا انداز بدل جاتا...... اور کہتے...... کیا ہم تمہیں اپنی پاکٹ سے دیں؟ جو گورنمنٹ نے دیا ہے وہ تمہیں کھانا پڑے گا...... یہ تماشا روزانہ ہوتا تھا...... اگر ہم کھانے کا عیب نہ نکالتے تو ہندوستان کی تعریف سننی پڑتی...... اور عیب نکال دیتے تو...... جواب ملتا کہ ہم کیا کریں...... کیا ہم اپنی جیب سے دیں؟...... اور ہم دل ہی دل میں سوچتے...... اللہ کا شکر ہے کہ...... یہ اچھا کھانا نہیں دیتے...... کیونکہ...... جب ریت سے بھری روٹی...... اور پانی میں ابلی...... خراب سبزی پر...... یہ مشرک اتنا احسان جتلا رہے ہیں...... تو اگر اچھا کھانا دیں گے...... تو ان کی...... کتنی باتیں اور سننا پڑیں گی...... پھر جب اگلے دن...... کوئی مشرک پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے...... کسی فنکار کی طرح...... کھانا دینے پر انڈیا کی تعریف کر رہا ہوتا...... تو اُس پر اردو کی یہ کہاوت صادق آتی...... (جو ایسے شخص پر بولی جاتی ہے...... جو احسان تو بہت معمولی کرتا ہے...... اور جتلاتا حد سے زیادہ ہے) دو ماشے کی آرسی...... نانی بولے فارسی۔

انٹرویو

مولانا محمد مسعود ازہر کا چوالیس سوالات پر مشتمل مفصل انٹرویو

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: آپ کا تعارف؟

جواب: میں اللہ تعالیٰ کا ایک حقیر سا بندہ ہوں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا امتی ہوں اور میرے والدین نے میرا نام محمد مسعود ازہر رکھا ہے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: جہاد سے آپ کی وابستگی کب اور کیسے ہوئی؟

جواب: مجھے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں تعلیم کے دوران اس وقت سب سے پہلے جہاد کی آواز سننے کو ملی تھی، جب پاکستان سے تعلق رکھنے والے کچھ مجاہدین جن کا تعلق جامعہ ہی سے تھا افغانستان گئے اور مولانا ارشاد شہیدؒ کی تحریک سے وابستہ ہوئے۔ ایک مرتبہ جب میں ابتدائی درجات میں پڑھتا تھا تو معلوم ہوا کہ جامعہ کے پرانے دارالاقامہ کے ۳۲ نمبر کمرے میں ایک مجاہد کا بیان ہو رہا ہے۔ میں وہاں گیا تو ایک مجاہد جو جامعہ ہی کے فاضل تھے، بیان فرما رہے تھے۔ ان سے افغانستان کی باتیں میں نے پہلی بار سنیں کہ آپ حضرات سردیوں کے لئے فلاں لباس رکھیں فلاں قسم کا کوٹ رکھیں، گرم چادر ساتھ لیں پھر آپ کو تربیت کرنی ہوگی۔ بس انکی یہ باتیں دل کو بہت زیادہ اچھی لگیں۔ اس کے علاوہ مدرسے میں رہتے

ہوئے آپ کو علم ہے کہ جو کچھ بھی پڑھایا جاتا ہے، اس میں جہاد کا واضح تذکرہ موجود ہوتا ہے۔ اس لئے کسی دینی ادارے کے طالب علم کے لئے جہاد کوئی اجنبی چیز نہیں ہوتی۔ البتہ تربیت جہاد کا یہ سارا سلسلہ سن کر ایک خوشی سی دل میں محسوس ہوئی۔ پھر جو اس زمانے میں جہادی تنظیمیں کام کررہی تھیں انہوں نے کچھ مدارس میں جہاد کے موضوع پر تقریری مقابلے بھی رکھے۔ میں نے ان میں سے کئی مقابلوں میں شرکت کی اور جہاد کے موضوع پر بیان کیا۔ میں اس وقت درجہ ثالثہ کا طالبعلم تھا۔ پھر جب میں درجہ سادسہ میں پڑھتا تھا تو حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ نے پہلی بار طلبہ کو افغانستان بھیجا۔ غالباً کچھ عرصہ قبل ہی ان کی مولانا جلال الدین حقانی سے ملاقات ہوئی تھی اور اس میں انہوں نے یہ طے کیا تھا کہ وہ طلبہ کو جہاد میں بھیجیں گے۔ اس کے بعد سے تو بنوری ٹاؤن میں جہاد کا تذکرہ بہت زیادہ ہونے لگا۔ خود میں نے بھی جہاد کے لئے جانے سے پہلے اپنے خاندان کے بعض افراد کو جہاد میں جانے کی دعوت دی جن میں میرے ایک بھائی بھی شامل تھے۔ وہ مجھ سے پہلے وہاں جاکر تربیت حاصل کرکے آئے لیکن چونکہ طالب علمی کے زمانے میں زیادہ رجحان پڑھائی کی طرف تھا اور میرے مرشد حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب نے مجھ پر یہ پابندی عائد کررکھی تھی کہ میں زیادہ وقت تعلیمی سرگرمیوں میں گزاروں لہٰذا عملی شرکت نہ ہوسکی۔ دورۂ حدیث کا میں نے امتحان دیا اور ابھی نتائج نہیں نکلے تھے کہ میں جہاد کیلئے تیار ہوگیا جس کیلئے میں نے بہت پہلے سے تیاری کررکھی تھی۔ اس کے لئے الگ کپڑے بنوائے تھے اور بہت اہتمام کیا تھا۔ پھر حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع صاحب شہیدؒ کے مشورے سے میں افغانستان چلا گیا۔ سب سے پہلے ایک ہفتہ خوست کے علاقہ میں گذارا اور وہیں میں نے ارادہ کرلیا کہ میں انشاءاللہ ساری زندگی جہاد سے وابستہ رہوں گا۔ اس دوران کچھ بیانات بھی معسکر میں کئے تھے جو مجاہدین میں جہاد کی دعوت کے عنوان سے معروف ہوئے۔ ان سے لوگوں کو فائدہ بھی ہوا اور ان کی کیسٹیں وغیرہ بھی چلنا شروع ہوگئیں اور پھر جب میں واپس آیا تو باقاعدہ جہاد سے وابستہ ہوگیا اور تربیت بھی کی۔ مجاہدین کے لئے فوری طور پر ایک رسالہ بھی ''صدائے مجاہد'' کے عنوان سے نکالا اور اسی طرح جو دوسری جہادی ذمہ داریاں تھیں ان کے ساتھ بھی وابستہ ہوگیا۔ یوں دورہ حدیث کے سال سے فراغت ہوتے ہی میری جہاد کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے باقاعدہ عملی نسبت جوڑ دی جو ابھی تک کسی نہ کسی انداز میں جڑی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مرتے دم تک جہاد کے ساتھ نسبت قائم

رہے اور اپنی کسی کوتاہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے کبھی بھی اس سے محروم نہ فرمائے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: جہاد کے راستے میں کن کن حضرات کا آپ کی تربیت میں نمایاں کردار رہا؟

جواب: انسان کی زندگی میں مختلف شخصیتیں آتی ہیں اور مختلف افراد آتے ہیں لیکن میرا اس سلسلہ میں شروع سے ایک نظریہ رہا ہے اور جس طرح سے میری زندگی کا تجربہ بڑھتا گیا میرا اس بات پر بہت زیادہ پختہ یقین ہو گیا کہ جب تک کسی انسان کا حسن خاتمہ نہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو کر دنیا سے رخصت نہ ہو جائے اس کے بارے میں لب کشائی کسی بھی انداز میں بہت زیادہ احتیاط کی متقاضی ہوتی ہے۔ اسی لئے میں شخصیات میں سے جو زندہ شخصیات ہیں ان پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کے ایمان کو سلامت رکھے اور ان سب کو جہاد پر قائم رکھے۔ البتہ میرے جو رفقاء اور ساتھی شہید ہو چکے ہیں ان میں سے بہت سارے ایسے ہیں جنہیں نہ میں کبھی بھلا سکتا ہوں اور نہ میرا ضمیر گوارہ کرے گا کہ میرا دل ان کی یاد سے خالی ہو۔ ان حضرات کا میری تربیت میں بہت بڑا دخل ہے بلکہ ان کی یادیں اور ان کا مقدس خون بہت زیادہ مشکل لمحات میں بھی میرے لئے ہمت اور ڈھارس کا سبب بنتا ہے۔

سب سے پہلی شخصیت جس سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا اور میری ٹوٹی پھوٹی سی جہادی زندگی پر اس نے اثر ڈالا اور میں نے اس سے بہت کچھ سیکھا وہ ہمارے کمانڈر بھائی عبدالرشیدؒ تھے جو خوست میں شہید ہوئے اور آخری شخص جو میری یادوں پر غالب رہتا ہے وہ میرے دیرینہ ساتھی رفیق اور ہم سفر کمانڈر سجاد شہیدؒ تھے اور ان دونوں کے درمیان شہداء کی ایک لمبی فہرست ہے جن میں پاکستانی افغانی اور عرب بہت سے ساتھی ایسے ہیں جو مجھے یاد ہیں اور یاد رہیں گے انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے جو اس کے نزدیک مقبول ہیں مجھے ان کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: گرفتاری سے پہلے آپ نے صحافت کی لائن میں کیا کیا خدمات سرانجام دیں؟

جواب: میرے لئے صحافی کا لفظ غالباً میری گرفتاری کے بعد زیادہ مشہور ہو گیا۔ ورنہ حقیقت میں میں مدرسہ کا ایک طالب علم ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے جہاد کے ساتھ نسبت عطا فرمائی ہے۔ طالب علمی کے زمانے سے لکھنے کا شوق اپنے بعض اساتذہ کرام کی توجہ سے نصیب

ہوا تھا۔ جب میں بارہ سال کی عمر میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں پڑھتا تھا تو اپنے ایک استاد محترم کی ترغیب پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سوانح پر ایک مضمون لکھا تھا جو انہوں نے جنگ اخبار میں چھپوادیا۔ یہ میرے لئے بہت سعادت کی بات تھی کہ زندگی میں پہلا مضمون ایسی عظیم شخصیت پر اور پھر میرے استاد محترم کا احسان ہے کہ انہوں نے حوصلہ بڑھانے کے لئے اس مضمون کو جنگ اخبار میں شائع کروادیا۔ اس کے بعد سے دل ودماغ میں یہ بات سمائی رہی کہ اپنے مافی الضمیر کو لکھنے کی کوشش کی جائے۔ اس سلسلے میں طالب علمی کے زمانے میں ہم پانچ طالب علموں نے مل کر ایک اصلاح کمیٹی بنائی تھی کہ جو ایک دوسرے کی اصلاح کی فکر کریں گے اور جو خامی وکوتاہی دیکھیں گے اس پر دوسرے کو مطلع کریں گے' کیونکہ حدیث شریف کے مطابق مومن، مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ ساتھیوں نے اس کمیٹی کی ذمہ داری میرے سر پر ڈالی۔ یہاں یہ بات بھی ضمناً بتادوں کہ اس اصلاحی قدم کی اتنی برکات ظاہر ہوئیں کہ اس کمیٹی کے بیشتر ممبر آج الحمدللہ جہاد کے مبارک راستے میں لگے ہوئے ہیں۔ اسی کمیٹی میں ہم نے مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ میں عنوان تقسیم کردیا کرتا تھا اور پھر سب مضمون لکھا کرتے تھے۔ اس کے بعد پھر بعض جرائد میں بھی لکھنے کا موقع ملا۔ جب میں درجہ سادسہ میں پڑھتا تھا تو حرمین شریفین سے واپسی پر دہلی کالونی کے بزرگ دوست حاجی خلیل صاحب کے اصرار پر حج کے مسائل کے بارے میں ایک چھوٹا سا کتابچہ لکھا تھا، جو ''انمول تحفہ'' کے نام سے شائع ہوا۔ میری اس تحریر کی میرے استاد محترم حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ نے بہت سی جگہ پر اصلاح بھی فرمائی۔ انہی دنوں میں نے بعض اصلاحی پمفلٹ بھی لکھے، جن میں سے ایک ڈاڑھی کے موضوع پر تھا جو بہت بڑی تعداد میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ عقائد سے متعلق بھی بعض اشتہارات اور پمفلٹ ساتھیوں نے لکھوا کر شائع کئے۔ انہی دنوں ہفت روزہ ''ختم نبوت'' میں بھی میرے بعض مضامین شائع ہوئے۔ کچھ عرصے بعد اللہ تعالیٰ نے صدائے مجاہد کے اجراء کی توفیق عطا فرمائی۔ اس رسالے میں نہ تو کوئی عملہ تھا نہ ہی رفقاء، چنانچہ بعض اوقات مجھے آٹھ آٹھ' نو نو مضامین قلمی ناموں سے لکھنے پڑتے تھے۔ اس طرح صدائے مجاہد ہی میں میرے اکثر مضامین شائع ہوئے۔ اس کے بعد مضامین لکھنے کا سلسلہ چل پڑا اور بعض کتابیں بھی لکھی گئیں بعض انٹرویو بھی عرب رسالوں میں شائع ہوئے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے قلم اور کاغذ کے ساتھ جو سلسلہ جوڑا وہ کافی فعال رہا۔ خصوصاً ہوائی جہاز کے سفر کے دوران میرا سب سے اہم مشغلہ یہی

ہوتا تھا کہ مضمون لکھتا رہتا

اور اب جیش محمد ﷺ اور ضرب مؤمن میں بھی لکھنے کی توفیق ملتی رہتی ہے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ''صدائے مجاہد'' اور آپ کی داستان......اپنی زبانی سنائیے؟

جواب: بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان کو نظریاتی تعلق کے ساتھ ساتھ محبت بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح ''صدائے مجاہد'' بھی میرے دل کی دھڑکن کو تیز کرنے والا ایک لفظ ہے۔ کیونکہ میں اسے بیٹے کی طرح محبوب رکھتا تھا، اسی لئے میں حرم شریف کے سفر کے دوران ملتزم کے ساتھ چمٹ کر اس رسالے کے لئے دعائیں کرتا تھا۔ میں اس رسالے کو نکالنے کے لئے بہت فکرمندی کے ساتھ محنت کرتا تھا اور کوشش کرتا تھا کہ اس میں کوئی ایک لفظ بھی بے وضو ہونے کی حالت میں نہ لکھا جائے اور اس میں زیادہ سے زیادہ نظریاتی مواد مسلمانوں کو ملے۔ ''صدائے مجاہد'' کے ساتھ یہ رشتہ الحمدللہ بہت مضبوط رہا اور اس زمانے میں اس رسالے کی مقبولیت کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ یورپ کے بعض ممالک میں جب میرا سفر ہوا تو وہاں کے بعض نو مسلم ساتھی جو اردو سیکھ چکے تھے وہ صدائے مجاہد کے بہت سے مضامین کا انگلش میں ترجمہ کر کے مفت تقسیم کرتے تھے اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اس رسالے کی ذمہ داری چونکہ تنہا میرے اوپر تھی لہٰذا میں اس کے لئے وقت نکالنے کی پوری کوشش کرتا تھا۔

جب مجاہدین میں اتحاد و اتفاق کی صورت پیدا ہوئی تو یہ بحث چلی کہ اس متفقہ جماعت کا ترجمان کون سا مجلّہ ہونا چاہئے؟ تو میں نے طبعی محبت کی بناء پر ''صدائے مجاہد'' کی بھرپور حمایت کی اور الحمدللہ شوریٰ نے اسے متفقہ طور پر ترجمان تسلیم کیا جو میرے لئے بہت زیادہ خوشی اور سعادت کی بات تھی۔ جب رسالہ کراچی سے اسلام آباد منتقل ہوا تو تب بھی میں باقاعدگی سے اداریہ لکھ کر کراچی سے اسلام آباد بھیجا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے ہندوستان جانے سے صرف ایک دن پہلے صومالیہ کے حالات کے بارے میں اداریہ لکھ کر اسلام آباد روانہ کیا اور خود ہندوستان روانہ ہو گیا۔ وہاں جا کر بھی ''صدائے مجاہد'' بہت یاد آتا تھا۔ چنانچہ میں نے جیل میں اس کی یاد میں ایک مضمون ''پیارے صدائے مجاہد'' کے عنوان سے لکھا تھا۔ جب ساتھی اس مضمون کو پڑھتے تھے تو میری صدائے مجاہد سے محبت دیکھ کر ان کی آنکھوں میں بھی آنسو آجاتے تھے، کیونکہ انہیں بھی اس چیز کا احساس ہوتا تھا کہ مجھے ''صدائے مجاہد'' کی جدائی کا کتنا غم ہے؟

مگر گرفتاری کے دوران ایک عرصہ تک میرا ''صدائے مجاہد'' سے تعلق کٹا رہا۔ تہاڑ جیل پہنچنے کے بعد جب لکھنے کی کچھ سہولت ملی تو میرا رابطہ بھی ہوا اور میں نے اپنے بعض مضامین ''صدائے مجاہد'' کے لئے بھی بھجوا دیئے۔ جن میں ''نا اہل کا کمزور معدہ'' کے نام سے ایک اداریہ بھی شامل ہے۔ ''صدائے مجاہد'' کا یہ نسخہ کسی طرح سے جب میرے پاس جیل میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اس میں مدیر کی حیثیت سے میرا نام لکھا ہوا ہے تو میں نے مجاہدین کے ایک ذمہ دار صاحب کو اس بارے میں خط لکھا اور اس میں کہا کہ مدیر کی یہ شرعی ذمہ داری ہوتی ہے کہ پورا رسالہ اس کی نظروں سے گزرے بغیر شائع نہ ہو۔ تو چونکہ میرے لئے اس مسؤلیت کا نبھانا ممکن نہیں ہے اور جہاد اور جہاد کا کوئی بھی کام کسی شخصیت کا محتاج نہیں ہے تو اس لئے ان دونوں باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ازراہ کرم اس رسالہ سے میرا نام حذف فرما دیجے۔ یہ خط میں نے جیل سے بھیجا اور اس وقت جو مجاہدین کے ذمہ دار تھے ان تک پہنچا مگر غالباً مختلف وجوہات کی بناء پر اس پر عمل نہ ہو سکا اور میری رہائی کے دن تک اس پر میرا نام بطور مدیر لکھا جاتا رہا۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم بننے کے بعد ان حضرات سے ''صدائے مجاہد'' کے بارے میں گفتگو ہوئی اور رسالہ کی ڈکلریشن چونکہ حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان صاحب کے نام پر ہے اور انہوں نے ملتان میں ختم نبوت کانفرنس کے دوران ایک تحریر کے ذریعہ اس بات کا اعلان بھی کر دیا تھا کہ ''صدائے مجاہد'' کو اس کے گم شدہ مدیر تک پہنچانا میری ذمہ داری تھی لہٰذا میں اسے ان کے حوالے کر رہا ہوں۔ لیکن ہمارا یہ مؤقف رہا ہے کہ ہم الجھاؤ اور انتشار کی چیزوں سے بچ کر مثبت کام کریں گے چنانچہ اسی اصول اور نظریہ کی وجہ سے صدائے مجاہد سے میری جدائی کا دور چل رہا ہے اور میں نہیں جانتا کہ یہ دائمی ہے یا عارضی؟

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: اصلاح نفس کے سلسلے میں آپ کا تعلق کن بزرگوں سے رہا؟

جواب: مسلمان کے لئے نفس کی اصلاح ایک فرض ہے اور اس فرض سے غافل ہونا مسلمان کیلئے نقصان دہ ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنی بے شمار کوتاہیوں کے باوجود طالب علمی کے زمانے سے اپنے بعض اساتذہ کرام خاص طور پر مفتی عبدالسمیع صاحب شہیدؒ کی توجہ اور عنایات کی برکت سے اصلاح نفس کی طرف متوجہ ہوا۔ چنانچہ جب میں درجہ ثالثہ کا طالبعلم تھا تو میں نے حضرت اقدس مولانا مفتی ولی حسنؒ صاحب سے بیعت کی درخواست کی۔

یہاں یہ بات ضمناً قابل ذکر ہے کہ میرے نانا محترم الحاج محمد حسن چغتائی صاحب حرم شریف میں مقیم ہونے کے باوجود طالب علمی کے زمانے میں میری کڑی نگرانی فرماتے تھے اور مسلسل خط وکتابت کے ذریعے میری رہنمائی فرماتے رہتے تھے۔ میں نے جب اپنی بیعت کے ارادے کے بارے میں اطلاع دی تو انہوں نے انتہائی ناراضگی اور برہمی کا اظہار کیا اور ایک مفصل خط میں مدلل انداز سے ثابت کیا کہ ہمارے اکابر طالب علموں کو بیعت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے اور نصیحت فرمائی کہ اپنی پوری توجہ علم کے حصول کی جانب دو اور بیعت وغیرہ کے معاملات سے فی الحال دور رہنا زیادہ بہتر ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے اس وقت اپنے نانا جی کو کئی صفحات کا جوابی خط لکھا تھا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ بے شک ہمارے اکابر طالب علمی کے زمانے میں بیعت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے لیکن اُس زمانے اور اس زمانے میں فرق ہے۔ اس لئے کہ اُس زمانے میں طالب علم کو حصول علم کے لئے بہت سی تکالیف اور مجاہدے برداشت کرنا پڑتے تھے۔ وہی اس کی اصلاح کے لئے کافی ہو جایا کرتے تھے بہت بڑی بڑی کتابیں تھیں، اساتذہ کی کڑی نگرانی تھی، رہائش کے سلسلے میں سخت دشواریاں پیش آتی تھیں اور اپنے گھروں سے سالہا سال تک دور رہنا پڑتا تھا۔ جبکہ اس زمانے میں طلبہ کو بہترین رہائش میسر آتی ہے کھانے کے لئے دال کی بجائے گوشت اور دوسری چیزیں ملتی ہیں، برتن بھی نہیں دھونے پڑتے اور بھی کوئی ایسا مجاہدہ نہیں ہوتا جس سے نفس کی اصلاح ہو سکے، اس لئے بیعت زیادہ مناسب ہے۔ اپنے نانا جی کے ساتھ یہ تحریری مناظرہ کئی خطوط میں جاری رہا اور بالآخر انہوں نے اجازت دے دی جب میں نے جب حضرت اقدس مفتی ولی حسنؒ صاحب کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی تو انہوں نے حضرت اقدس مفتی عبدالسمیع صاحب شہیدؒ کی سفارش پر اپنے حلقہ ارادت میں شامل فرمالیا اور اذکار کی تلقین فرمائی پھر میرا رشتہ اصلاح حضرت ہی کے ساتھ رہا یہاں تک کہ حضرت بیمار ہو گئے اور میں خود گرفتار ہو گیا۔ جب میں تہاڑ جیل پہنچا تو مجھے عزیزم محمد یوسف اظہر کے ایک خط سے حضرت مفتی صاحب کے انتقال کی خبر ملی جسے سن کر بہت زیادہ دکھ اور افسوس ہوا کہ اپنے شیخ کے جنازے کو کندھا بھی نہ دے سکا۔ ان کے بعد مختلف اکابر سے اصلاح کا سلسلہ رہا اور وہ اصلاح فرماتے رہے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: دعوت جہاد کے سلسلے میں کن کن ممالک کا سفر ہوا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کئی ملکوں میں جانا ہوا۔ جن میں عرب ممالک خاص

طور پر قابل ذکر ہیں۔ افریقہ بھی کئی بار جانا ہوا۔ اسی طرح یورپ کا بھی سفر ہوا۔ ثمرقند و بخارا کے سفر کی بھی سعادت ملی۔ بنگلہ دیش کے بھی کئی اسفار ہوئے۔ یوں میرے کل غیر ملکی اسفار کی تعداد ۲۷ تک بنتی ہے جو میں نے مختلف اوقات میں کئے تھے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: آپ نے دنیا کے بہت سے خطوں کا مشاہدہ کیا۔ وہاں کے مسلمانوں کے حالات اور جہادی فضاؤں کو کیسا پایا؟

جواب: چونکہ میرا اسفر اکثر جہاد ہی کے عنوان سے ہوتا تھا لہٰذا میری مسلمانوں کے حالات اور جذبات پر خاص طور پر نظر ہوتی تھی۔ ہر جگہ اس سلسلے میں میرا یہ تجربہ رہا ہے کہ مسلمان کے خون میں جہاد کی محبت شامل ہے۔ لیکن جس طرح بعض اوقات خون بیماریوں کی وجہ سے فاسد ہوجاتا ہے اسی طرح جہاد کی بھی بعض عوامل کی وجہ سے اور جہاد و قتال کی دعوت بند ہوجانے کی وجہ سے محبت کافی دبی ہوئی محسوس ہوئی لیکن جب بھی ان کے سامنے تھوڑا سا اس موضوع کو بیان کیا گیا تو مسلمانوں نے فوراً لبیک کہا۔ مجھے یاد نہیں کہ اس طویل عرصے میں جب کہ میری لاکھوں افراد سے ملاقات ہوئی کسی نے جہاد سے انکار کیا ہو یا جہاد کو ماننے سے گریز کیا ہو یا جہاد کی دعوت کو قبول نہ کیا ہو۔ اس سے مجھے احساس ہوا کہ مسلمانوں میں بہرحال یہ جذبہ موجود ہے اور اسے قبول کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔ کمزوری ہمارے اندر ہے کہ ہم نے دعوت دینے میں کوتاہی کی اور حد سے زیادہ تساہل برتا اور صاف ستھری بات رکھنے کی بجائے اسے کئی پردوں میں لپیٹ کر پیش کیا جس کی وجہ سے مسلمان بیدار نہیں ہوئے، لیکن جب ان کے سامنے بالکل واضح اور صاف بات آتی ہے تو ان کے اندر جہاد کی سوئی ہوئی محبت جاگ اٹھتی ہے۔ چنانچہ الحمدللہ ہر جگہ عجیب و غریب حالات دیکھنے میں آئے اور مجھے بے حد حیرانی ہوئی۔

خصوصاً یورپ کے سفر کے دوران وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ اس سے پہلے اس قدر بڑے اور منظّم اجتماعات یہاں کبھی نہیں ہوئے جتنے کہ دعوت جہاد کے سلسلے میں ہوئے۔ اور اگر اس بارے میں میں لوگوں کے جذبات اور اقوال کو نقل کرنا شروع کروں تو یقیناً یہ ایک بہت بڑی کتاب کا مواد بن سکتا ہے۔ ان میں سے اکثر واقعات میرے سینے میں ہیں۔ یہ تو ایک اتفاق تھا کہ انہیں جہاد کی دعوت میری زبان سے دی جارہی تھی۔ اس میں میرا کچھ بھی کمال نہیں تھا یہ سب کچھ دعوت جہاد کا اثر تھا کہ مسلمانوں میں کیسی کیسی انقلابی تبدیلیاں دیکھنے میں ملیں۔ میں بہرحال اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھ جیسے نااہل کو اس چیز کا وقتی طور پر ذریعہ بنایا اور

میں دوسرے مسلمانوں کو یہ بات یاددلاتا ہوں کہ جہاد کی دعوت کے سلسلے میں کوئی کوتاہی نہ کریں کیونکہ مسلمان بہرحال اس کے منتظر ہیں۔ جو شخص اپنی جان و مال پیش کر کے انھیں دعوت جہاد دے گا اور خود بھی اس پر عمل کے لئے پوری طرح آمادہ ہوگا تو اسے انشاءاللہ مسلمانوں کی طرف سے مثبت جواب ہی ملے گا اور ایسے ایسے جذبات دیکھنے کو ملیں گے جنہیں زبان سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: آپ نے کشمیر کا سفر کن مقاصد کے تحت کیا؟

جواب: میرا سفر کشمیر ایک ضمنی سفر تھا ورنہ اصل سفر ہندوستان کے لئے کیا تھا کیونکہ ہماری لڑائی ہندوستان سے ہو رہی تھی اور کشمیر کے جہاد کے شعلے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں۔ تو اہل اسلام کی خدمت کے سلسلے میں میرا ہندوستان جانا ہوا اور پھر کشمیر کا محاذ جنگ بھی چونکہ قریب تھا لہٰذا میں نے اس میں شرکت کو اپنے لئے سعادت سمجھا اور رفیق محترم کمانڈر سجاد شہیدؒ نے مجھے کشمیر آنے کی دعوت بھی دی تھی۔ جسے میں نے قبول کر لیا تھا تو یہ قرض بھی میں نے چکانا تھا اور تنظیمی طور پر بھی جس ذمہ داری پر کام کر رہا تھا اس میں مجاہدین کے باہمی اتحاد و اتفاق کی ذمہ داری بھی میرے اوپر تھی اور کشمیر میں باقاعدہ اس اتحاد و اتفاق کا اعلان اور ترتیب بنانے کے لئے میرا وہاں پہنچنا مفید سمجھا جا رہا تھا۔ ان تمام مقاصد کو پورا کرنے کے لئے میں نے دورہ کیا اور بہرحال بابری مسجد کی شہادت میرے اس دورے کی بہت بڑی وجہ ہے جس کا اکثر و بیشتر تذکرہ مختلف مضامین میں آتا رہتا ہے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: کہا جاتا ہے کہ کشمیر کا جو آپ نے دورہ کیا، جس تنظیم سے آپ وابستہ تھے اس کی اجازت کے بغیر کیا، اس بارے میں کچھ بتائیں؟

جواب: جہاد کے فرائض میں سے ایک فرض امیر کی اطاعت بھی ہے اور کوئی مجاہد بھی جس کی عقل سلیم ہو اور اس کے ہوش و حواس درست ہوں وہ اپنے آپ کو موت کے منہ میں اور دشمنوں کے نرغے میں اس حالت میں نہیں ڈال سکتا کہ وہ اپنے امیر کا نافرمان ہو۔ مجھے معلوم نہیں کہ کن مقاصد کے تحت یہ بات مشہور کی جا رہی ہے؟ حالانکہ وہ تمام افراد بھی زندہ ہیں جو اس وقت ذمہ داری پر تھے۔ اس کے علاوہ اس وقت ہندوستان اور کشمیر سے متعلق میرے پاس جو ذمہ داریاں تھیں چونکہ میں نے کبھی ان کا اپنی زبان سے اظہار نہیں کیا شاید اسی وجہ سے کسی کو یہ شبہ ہوتا ہو۔ میں تو اللہ تبارک و تعالیٰ کا اس پر شکر ادا کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں مجھ سے کوئی شرعی

بے قاعدگی نہیں ہوئی۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: آپ اپنے اس سفر میں ہندوستان بھی گئے۔ ہندوستان کے حالات کیسے پائے؟

جواب: میں اپنے اس سفر سے پہلے ہندوستان کا تفصیلی جائزہ لے رہا تھا اور ہندوستان سے تعلق رکھنے والے بہت سارے افراد اور مجاہدین کے ساتھ رابطے میں بھی تھا اور ہندوستان کے تمام صوبوں کے حالات پر بھی میری کافی گہری نظر تھی اور چونکہ یہ جہاد کا ایک حصہ ہے کہ ہم اپنے دشمن کو پہچانیں، اسے سمجھیں، اس کے حالات کا بغور مشاہدہ کریں اور اس پر کڑی نظر رکھیں کیونکہ یہی وہ قاتل ہے جو ہر دن ہمارے بیس سے پچیس نوجوانوں کو شہید کر رہا تھا، ہمارے گھروں کو جلا رہا تھا، ہماری ماؤں، بہنوں کی عصمتوں کو تار تار کر رہا تھا، ہماری مساجد اور مقدس مقامات کو گرا رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان پہنچ کر میں کسی نئی چیز سے آشنا نہیں ہوا۔ میرے سامنے الحمدللہ ہندوستان کے سارے حالات تھے اور میں نے وہاں رہ کر جو کچھ کیا وہ میں ''چاک قفس سے'' میں لکھ رہا ہوں۔ البتہ چونکہ کشمیر کی تحریک جاری ہے اس لئے نہ ہر بات لکھی جاسکتی ہے اور نہ اس سلسلے میں ہر بات بیان کی جاسکتی ہے۔ احتیاط اور عسکری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو کچھ اس میں بیان کے قابل ہے میں اس کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ ہندوستان کے حالات جیسے میں سنتا تھا میں نے وہاں جا کر ویسے ہی پائے کہ وہاں کا مسلمان اب بیدار ہو رہا ہے۔ غلامی کا وہ جال جس میں وہ جکڑا ہوا ہے اب تک وہ اس کے بارے میں زیادہ شعور نہیں رکھتا تھا، مگر اب اس میں اس چیز کا شعور بیدار ہو رہا ہے کہ وہ غلامی کے اس جال سے باہر نکلے۔ مسلمان وہاں پر جس بے چینی میں مبتلا ہیں وہ بے چینی بھی وہاں کھلی آنکھوں سے دیکھنے میں نظر آئی۔ آر ایس ایس اور وشوا ہندو پریشد کی ستر سالہ محنت کے بعد ہندوستان جس پیلے اور بھگوے رنگ میں رنگا جا رہا ہے اس کا مظاہرہ بھی میں نے وہاں جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل تاریک کرنے کیلئے ہر وہ کوشش کی گئی ہے جو وہ کر سکتے تھے۔ لیکن مسلمانوں میں جو بیداری کی لہر دوڑی ہے اس سے یہ امید پیدا ہو گئی ہے کہ انشاء اللہ ان کا مستقبل ہندوستان میں روشن ہوگا۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: کشمیر میں مجاہدین کیساتھ آپ کا وقت گزرا، ان کے حالات کے بارے میں کچھ بتائیں؟

جواب: جب میں کشمیر میں داخل ہوا تو ائیر پورٹ سے ہی میرے ذہن پر یہ بات سوار ہوگئی کہ یہاں مجاہدین کس طرح سے کام کرتے ہوں گے؟ ہر طرف فوج کے بینکر، ہر طرف پھرنے والے سیکورٹی اہلکار، قدم قدم پر ان کے مورچے کوئی نیا آدمی اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ اس شہر میں کوئی ایک فرد بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ اسلحہ لے کر آ جا سکتا ہوگا۔ لیکن جہاد اپنی طاقت ہر جگہ منواتا ہے اور میں خراج تحسین پیش کرتا ہوں مجاہدین کو جو اس سخت قسم کے فوجی کریک ڈاؤن کے درمیان بھی پوری ہمت، جرأت اور استقامت کے ساتھ اپنا کام کر رہے ہیں۔ سری نگر کے مصروف اور معروف ترین علاقے میں جہاں چاروں طرف سیکورٹی اہلکاروں کا جال بچھا ہوا تھا یہاں تک کہ اس سڑک سے گزر کے اپنی رہائش گاہ تک پہنچتے ہوئے میں نے درجنوں اور سینکڑوں فوجیوں کو دیکھا اور ان کے پاس سے گزرا۔ مجھے اس وقت بہت زیادہ حیرت ہوئی کہ جب کچھ ہی دیر بعد کمانڈر سجاد افغانی اپنے بارہ مسلح باڈی گارڈز سمیت میرے اس مکان میں داخل ہوئے اور اس کے علاوہ بھی کئی مجاہدین وہاں پر پہنچے اور پھر ہم نے وہاں سے سفر کیا۔ اس کے بعد اسلام آباد جسے انت ناگ بھی کہا جاتا ہے کے علاقے میں مجاہدین کے مسلح دستوں اور گروپوں سے بھی ملاقات ہوئی۔ مجاہدین کا حوصلہ بلند تھا ''الحمدللہ'' اور وہ اس بات پر خوش تھے کہ اللہ رب العالمین نے جہاد جیسے مقدس فریضے کے لئے انہیں قبول کیا ہے۔ البتہ جہاد کشمیر میں مجاہدین کے لئے مشکلات بھی بے پناہ ہیں اور اس بات کی سخت ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ کنٹرول لائن سے دوسری طرف بیٹھنے والے لوگ مجاہدین سے تعاون میں کسی طرح کی کمی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے یہ زمین پر چلتے پھرتے زندہ اولیاء اسلام کی حقانیت کی واضح دلیل ہیں اور ان کے ساتھ ہر طرح کا تعاون ہمارے ایمان کا ثبوت اور ہمارے ایمان کا تقاضہ ہے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: بھارتی فوج کے ہاتھوں آپ کی گرفتاری یقیناً ایک اہم واقعہ تھا لیکن آج تک یہ پوری طرح کبھی منظر عام پر نہیں آیا، اس پر تفصیلی روشنی ڈالیں؟

جواب: ہاں یہ سچی بات ہے کہ میری گرفتاری کا واقعہ پوری طرح منظر عام پر نہیں آسکا۔ اس کے بھی کچھ عوامل ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ اس گرفتاری کے عینی گواہ کل تین تھے۔ ایک انت ناگ یعنی اسلام آباد سے تعلق رکھنے والے ہمارے ایک مجاہد ساتھی بھائی رئیس شہیدؒ جو اس وقت مجاہدین کے ناظم مالیات اور ان کی ایک خصوصی فورس کے ذمہ دار کی حیثیت سے وہاں کام

کرر ہے تھے اور باقی ہم دو یعنی کمانڈر سجادؒ صاحب اور میں۔ ہم دونوں جیل میں تھے جبکہ بھائی رئیس ہمارے گرفتار ہونے کے کچھ عرصے بعد جام شہادت نوش فرما گئے۔ ہم تینوں کے علاوہ جائے وقوع پر اور کوئی ایسا فرد موجود نہیں تھا جو صحیح صورت حال لوگوں تک پہنچا سکتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مجاہدین کے وہ افراد جو محاذ جنگ سے دور بیٹھ کر محاذ کے حالات لکھتے ہیں اور مجاہدین کے شعبہ نشر واشاعت کی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ وہ اکثر ان باتوں کو لکھتے ہیں اور ان باتوں پر انحصار کرتے ہیں جو ان تک کئی ذریعوں اور کئی راستوں سے پہنچتی ہیں۔ خود انہیں محاذ جنگ پر جانے اور خود وہاں کا مشاہدہ کرنے یا وہاں کے حالات معلوم کرنے کی زحمت گوارہ کرنے کی توفیق نہیں ملتی۔ اس وجہ سے صحیح حالات اور صحیح واقعات ان تک نہیں پہنچ سکتے۔ تیسری وجہ وہ بات ہے جو عام طور سے مجاہدین کو اپنے گھیرے میں لے چکی تھی اور اب الحمدللہ مجاہدین اس سے آہستہ آہستہ آزاد ہوتے جارہے ہیں۔ وہ یہ شوق کہ مجاہدین کو ہمیشہ ناقابل تسخیر کر کے پیش کیا جائے اور ان کی طاقت اور قوت کو مافوق الفطرت اور انسانی قوت سے بڑھا کر پیش کیا جائے۔ چنانچہ اس بات کو عار اور عیب سمجھا جاتا ہے کہ ہمارا کوئی مجاہد بغیر جنگ کرتے ہوئے گرفتار ہو جائے یا چند فوجیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو جائے۔ چنانچہ لازماً اس کو شہادت یا گرفتاری کے لئے دشمن کی لاکھوں فوج کے سامنے کھڑا کرنا پڑتا ہے، تاکہ عوام کو یہ تاثر دیا جائے کہ کسی مجاہد کو سو دو سو فوجی تو پکڑ ہی نہیں سکتے، لازماً اس کے لئے لاکھ دو لاکھ فوجیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان مبالغہ آرائیوں کی وجہ سے جہاد کی دعوت کو بہت زیادہ نقصان پہنچا ہے۔ اور حالات واقعات کا صحیح تجزیہ بھی لوگوں کے سامنے نہیں آسکتا اور سب سے خطرناک یہ کہ بعض مجاہدین میں خود ریاکاری کی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ مجاہدین کو چاہئے کہ حالات و واقعات کا صحیح تجزیہ پیش کیا کریں اور اس چیز کو اپنے لئے عار نہ سمجھیں کہ دشمن کا مقابلہ کئے بغیر کوئی گرفتار ہو گیا یا کم افراد کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا یا کم افراد کا مقابلہ کرتے ہوئے گرفتار ہوا۔ یہ چیزیں میدان جہاد کا ایک لازمی حصہ ہیں۔ ہر انسان اپنے جسم اور اپنی طاقت کو تولے اور اس کے بعد پھر ان واقعات پر غور کرے تو یقیناً اسے شرم آئے گی کہ حد سے زیادہ مبالغہ کرنے میں جہاد کا کس قدر نقصان ہوتا ہے اور اس سے کتنی زیادہ برائیاں جنم لیتی ہیں؟ الحمدللہ اہل حق ان چیزوں سے پاک صاف رہتے ہیں۔

بہرحال کمانڈر سجاد شہیدؒ اور ان کے ساتھ ہم دونوں اسلام آباد کے ایک گاؤں سے

مجاہدین سے مل کر واپس آ رہے تھے اور جنگی حکمت عملی کے تحت سجاد صاحب نے اپنے تمام مسلح ساتھیوں کو ہٹا دیا تھا۔ وہ ایک سویلین کے روپ میں سفر کرنا چاہتے تھے لیکن راستے میں ایک مسلح ساتھی کو ساتھ بٹھانا پڑا اور آگے سول ٹرکوں میں فوج کا ایک کانوائے موجود تھا جو لوگوں کو روک کر ان کی تلاشی لے رہا تھا۔ اس تلاشی کے دوران سجاد صاحب نے اپنے اس مجاہد ساتھی کو بھاگنے کا اشارہ کیا۔ اس نے ایک گرنیڈ فوج پر پھینکا اور بھاگ گیا۔ اتفاق ہے کہ وہ گرنیڈ نہیں پھٹا مگر پھر بھی اس نے ایک دو فوجیوں کو گرایا اور نکل گیا اس پر بہت شدید فائرنگ ہوئی جس سے وہ زخمی ہوا لیکن زخمی حالت میں وہ نکل گیا۔ اس وقت ہم موٹر رکشہ میں آ رہے تھے کیونکہ ہماری گاڑی راستے میں خراب ہوگئی تھی۔ ہمیں اتارا گیا اور جامہ تلاشی لی گئی۔ سجاد صاحب کشمیری زبان بولنے کے ماہر تھے انہوں نے ان کو مطمئن کیا کہ ہمارا اس نوجوان سے کوئی تعلق نہیں تھا میں ایک تاجر ہوں اور یہ میرے پیر صاحب ہیں۔ فوج نے مطمئن ہو کر ہمیں چھوڑ دیا۔ ہم رکشہ میں بیٹھ کر واپس جا رہے تھے کہ اچانک ان کی گاڑیوں نے پھر ہمارا گھیراؤ کر لیا اور کہا کہ ذرا آپ ہمارے ساتھ چلیں، ہم مزید تفتیش کر کے آپ کو چھوڑ دیں گے۔ ان کی کئی مسلح گاڑیاں تھیں پورا کانوائے تھا جس کے ساتھ ساتھ وہ ہمیں لیکر واپس گئے۔ راستے میں ہماری گاڑی موجود تھی۔ انہوں نے اس گاڑی کو ٹٹولا تو انہیں اور زیادہ شک ہو گیا کیونکہ اس میں سے ان کو کچھ چیزیں ایسی مل گئیں کہ جن سے ان کا شک اور بڑھ گیا۔ بس یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا، بالآخر وہ اپنے کیمپ میں لے گئے جہاں کچھ عرصے بعد ان کو تصدیق ہوگئی کہ یہ کون افراد ہیں؟ اور ہماری گرفتاری کا یہ عمل مکمل ہو گیا۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: یہ گرفتاری کس علاقے میں عمل میں آئی؟

جواب: میں نے عرض کیا کہ سری نگر سے آگے ایک شہر ہے جس کو مجاہدین اسلام آباد کہتے ہیں اور ہندو اسے اننت ناگ کہتے ہیں۔ وہاں کے ایک دور دراز گاؤں سے ہم اسلام آباد شہر واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ہماری گرفتاری ہوئی۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: سننے میں آیا ہے کہ جب آپ لوگ گرفتار کئے گئے تو اس وقت سجاد شہید نے آپ کی وجہ سے اپنی شناخت کروائی تھی تاکہ آپ کو چھڑوا سکیں؟

جواب: جی ہاں جب فوجی واپس ہمیں لے کر ہماری گاڑی کے پاس پہنچے اور ان کا شک بڑھ گیا اور وہ ہمیں اپنے کیمپ میں لے گئے۔ تب کیمپ کے دروازے کے پاس پہنچ کر سجاد

صاحب نے آخری کوشش کی۔ ہم دونوں کو الگ الگ گاڑیوں میں باندھ کر بٹھایا گیا تھا۔ مجھے میری گاڑی سے اتارا گیا اور سجاد صاحب کی گاڑی کے پاس لایا گیا تو میں نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی اور وہ زور زور سے کہہ رہے تھے کہ ''وہ جو پیر صاحب ہیں ان کو بھی لاؤ اور اپنے کمانڈر افسر کو بھی لاؤ'' ان کی گاڑی کے سامنے مجھے بھی کھڑا کر دیا گیا اور ان کا کمانڈنگ افسر بھی آ گیا تو سجاد صاحب نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ ''پیر صاحب! میں نے آپ پر ظلم کیا ہے شاید اس کی مجھے سزا ملی ہے'' اور پھر اس افسر کو کہا کہ ''مبارک ہو! تم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے، تم نے حرکۃ الانصار کے سالار اعلیٰ سجاد افغانی کو گرفتار کر لیا ہے'' یہ سنتے ہی اس فوجی نے بے ساختہ ان کو سلوٹ کیا اور اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ انہوں نے کہا کہ ''میں تو سجاد ہوں اور آپ کو اس پر انعام بھی ملے گا، لیکن یہ بے قصور ہیں آپ انہیں چھوڑ دیں، میں نے ان کو مجاہدین کے لئے کچھ چندہ وغیرہ لینے کے لئے اغواء کیا تھا۔ ان کا بہت بڑا حلقہ ہے'' اس نے کہا ''ٹھیک ہے! ہم ان کو چھوڑ دیں گے'' پھر ہمیں الگ الگ گاڑی میں بٹھا دیا گیا اس دوران وہ بہت نعرے لگا رہے تھے اور اپنی کامیابی پر خوش ہو رہے تھے۔ لیکن ان کو شبہ ہوا کہ جب یہ سجاد ہیں تو ان کے ساتھ کوئی عام آدمی نہیں ہو سکتا اور پھر خود اس کو چھڑوانے کے لئے اپنا نام ظاہر کیا ہے تو اس میں بھی کوئی اہم بات ہوگی۔ چنانچہ وہ اپنی تفتیش کرتے رہے اور بہت زیادہ تشدد بھی کیا۔ بالآخر وقت گزرتا گیا اور آہستہ آہستہ ان کو معلومات ہوتی رہیں اور پھر ان کی خوشی اور بڑھ گئی کہ ہم نے جو دوسرا فرد گرفتار کیا ہے وہ بھی دشمنی کے اعتبار سے اہمیت کا حامل تھا۔ سجاد شہید کی زندگی کا یہ اہم واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنے ایک ساتھی کی خاطر اتنی بڑی قربانی دینے کی کوشش کی۔ میرا خیال یہ ہے کہ وہ خود کشمیر میں بہت عرصے سے برسرپیکار تھے اور کافی سارے مجاہدین سے ان کا تعلق تھا بہت سارے افراد کیمپوں میں بطور مخبر کی حیثیت سے موجود تھے جو سجاد صاحب کو جانتے تھے۔ کیمپ میں پہنچ کر بھی ان کی شناخت ہو جانی تھی لیکن اپنی شناخت سے پہلے ہی انہوں نے اپنا نام ظاہر کر کے اپنے ایک ساتھی کو چھڑانے کی ایک آخری کوشش کی۔ یقیناً یہ چیز ان کے لئے ایک اونچے مقام کا باعث ہے اور ان کے اندر جو مجاہدین کی صفات تھیں ان کا اس سے اظہار ہوتا ہے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: انڈین آرمی نے گرفتاری کے بعد سب سے پہلے آپ پر مقدمہ دائر کیا یا قانونی طور پر تشدد کیا؟

جواب: گرفتاری کے فوراً بعد تشدد کا عجیب وغریب اور خوفناک سلسلہ شروع ہو گیا اور ہم دونوں کو الگ الگ اس کا نشانہ بنایا گیا اور بعد میں جو حالات معلوم ہوئے اس سے یہ بات سامنے آئی کہ وہ ہمیں اپنے پہلے کیمپ میں ہی قتل کر دینا چاہتے تھے اور اس کے بعد یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ مقابلے میں ہم نے ان دونوں کو مار دیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر رعب ڈال دیا اور اس رعب کی بڑی وجہ اس وقت ضلع اسلام آباد کے مجاہد کمانڈر جو کہ میرے انتہائی گہرے دوست اور سجاد صاحب کے انتہائی قریبی ساتھی بھائی سکندر شہید تھے جن کی جواں مردی کا اس رعب میں بڑا حصہ تھا۔ ہمارے گرفتار ہوتے ہی انہوں نے اپنے تمام مجاہدین کو اکٹھا کر کے کیمپوں پر دیوانہ وار حملے شروع کر دیئے تھے اور پورے کشمیر میں تحریک کو ایک زبردست قسم کی گرمی مل گئی ان دنوں مجاہدین نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، آرمی پر ہر طرف سے فائر کھول دیئے اور غالباً یہی چیز ان پر دباؤ کا باعث بنی کہ ہمارے مرنے کے بعد انتقامی کارروائیاں اور زیادہ شدید ہوسکتی ہیں۔ لہذا تیرہ دن تک ہمیں پریس اور ہر چیز سے دور رکھنے کے بعد بالآخر وہ اس بات پر مجبور ہوئے کہ ہماری گرفتاری کا اعلان کریں، ورنہ بقول انہی میں سے بعض افراد کے (واللہ اعلم) ان کا ارادہ تھا کہ ان کو کیمپ میں قتل کر دیا جائے۔ یہاں میں ضمناً یہ بات بھی عرض کر دوں کہ کئی مجاہدین کے ساتھ یہ واقعہ پیش آچکا ہے کہ کیمپوں میں لے جانے کے بعد ان کو تشدد کر کے شہید کر دیا گیا اور ظاہر یہ کر دیا کہ ایسا مقابلوں کے دوران ہوا ہے۔ چنانچہ تیرہ دن تک اخباروں کو ہماری خبر جاری نہ کرنا، ہمیں پریس کے سامنے نہ لانا، ہماری گرفتاری کا عمومی جشن نہ منانا یہ سارے ایسے شواہد ہیں جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں لیکن تیرہویں دن انہوں نے ہمیں سری نگر لا کر صحافیوں کے سامنے پیش کیا اور باقاعدہ ہماری گرفتاری کا اعلان ہوا اور اس کے ایک دو روز بعد سری نگر کے بادامی باغ آر آر سینٹر میں لے جایا گیا جو ایک عقوبت خانہ ہے، لیکن کوئی چارج شیٹ ہمیں نہیں دی گئی اور نہ کوئی فرد جرم ہم پر عائد کی گئی۔ یہاں تک کہ قانونی طور پر اندراج بھی نہیں کیا گیا، بلکہ سات ماہ تک ہمیں بغیر ہر طرح کے قانونی جواز کے اس سینٹر میں رکھ کر تشدد کا نشانہ بنایا گیا، پوچھ تاچھ ہوتی رہی اور ہر طرح کا غیر انسانی معاملہ وہاں سب مجاہدین پر برتا گیا اور پھر اسکے بعد جب ہمیں حالات کا علم ہو گیا اور ہمیں یہ پتہ چلا کہ ہمیں یہاں غیر قانونی طور پر رکھا گیا ہے تو ساتھیوں میں ایک شعور پیدا ہوا اور انہوں نے بہت زبردست قسم کا احتجاج کیا جس کے نتیجے میں ہمیں جموں میں کوٹ بھلوال کی ایک جے آئی سی (جوائنٹ

انٹروگیشن سینٹر) کوٹ بھلوال میں لایا گیا۔اب ان کا ارادہ تھا کہ ہماری گرفتاری کو باقاعدہ رجسٹر کریں لیکن وہاں حالات خراب ہو گئے اندر مجاہدین ایک ہزار کی تعداد میں کھلے تھے وہ سب ہماری حمایت میں ہو گئے اور پھر سرنگ کھودنے کا معاملہ طے ہو گیا، چنانچہ ہم وہاں تین ماہ بغیر رجسٹریشن کے رہے اور تیسرے ماہ انہوں نے حملہ کر کے ہمیں وہاں سے باہر نکالا' ہم لوگ شدید زخمی تھے۔تقریباً ایک ماہ تک ہم لوگ اپنے بستروں پر سو بھی نہیں سکتے تھے۔لیکن اس حالت میں بھی وہ ہمیں مزید تشدد کا نشانہ بناتے رہے اور ہمیں جموں کی ایک بدنام زمانہ جے آئی سی (جوائنٹ انٹروگیشن) سینٹر تالاب تلو میں منتقل کر دیا گیا۔تالاب تلو میں پہلی بار گرفتاری کے بعد تقریباً دس ماہ کے بعد ہماری گرفتاری کاغذوں پر رجسٹر ہوئی اور ہماری ایف آر آئی رپورٹ بنائی گئی۔ ہمارا بیان باقاعدہ لکھا گیا جس کو آئی آر کہتے ہیں۔انٹروگیشن رپورٹ تیار ہوئی اور پھر اسی کو بیس بنا کر ہم پر دو سال کا پبلک سیفٹی ایکٹ لگا کر تہاڑ جیل منتقل کیا گیا۔تہاڑ جیل میں دو سال رہنے کے بعد ہمیں پھر کسی قانونی کھاتے میں رکھ لیا گیا اور گرفتاری کے تقریبا سوا پانچ سال بعد پہلی بار ہمیں ٹاڈا کوٹ میں پیش کیا گیا۔گویا کہ آپ کے سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ ہم پر سوا پانچ سال تک کوئی چارج شیٹ نہیں لگائی گئی نہ کوئی فرد جرم عائد کی گئی اور نہ ہی ہمیں کوئی قانونی سہولت دی گئی کہ ہم کسی کورٹ میں جا سکیں یا کسی عدالت سے ہم انصاف حاصل کر سکیں۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: بھارتی حکومت کے پاس آپ کے خلاف کیا مقدمات تھے؟

جواب: ٹاڈا کوٹ میں میرے خلاف جو چارج شیٹ پیش کی گئی تھی اس میں مجھے دنیا کا ایک بہت بڑا دہشت گرد کئی ملکوں میں جا کر جہاد کی دعوت دینے والا ایک فرد، مجاہدین کی مالی طور پر مدد کرنے والا ایک فرد اور عملی طور پر جہاد میں شرکت کرنے والا ایک مجاہد (میلیٹینٹ) قرار دیا گیا تھا اور جج سے کہا گیا تھا کہ یہ انڈیا کی سالمیت کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔انڈیا کے اندر یا سری نگر میں میرے خلاف کسی معاملہ کو درج نہیں کیا گیا تھا بلکہ میری عمومی زندگی کے حوالے سے یہ الزام لگا کر پیش کیا گیا۔لیکن آٹھ نو ماہ بعد جج کے سامنے پیش ہونے کے بعد جج نے اس کیس میں مجھے بری کر دیا مگر جب حکام کو معلوم ہوا کہ جج بری کرنے والا ہے تو انہوں نے سرنگ کی کھدائی کے کیس کا (جو کوٹ بھلوال میں کھودی گئی تھی) سول کورٹ میں ٹرائل

شروع کردیا جہاں ایک عورت جج تھی، ابھی اس کیس سے بری ہونے کا وقت قریب تھا کہ ایک نیا کیس مجھ پر بنا ڈالا کہ عید کے دن جیل حکام پر پتھراؤ کیا تھا اور مجاہدین کو چھتوں پر چڑھا کے حکام کے خلاف نعرے لگائے تھے۔ اس کے بعد اسی طرح کے پانچ چھ کیس مزید تیار تھے لیکن ابھی دوسرے کیس کا ٹرائل چل رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ سارے کیس خود ہی ختم فرمادیئے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: جب ٹاڈا کوٹ نے آپ کی رہائی کا حکم جاری کردیا تھا اور آپ کو تمام الزامات سے بنیادی طور پر بری کردیا گیا تھا تو پھر آپ پر کس بنیاد پر ایسے دیگر مقدمات چلائے گئے؟ حالانکہ آپ کی برأت ثابت ہوچکی تھی؟

جواب: یہ باتیں اس ملک کے بارے میں پوچھی جاسکتی ہیں جہاں انسانیت موجود ہو۔ ہندوستان بہت عرصہ ہوا انسانی قوانین سے محروم ہوچکا ہے۔ اگر میں وہاں کی جیلوں کا حال آپ سے تفصیل سے بیان کروں تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ ہندوستان کس ماحول اور کن حالات میں سانس لے رہا ہے؟ ہمارے کئی ساتھی جو اس وقت جیلوں میں بند ہیں ان پر یہ کیس ہے کہ انہوں نے جیل کے ایک فرد کو پتیلا مارا تھا اور باقاعدہ وہاں کورٹ میں ایک پتیلا پیش کردیا گیا کہ یہ ان کا ہتھیار تھا۔ ایک طرف کاغذوں میں لکھا ہے کہ یہ دنیا کے بہت سخت اور خوفناک ترین دہشت گرد ہیں اور جب وہ دوسرے تمام کیسوں سے بری ہوگئے تو ان پر ایک پتیلا مارنے کا کیس عائد کرکے ان کو وہاں رکھا ہوا ہے۔ ان میں قابل ذکر ہمارے مولانا ابوجندل صاحب ہیں جن کو چرار شریف کے واقعہ میں گرفتار کیا گیا تھا۔ اس وقت بائیس ساتھی وہاں پر ایسے ہیں جن کو وہاں کی تمام عدالتوں نے پش بیک کے آرڈر جاری کردیئے ہیں یعنی ان کو پاکستان بھیجنے کے احکامات ہیں ان میں سے بعض کے کاغذات اس وقت میرے پاس یہاں موجود ہیں لیکن پھر بھی ان کو بلاجواز وہاں پر رکھا ہوا ہے۔ آپ کو شاید یاد ہوگا کہ جب میں نے پہلی پریس کانفرنس بلائی تھی تو میں نے ایک اخباری بیان وہاں تقسیم کیا تھا کہ ساٹھ پاکستانی افراد تین، ساڑھے تین سال سے مختلف تھانوں میں پڑے ہیں جن کے لئے عدالتیں فیصلہ دے چکی ہیں کہ ان کو واپس پاکستان بھیج دیا جائے لیکن وہاں کے حکام کا کہنا ہے کہ ہمارے پاس ان کو وہاں بھیجنے کے لئے پیسے نہیں ہیں، اس وجہ سے ان کو کئی سالوں سے جیلوں میں رکھا ہوا ہے، تو جہاں قانون کی ایسی حالت ہو ایسے ملک کے بارے میں اس طرح کے سوالات کا کیا جواب دیا جاسکتا ہے؟

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ٹاڈا کورٹ کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: ''ٹاڈا'' مخفف ہے ایک جملے کا، جس کا مفہوم بنتا ہے ''انسداد دہشت گردی کا قانون'' یہ قانون انڈیا گورنمنٹ نے متعارف کرایا تھا جو دنیا کے کسی بھی ملک کے قوانین سے میل نہیں کھاتا۔ اس قانون کی رو سے پولیس کے سامنے دیا ہوا بیان کسی بھی ملزم کے خلاف ایک ثبوت مانا جاتا ہے۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ پولیس کے سامنے دیئے ہوئے بیانات کو عدالت گواہوں کی گواہی اور دیگر شواہد کی روشنی میں پرکھتی ہے لیکن ٹاڈا میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ ملزم نے پولیس کے تشدد کی وجہ سے جو بیان دیا ہو اور اس پر اس کے انگوٹھے یا دستخط ہو گئے ہوں وہ بیان بطور ثبوت کے عدالت میں تسلیم کیا جا سکتا ہے اور اس پر سزا دی جاتی ہے۔ ٹاڈا قانون میں کئی شقیں تھیں جن میں سب سے ہلکی شق پانچ نمبر تھی جس کے تحت پندرہ سال کی سزا تھی اور سب سے خطرناک شق ٹاڈا دو اور ٹاڈا تین تھی۔ ٹاڈا کے لئے الگ سے عدالتیں قائم کی گئیں تھیں جو ہائی کورٹ کے مساوی تھیں۔ چنانچہ ٹاڈا عدالت سے جس کو سزا مل جائے تو اس کو اپیل کے لئے صرف سپریم کورٹ میں جانے کی گنجائش ہوتی ہے، وہ ہائی کورٹ یا اور کسی کورٹ میں اپیل نہیں کر سکتا۔ ٹاڈا میں پکڑے جانے والے یا اس کا نشانہ بننے والے ۹۵ فیصد مسلمان تھے۔ جموں، بمبئی اور یوپی میں مسلمانوں کو اس قانون کا نشانہ بنایا گیا۔ یہاں تک کہ بعض مسلمانوں کو خنجر اور استرا رکھنے پر بھی ٹاڈا کے تحت سزائیں دی گئیں اور ان کو الجھا کے رکھا گیا۔ اسی طرح سے وہاں ایک خبر بھی مشہور ہوئی کہ ایک جانور پر بھی ٹاڈا لگایا گیا کہ اس پر کچھ مجاہدین گھومتے تھے ایک گھوڑا تھا جو پنجاب سے پکڑا گیا تھا اس کو بھی ٹاڈا کے تحت لیا گیا۔ تو اس اندھے قانون کا بہت مضحکہ خیز استعمال ہوا اور اس قانون کی ایک بدترین بات یہ تھی کہ اس میں ضمانت محال تھی اور اس میں ٹرائل بھی بہت لمبا چلتا تھا۔ بہر حال ہمیں ٹاڈا دو اور تین لگا کر عدالت میں پیش کیا گیا جس میں عمر قید کی سزا سے کم کوئی سزا نہیں تھی لیکن اللہ رب العالمین کا کرنا ہوا کہ اسی ٹاڈا کورٹ کے جج نے اس کیس کو بوگس قرار دے دیا اور ہمیں بری قرار دے دیا۔ اس کے فوراً بعد انہوں نے سرنگ کا کیس لگا کے ہمیں دوسری کورٹ میں منتقل کر دیا۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ٹاڈا کورٹ کے جج نے بھارتی حکومت کے دباؤ کے باوجود آپ کو کس طرح بری قرار دیا؟

جواب: جج ہمیشہ جو بھی فیصلہ کرتا ہے اس کے لئے اسے کچھ نہ کچھ سہارا ضرور چاہیئے

ہوتا ہے۔ کاغذی کارروائی کی اپنی بہت سی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ جو اتھارٹی ہمیں کورٹ میں پیش کرنے لے گئی تھی وہ کوئی بھی ایسا ثبوت ان کو نہیں دے سکی جسے بنیاد بنا کر جج ہمیں سزا دیتا یا اس کیس کو وہ مزید لمبا چلا سکتا۔ اب صرف کسی کو دہشت گرد لکھنے سے تو دہشت گرد قرار نہیں دیا جاتا۔ دہشت گردی کا کوئی ثبوت یا خود اس کا کوئی ایسا بیان بھی وہاں پیش کرنا ضروری ہوتا ہے اور یہاں ایک عجیب بات میں آپ کو بتاؤں کہ جموں کشمیر میں ٹاڈا کی طرف سے سات ہزار سے زائد کیس اب تک درج ہوئے ہیں مگر اب تک وہاں کسی کو بھی سزا نہیں ہوسکی، البتہ سالہا سال تک لوگوں کو اس میں الجھا کر رکھا گیا البتہ بمبئی میں ٹاڈا کے تحت کئی مسلمانوں کو سزا ہوئی اور یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وہاں کے مسلمانوں کے احتجاج کے بعد اور بعض سیاسی پارٹیوں کی کوشش سے ٹاڈا قانون کو ختم کر دیا گیا ہے۔ البتہ ٹاڈا عدالتیں باقی ہیں اور ان کیسوں کو نمٹا رہی ہیں جو ٹاڈا قانون منسوخ ہونے سے پہلے درج کئے جا چکے تھے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: جیل میں آپ پر ڈھائے جانے والے ستم کے کچھ واقعات ہمیں بھی سنائیے؟

جواب: اس سلسلے میں میری گزارش یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی خصوصی نصرت اور اپنی خصوصی رحمت سے جس طرح کرم فرماتے ہوئے مجھے رہائی نصیب فرمائی اس رحمت کو دیکھوں تو مجھے یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی کہ میں ان چیزوں کا ذکر کروں اور ان حالات کو بیان کروں جو مجھ پر بیتے ہیں۔ البتہ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میں ایک مجاہد کے طور پر ان کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور شناخت ہونے کے بعد ان کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ میرا مجاہدین کی تنظیم کے مرکزی حصے سے تعلق ہے اور پھر وہاں رہتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ نے میرے ایمان کو سلامتی عطا فرمائی۔ تو ایک مشرک اور بزدل کافر کا ایسے شخص کے ساتھ کیا رویہ ہوسکتا ہے؟ اس کا آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میری آنکھوں کے سامنے جو کچھ بھی بیتا وہ سب کچھ دل پر نقش ہے۔ ہمارے مجاہد ساتھیوں پر جو مظالم ہوئے اور ہم نے ایک دوسرے پر جو ظلم ہوتے ہوئے دیکھے وہ کبھی بھی نہیں بھلائے جاسکتے۔ ان مشرکین نے چودہ سو سال سے مکہ کے تپتے صحراؤں سے لے کر جموں وسری نگر کے عقوبت خانوں تک جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس میں کسی قسم کی کوئی لچک یا کوئی کمی پیدا نہیں ہوئی۔ چنانچہ وہی مارنا، وہی ڈاڑھیوں کا نوچنا، وہی جسم پر کھڑے ہوکر کودنا، ناچنا، گالیاں بکنا یہ ساری چیزیں ایک قیدی کے ساتھ بیتتی ہیں۔ جو مشرکین کے ہاتھوں

ایک مسلمان اور ایک مجاہد کے طور پر گرفتار ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو کبھی نہیں بھلانا چاہئے کہ یہ مشرک بہت بڑا دشمن ہے اسلام کا بھی اور مسلمانوں کا بھی اور وہ ہم میں سے کسی بھی فرد کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ نہیں رکھتا۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: بھارتی زندانوں میں ایک قیدی ہونے کی حیثیت سے آپ کیا محسوس کرتے تھے؟

جواب: ایک قیدی کیا محسوس کرسکتا ہے؟ یقیناً سب سے بڑا احساس جو اللہ کے راستے میں نکلنے والے ایک شخص کے دل پر غم کی تلواریں چلاتا ہے اور دکھ کے کچوکے دیتا ہے وہ ہے جہاد کے عملی میدان سے محرومی کا احساس اور یہ خیال کہ شاید اللہ رب العالمین نے اب دین کی خدمت اور جہاد سے محروم کردیا ہے۔ حالانکہ ہم وہاں ایک دوسرے کو اس بات کی تسلی دیا کرتے تھے اور میں خود اپنے قیدی ساتھیوں کو یہ بات یاد دلایا کرتا تھا کہ آپ جہاد سے محروم نہیں ہیں بلکہ آپ کی خدمات میدان جہاد ہی میں لکھی جارہی ہیں۔ جو شخص اپنے گھر سے نکل گیا جہاد کے لئے جب تک وہ واپس اپنے گھر نہیں آتا اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا ضامن ہے اور اس کے لئے جنت کی ضمانت ہے۔ اور اس کا ایک ایک لمحہ میدان جہاد میں بسر ہورہا ہے۔ خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اللہ کے راستے میں قید ہونے والے بعض افراد کو خط لکھا تھا جس میں ان کو کہا تھا کہ آپ خود کو قیدی نہ سمجھیں آپ لوگ قیدی نہیں ہیں بلکہ اللہ کے راستے میں نکلنے والے وہ مجاہد ہیں جو اللہ تعالیٰ کو اچھے لگے تو اس نے انہیں اپنے راستے میں روک لیا۔ یہ باتیں ایک دوسرے کو یاد دلانے کے باوجود یہ احساس دل پر بہت زیادہ حاوی رہتا تھا کہ دین کے کام سے ایک طرح کی محرومی ہوگئی ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے کو اس بات کی یاد دہانی کراتے رہتے تھے کہ یہاں رہتے ہوئے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنی چاہئیں اور جیل میں رہتے ہوئے بھی جہاد کے اعمال کو کسی حد زندہ رکھنا چاہئے اور جہاد کی تحریری اور زبانی دعوت میں مشغول رہنا چاہئے۔

اس لئے کہ ہماری دنیا تو ظاہری طور پر اس اعتبار سے نقصان میں چلی گئی کہ عملی میدان سے محروم ہوگئے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ہماری آخرت بھی نقصان والی ہوگئی تو ہم سے زیادہ بڑا بدقسمت کون ہوگا؟ اس بات کا مذاکرہ وقتی طور پر ہمارے لئے غموں کا مداوا بن جاتا اور ساتھی زیادہ محنت سے نیک اعمال میں جڑتے تھے اور زیادہ سے زیادہ قرآن مجید کے ساتھ ربط و تعلق رکھتے تھے اور پورے وارڈ میں ایسا ماحول نظر آتا تھا جو شاید کسی اچھی جگہ پر بھی نہ مل سکتا ہو۔

بس یہی محرومی کا احساس ایک طرح سے پریشانی کا باعث بھی بنتا تھا اور دوسری طرف ہمت بھی بندھاتا تھا اور دل میں اس بات کا جذبہ پیدا کرتا تھا کہ ہم کسی بھی طرح سے ان پابندیوں کو توڑ کر جو ہم سے بن پڑے کریں۔ چنانچہ اسی احساس کے تحت دو بار مجاہدین نے الحمدللہ سرنگ کھودی۔ حالانکہ وہ کوئی آسان کام نہیں تھا لیکن اللہ کے راستے میں نکلنے والے چند مجاہدین نے ہمت سے کام لیا اور دشمن کی ہائی سیکورٹی جیل میں ایک بار ساٹھ فٹ لمبی اور دوسری بار ایک سو بیس فٹ لمبی سرنگ نکالنے میں کامیاب رہے۔ اسی احساس کے تحت ہماری جیل حکام سے کئی بار لڑائی بھی ہوئی اور باقاعدہ جہادی ترتیب کے تحت راتوں کو پہرے بھی لگے اور کئی طرح کے جہادی گروپ بھی بنائے گئے۔ اسی احساس کے تحت جیل میں جہادی ٹریننگ' پیدل چلنے کا معمول بھی رہتا تھا۔ ساتھی ایک دوسرے کو جسمانی داؤ پیچ وغیرہ سکھاتے تھے اسی احساس کے تحت اس بات کی بھی کوشش ہوتی تھی کہ جیل کے سخت قوانین کو توڑ کر جہاد کے موضوع پر زیادہ سے زیادہ لکھا جائے اور اس کو باہر بھجوانے کی کوشش کی جائے۔ اسی احساس کے تحت اس بات کی بھی کوشش ہوتی تھی کہ وہاں درسِ قرآن اور دعوتِ جہاد کا حلقہ جمارہے اور دعوت دینے کا سلسلہ جاری رہے۔

اس احساس کے ساتھ ساتھ دوسرا احساس جو دل' دماغ پر غالب رہتا تھا وہ یہ کہ کسی بھی طرح سے دشمن کا وہ غرور خاک میں مل جائے جو ہمیں گرفتار کرنے کے بعد اس کے دماغ پر نشے کی طرح چڑھا ہوا تھا۔ وہ اسے اپنے لئے بہت بڑی کامیابی اور حصولیابی سمجھتا تھا کہ اس نے (بقول اس کے) ایسے نامور مجاہدین کو گرفتار کرلیا ہے' جس کی وجہ سے اس کی فورسز کے حوصلے بھی بڑھے ہوئے تھے اور اس کی ایجنسیوں کے افراد کے پاؤں بھی زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔ چنانچہ جب بھی ہماری ان سے ملاقات ہوتی تھی تو وہ ہمیں اس بات کا شدید احساس دلاتے تھے کہ وہ فتح یاب ہیں اور ہم شکست خوردہ۔ ان کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ وہ اپنی اس فتح کا راگ الاپتے رہیں۔ چنانچہ بار بار ایسی رپورٹیں بھی شائع کی جاتیں اور طرح طرح کے جھوٹے قصے اور داستانیں بنا کر اپنی بہادری کے چرچے بھی کئے جاتے۔ ان باتوں سے ہمیں یہ احساس ہوتا کہ کسی طرح سے ان کا یہ غرور ٹوٹ جائے' چنانچہ جب ہم وہاں دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے اور اجتماعی دعا ہوتی تو یہی دعا کرتے کہ ''یا اللہ ایسے طریقے سے آزادی عطا فرما جو عزت والا طریقہ ہو' جس میں کفر کی ناک خاک میں مل جائے اس کا غرور ٹوٹ جائے اور اس کے دماغ پر جو تکبر کا نشہ سوار

ہے وہ ذلت کے احساس میں بدل جائے'' الحمدللہ' اللہ رب العالمین نے ان دعاؤں کو قبول فرمایا اور جس انداز سے رہائی عطا فرمائی اس میں یہ سارے مقاصد بحمداللہ تعالیٰ حاصل ہو گئے۔ اس کے علاوہ بھی اور بہت سارے احساسات ہیں جن کا تعلق انسان کی ذاتی' انفرادی زندگی یا اجتماعی زندگی سے ہے۔ جو جیل کی زندگی میں انسان کے دل و دماغ پر سوار ہوتے ہیں۔ ہم کوشش کرتے تھے کہ احساسات کی دنیا سے زیادہ سے زیادہ دور رہیں کیونکہ بعض احساسات سخت نقصان دہ بھی ہوتے ہیں۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم : یہ کیسے ممکن ہوا کہ جیل میں رہتے ہوئے آپ کی بہت سی تحریریں اور خطوط باہر کی دنیا تک پہنچتے رہے اور وہ شائع بھی ہوتے رہے؟ کیا ان کے باہر آنے سے آپ پر تکالیف زیادہ نہیں ہوئیں؟

جواب : اگر ایک مسلمان اللہ رب العالمین پر پورا بھروسہ رکھتا ہو اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے واقعات پر اُس کی نظر ہو تو وہ اچھی طرح یہ سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے سامنے پکارنے والے اور مانگنے والے کے ہاتھ کو کبھی مایوس نہیں لوٹاتے۔ ہماری شروع سے یہ تمنا رہی کہ جہاد کے کام سے محروم نہ ہوں' لیکن ایک سال تک کوئی ترتیب نہ بن سکی کہ کاغذ اور قلم کے رشتے کو جوڑا جا سکے' لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اس رشتے کو جوڑنے کی توفیق بھی عطا فرمائی' اس کے اسباب بھی عطا فرمائے' اس کے لئے وسائل بھی مہیا فرمائے' اس کے لئے تدابیر بھی القاء فرمائیں اور ایسی عجیب ترتیب سے کہ مجھے یاد ہے کہ جیل میں رہتے ہوئے ساڑھے چھ سو سے زائد خطوط لکھے اور ان میں سے اکثر خطوط جیل کے مروجہ قوانین سے ہٹ کر لکھے اور بھیجے گئے۔ مگر الحمدللہ چند ایک خطوط کو چھوڑ کر جو ضائع ہو گئے' باقی سب ان افراد تک پہنچ گئے جنہیں میں نے لکھے تھے اور یہ خطوط ایک ایسا ذخیرہ ہے جس سے انشاء اللہ جہاد کے عمل کو یا کچھ مسلمانوں کو ضرور فائدہ ملے گا۔ اسی طرح جہاد کے موضوع پر اور بعض دوسرے موضوعات پر جیل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سینکڑوں صفحات لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اور محض یہ اس کا فضل وکرم تھا اس میں ہم میں سے کسی کا بھی کمال شامل نہیں ہے اور جب ان صفحات کو بھجوانے کے طریقے اس نے عطا فرمائے تو شاید ایک یا دو مضمون ضائع ہونے کے علاوہ اور کوئی مضمون ضائع نہیں ہوا۔ البتہ ایک پوری لکھی ہوئی کتاب جیل میں خود نذرِ آتش کرنی پڑی' کیونکہ اس وقت حالات سازگار نہیں تھے اور اس مسودہ کو اپنے پاس رکھنا سخت خطرناک ہو سکتا تھا۔ جب کوئی مضمون لکھ کر بھجوایا جاتا تھا

اور اس کے چھپ جانے کی اطلاع آتی تو اس بات کی توقع ہوتی تھی کہ دشمن کا جبر و تشدد زیادہ ہوگا اور بڑھ جائے گا اور ان تک اس کی خبریں پہنچ جائیں گی۔ چنانچہ ہم مختلف حیلے بہانے اپنے لئے تیار کر کے رکھتے تھے کہ اگر دشمنوں نے ہم سے پوچھا تو ہم کیا جواب دیں گے اور کیا مؤقف اختیار کریں گے؟ لیکن یہ عجیب بات ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نصرت ہے کہ دشمن کو اس چیز کی خبر نہ ہوسکی اور شاید خبر ہوئی بھی تو اس نے یہ سوچا ہو کہ ممکن ہے کہ ان کے نام سے کوئی دوسرے لوگ لکھ رہے ہوں۔ کیونکہ اسے اپنی سیکورٹی اور اپنے حفاظتی انتظامات پر ناز تھا۔ اللہ کا فضل ہے کہ سب کچھ پہنچ گیا اور اس کے بعد بھی جیل سے آنے والے ساتھیوں کے اکثر خطوط اور چیزیں پہنچ رہی ہیں۔ بعض جگہوں پر بہت زیادہ سختی کرنے کے باوجود بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سختی کرنے والوں کے ہاتھوں سے ہی یہ چیزیں خود پہنچاتا ہے اور انہیں ایسا مسخر اور تابع بنا دیتا ہے کہ وہ مجاہدین کا کام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور یہ ایسی چیز ہے کہ جو انشاء اللہ کبھی بھی ختم نہیں ہوسکتی۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم : سنا ہے کہ آپ نے رہائی کے بعد جو جیل کے حالات لکھے ان کی وجہ سے جو پیچھے ساتھی رہ گئے ہیں ان کے اوپر سختیاں ہوئی ہیں۔ اس بارے میں کچھ بتائیں؟

جواب : میرے یہ رفقاء جو جیل کے خوفناک اور اذیت ناک ماحول میں میرے ساتھ رہے ان کے لئے ہمدردی اور محبت کے جو جذبات میرے دل میں ہیں وہ شاید کسی اور کے دل میں پیدا نہ ہوسکیں اور جتنا خیال مجھے ان کا ہے شاید وہ خیال کسی اور کو نہ ہوسکے' اس لئے کہ ان حضرات کے مجھ پر بے شمار احسانات ہیں۔ جیل کی زندگی میں انہوں نے جس انداز میں میرے ساتھ معاملہ رکھا حقیقت میں وہ قابل رشک ہے اور میں ان سب کا ممنون و احسان مند ہوں ایسے حالات میں کوئی ایسا قدم میں نہیں اٹھا سکتا جس سے انہیں تکلیف پہنچے اور الحمد للہ میں لکھنے کے معاملے میں بہت احتیاط کرتا ہوں اور جو چیزیں لکھی ہیں وہ اس تجربے کو سامنے رکھ کر لکھی ہیں جو مجھے چھ سال تک جیل میں حاصل رہا کہ کن چیزوں سے ان پر سختی بڑھ سکتی ہے اور کن چیزوں سے نہیں۔ اللہ کا فضل ہے کہ چند دن پہلے جیل کے ایک ساتھی کا خط آیا اور اس نے کہا کہ آپ کی رہائی کے بعد ہم پر سختیوں کی کمی ہوگئی ہے' اس لئے کہ اب دشمنوں کو یہ ڈر ہے کہ ان کا ایک ساتھی باہر جا چکا ہے اور اس کو ہزاروں' لاکھوں افراد کی حمایت بھی حاصل ہے' اگر ہم نے اس کے

ساتھیوں کو چھیڑا یا تنگ کیا تو ممکن ہے کہ وہ ہم سے خوفناک انتقام لے۔ تو مشرکین اپنی طبعی بزدلی کی وجہ سے جو ان کے ہر فرد میں انفرادی طور پر بھی موجود ہے اور ان کے معاشرے میں اجتماعی طور پر بھی موجود ہے وہ مجاہدین پر سختی کرنے سے ''جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کی برکت سے رکا ہوا ہے اور وہ ساتھی الحمدللہ اچھی زندگی وہاں گذار رہے ہیں اور میری یہ تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد از جلد انہیں رہائی عطا فرما دے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم : جیل میں قید کے دوران آپ کی رہائی کے لئے کوششیں بھی ہوئی ہوں گی یا آپ نے خود کی ہوں گی۔ اس بارے میں کچھ ہمیں بھی بتائیں؟

جواب : یہ بہت دلچسپ اور طویل داستان ہے اور میں کوشش کروں گا کہ مختصر طور پر اسے بیان کرسکوں۔ چونکہ یہ داستان دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ ایمان افروز بھی ہے اور اس چیز کا احساس بڑھانے والی ہے کہ مسلمانوں کے دل میں ایک دوسرے کی کتنی قدر و قیمت ہے اور مجاہدین کو ایک دوسرے کے لئے کس حد تک قربانی دینی چاہئے۔ بہر حال رہائی تو چھ سال اور چوبیس دن کی قید کے بعد ہوئی لیکن رفقاء نے، مجاہدین نے اور ساتھیوں نے جس طرح کوششیں کیں وہ یقیناً قابلِ ستائش ہیں اور تاریخ کا ایک روشن باب ہیں۔ مختصر طور پر ان کوششوں کا میں اشارۃً تذکرہ کروں گا۔

ہماری گرفتاری کے فوراً بعد اس وقت کے ضلع اسلام آباد (اننت ناگ) کے کمانڈر بھائی سکندر شہید رحمۃ اللہ علیہ (جن کے ساتھ ہمارے بہت گہرے رواسم رہے ہیں) انہوں نے فوراً ہی اپنے تمام مجاہدین کو ہر طرف پھیلا دیا اور بزورِ بازو رہائی کی بے حد کوششیں فرمائیں۔ اس میں معلوم نہیں کتنے مجاہد جامِ شہادت نوش فرما گئے؟ لیکن وہ پندرہ دن انڈین آرمی پر بہت بھاری گذرے اور انہیں بہت زیادہ مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے کہ مجاہدین نے ان کے ہر کانوائے پر، ان کے ہر دستے پر اور ان کے ہر مرکز پر بہت مضبوط حملے کئے۔

گرفتاری کے تقریباً تین مہینے بعد ہمیں سری نگر کے ایک عقوبت خانے میں یہ اطلاع ملی کہ باہر مجاہدین نے کچھ برطانوی باشندوں کو اغواء کرلیا ہے اور ان کے عوض میں ہماری رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔ مجاہدین کی یہ کارروائی اس بات کی غماز تھی کہ باہر ساتھیوں کے دلوں پر کیا بیت رہی ہے اور وہ اس مسئلے کو کس قدر سنجیدگی کے ساتھ لے رہے ہیں اس کے بعد معلوم ہوا کہ ہماری رہائی قریب تھی اور جیل کے عقوبت خانے میں ہمیں کہہ دیا گیا تھا کہ آپ اپنی تیاری کرلیں اور آخری

میڈیکل چیک اپ بھی ہو چکا تھا' جو وہاں کے قوانین کا ایک حصہ ہے۔ لیکن غالباً اس دوران باہر اغواء شدہ باشندوں کی رہائی کی کوئی صورت نکل آئی اور اس طرح سے ہماری رہائی ایک بار پھر مؤخر ہوگئی۔

اس کے بعد جب ہمیں جموں لایا گیا تو گرفتاری کے تقریباً نو مہینوں کے بعد یہ خبر سننے میں آئی کہ دہلی میں کئی غیر ملکی باشندے جن میں کچھ امریکن' کچھ برطانوی ہیں اغواء کر لئے گئے ہیں اور الحدید نامی ایک تنظیم نے انہیں اغواء کیا ہے اور ان کے عوض بھی ہماری رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کارروائی کے منظرِ عام پر آنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ یہ کارروائی بھی بغیر کچھ نتیجہ نکلے ختم ہوگئی۔ لیکن ہمیں اس بات کا اندازہ ہوگیا کہ باہر جو ساتھی مجاہدین موجود ہیں وہ اس سلسلے میں کس قدر فکر مند ہیں اور کس حد تک جانے کے لئے تیار ہیں؟

میں یہاں یہ وضاحت کرتا چلوں کہ باہر جتنی بھی کارروائیاں ہوئیں خواہ وہ لوگوں کے علم میں ہیں یا نہیں۔ ان میں سے کسی بھی کارروائی میں ہمارا مشورہ یا کہنا شامل نہیں تھا۔ بلکہ مجاہدین نے خود اپنے دل میں ایک درد محسوس کرتے ہوئے ایک فکر محسوس کرتے ہوئے اور اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے جو بن پڑا کیا۔

جب ہمیں تہاڑ جیل منتقل کیا گیا تو ہندوستان سے تعلق رکھنے والے کچھ ساتھیوں نے جو جہاد سے زیادہ آشنائی نہیں رکھتے تھے لیکن انہوں نے کچھ کیسٹیں وغیرہ سن رکھی تھیں خصوصاً بابری مسجد والی' انہوں نے کسی نہ کسی طرح بعض کشمیری مجاہدین سے رابطہ کیا' کچھ تربیت حاصل کی' کچھ اسلحہ حاصل کیا اور پنجاب کے ایک علاقے سے کچھ فوجی آفیسروں کو اغواء کیا اور جب وہ انہیں کہیں لے کر جا رہے تھے تو راستے میں جھڑپ ہوگئی۔ جس میں یہ سات مجاہدین بھی شہید ہوگئے اور ان کے ساتھ اغواء کئے ہوئے لوگ بھی مارے گئے اور یہ کارروائی بھی بغیر کسی ظاہری نتیجہ کے ختم ہوگئی۔ لیکن اس سے بھی یہ سبق ملا کہ مسلمانوں میں جذبہ اخوت موجود ہے' جس کے تحت ان گمنام نوجوانوں نے اتنی بڑی کارروائی کی۔

تہاڑ جیل میں ہی ہماری موجودگی کے دوران ہم نے ایک رات خبروں میں سنا کہ کچھ غیر ملکی باشندے پہلگام مقبوضہ کشمیر میں اغواء کر لئے گئے ہیں اور الفاران نامی تنظیم نے انہیں اغواء کیا ہے اور ان کے بدلے بھی ہماری رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔ ان میں کچھ امریکی' کچھ جرمن اور کچھ برطانوی باشندے تھے اور ایک غالباً ناروے کا باشندہ تھا۔ اس کارروائی نے بہت زیادہ طول پکڑا

اور اس کی وجہ سے جیل میں ہم پر بعض سختیاں بھی کی گئیں حالانکہ ہم اس کارروائی سے بالکل ناآشنا تھے اور ہمارے علم میں نہیں تھا کہ یہ کام کرنے والے کون حضرات ہیں؟ اس دوران ہم سے پوچھ تاچھ کے لئے ملکی اور غیر ملکی باشندے آتے رہے' مگر ہم انہیں کچھ بتانے سے قاصر تھے۔ انہوں نے ہم سے درخواست بھی کی کہ ہم انہیں چھوڑنے کے لئے ایک اپیل جاری کریں۔ تو ہم نے انسانی ہمدردی کے تحت وہ اپیل بھی جاری کی پھر اس کے بعد یہ خبر ملی کہ وہ سیاح گم ہوگئے ہیں اور کسی کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ مارے گئے ہیں یا زندہ ہیں؟ کچھ عرصہ بعد جب ہم واپس مقبوضہ کشمیر کی ایک جیل میں لائے گئے تو وہاں آنے والے بعض غیر ملکی باشندوں سے یہ معلوم ہوا کہ کمانڈر سکندر شہید رحمۃ اللہ علیہ کا اس کارروائی سے تعلق تھا اور دوسرا نام جو اس سلسلے میں لیا جارہا تھا وہ ہمارے ایک مجاہد ساتھی کمانڈر عبدالحمید ترکی شہید رحمۃ اللہ علیہ کا تھا' لیکن یہ دونوں حضرات جامِ شہادت نوش فرما چکے تھے۔ اس کے بعد یہ بھی سننے میں آیا کہ کئی ملکوں کے عسکری ماہرین نے چالیس دن تک پہلگام کے علاقے میں ہیلی کاپٹروں اور دوسرے عسکری ذرائع سے ایک بہت بڑی کارروائی کی تاکہ ان اغواء شدہ افراد کو ڈھونڈا جاسکے یا کم ازکم ان کی لاشوں کو تلاش کیا جاسکے' لیکن اس میں بھی انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ اس سلسلے میں کئی بار غیر ملکی وفود اور وہاں کی مقامی ایجنسیوں کے افراد نے جیل میں موجود قیدیوں سے جن میں ہم تینوں بھی شامل تھے' اس بارے میں کافی پوچھ تاچھ کی۔ وہ یہی چاہتے تھے کہ کم ازکم وہ مارے گئے ہیں تو ان کی لاشیں ہی مل جائیں' لیکن اس کارروائی نے امریکی اور یورپی باشندوں کو بہت زیادہ پریشانی میں مبتلا کیا اور اس کی مکمل تفاصیل کسی کو بھی معلوم نہ ہوسکیں' اس لئے کہ جن افراد کو اس کارروائی میں ملوث بتایا جارہا تھا وہ سب شہید ہوچکے تھے اور جو افراد زندہ تھے ان میں سے کسی کو بھی اس بارے میں کوئی علم نہیں تھا اور جو افراد جیل میں قید تھے اور ان کا نام لیا جارہا تھا کہ ان کی رہائی کے لئے یہ کارروائی ہوئی ہے' وہ خود کارروائی کی ابتداء' انتہاء اور درمیان سے بالکل بے خبر تھے۔ بہرحال یہ کارروائی بھی بغیر کسی انجام کو پہنچے ختم ہوگئی اور ہم پر انڈین گورنمنٹ کی طرف سے سختیاں بڑھا دی گئیں اور سیکورٹی کے بندوبست میں بھی معقول اضافہ کردیا گیا۔ اس کے علاوہ بھی بعض گمنام کوششیں تہاڑ جیل میں رہنے کے دوران اور واپس کشمیر کی جیلوں میں لائے جانے کے دوران ہوئی ہیں اور بعض کارروائیاں تو ایسی بھی تھیں جو بہت مضبوط اور آسان تھیں' لیکن منزل کے بالکل قریب آکر یہ کارروائیاں ظاہری ناکامی کا شکار ہوجاتی تھیں اور ہم بعد میں غور کرتے رہتے تھے کہ معلوم

نہیں اللہ رب العالمین کی اس میں کیا حکمت ہے؟ یقیناً وہ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والے' ایمان والوں کی نصرت فرمانے والے اور کافروں کو ذلیل وخوار اور رسوا فرمانے والا ہے اور اُس کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔

جہاں تک جیل کے اندر ہونے والی کارروائیوں کا تعلق ہے ان کی بھی ایک بہت طویل داستان ہے۔ کیونکہ اندر بیٹھنے والے مجاہدین اس چیز سے غافل نہیں ہوئے کہ وہ اپنی رہائی کے لئے مضبوط' مربوط اور منظّم کوششیں کرتے رہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے کہ جیل میں جانے کے باوجود وہاں کی غلامی کو دل وجان سے تسلیم نہیں کیا' بلکہ غلامی کے اس جال اور پھندے کو توڑنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس کی خاطر کسی بھی قربانی سے وہاں موجود مجاہدین نے دریغ نہیں کیا۔

جیل کے اندر سے رہائی حاصل کرنے کی جو کوششیں ہوئیں ان میں ایک بڑی کارروائی ۱۹۹۴ء ہی میں شروع ہوئی تھی۔ یعنی گرفتاری والے سال ...... جب ہمیں کوٹ بھلوال جے آئی سی میں لایا گیا تو اس کی صورت یہ تھی کہ جیل کے اندر کا ماحول کافی کھلا تھا اور بیرکوں کی دیواریں اور دروازے شکستہ ہو چکے تھے' جن کی وجہ سے چوبیس گھنٹے وہاں مجاہدین گھومتے رہتے تھے۔ دن میں اور رات کو بھی ایک دوسرے کی بیرکوں میں آنے جانے کی سہولت تھی۔ چونکہ جیل حکام کو اندازہ نہیں تھا کہ ہمیں کشمیری مجاہدین کے ساتھ چھوڑنے میں ان کا کوئی نقصان ہوگا' اس لئے انہوں نے ہمیں بے دریغ چھوڑ دیا۔ لیکن وہاں جاکر جب درسِ قرآن کا سلسلہ شروع ہوا اور مجاہدین میں موجود ان اختلافات کا خاتمہ ہونے لگا جو اس ماحول میں انڈین حکمرانوں نے مجاہدین کے درمیان ڈال دیئے تھے' تو تب جیل حکام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے ہمیں وہاں سے ایک اور خطرناک عقوبت خانے ''تالاب تلو'' منتقل کرنے کی کوششیں شروع کردیں۔ ہم بارہ پاکستانی مجاہدین میں سے چار کو منتقل کردیا گیا' مگر اس کے بعد جیل میں موجود کشمیری مجاہدین نے احتجاج کرنا شروع کردیا کہ ہم اپنے ان ساتھیوں کو وہاں نہیں بھیجیں گے اس لیے کہ وہاں بہت خوفناک تشدد ہوتا ہے' جبکہ یہ لوگ پہلے ہی سخت قسم کے تشدد سے گذر چکے ہیں اور ان کی تمام رپورٹیں اور کارروائیاں لکھی جاچکی ہیں۔ بس اسی بات پر جیل حکام اور اندر موجود قیدیوں کے درمیان اختلافات بڑھنا شروع ہوگئے۔ جیل حکام ھمیں بزورِ طاقت وہاں سے نکالنا چاہتے تھے جبکہ اندر موجود ایک ہزار سے زائد مجاہدین بزورِ طاقت ہمیں اندر روکے ہوئے

تھے۔اس صورتحال میں آپس میں مشورہ ہوا کہ یہ معاملہ زیادہ لمبا نہیں چل سکے گا' اس لئے کہ بہرحال مجاہدین کی تعداد جس قدر بھی ہو وہ خالی ہاتھ ہیں' نہتے ہیں' بےبس ہیں' جیل کی تنگیوں میں مبتلا ہیں اور طرح طرح کی مجبوریوں میں ہیں جب کہ جیل حکام اگر بہت بڑی فورس لے آئیں تو وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائیں گے اور ھمیں نکال کر لے جائیں گے۔تو کیوں نہ یہاں سے نکلنے کی کوئی مضبوط کوشش کرلی جائے؟ چنانچہ کوٹ بھلوال کی بیرک نمبر سات کی دیوار کے پاس ایک خیمہ نصب کر دیا گیا۔جیل میں چونکہ کھلا ماحول تھا اور وہاں کئی مجاہدین خیمے لگا کر بھی رہتے تھے۔قیدیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے جیل حکام یہ خیمے خود فراہم کرتے تھے۔اسی خیمے کے اندر سے زمین کو کھود کر اس کے اوپر ایک بہت اچھا کیموفلاج چھپر بنا لیا گیا اور مجاہدین نے دن رات محنت کر کے اس سرنگ کو کھودنا شروع کیا۔دن کو کھدائی ہوتی تھی اور مٹی چھوٹی چھوٹی بوریوں میں جمع کر لی جاتی تھی اور رات کو ساتھی اپنے فرن (جو کشمیر کا خاص لباس ہے) پہن لیتے اور اس میں وہ بوریاں چھپا چھپا کر جیل کے گٹروں میں اور جہاں سے پانی کی نکاسی ہوتی ہے ان جگہوں پر پھینک دیتے۔جبکہ پتھروں کو دائیں بائیں پھینک دیا جاتا تھا چونکہ اس بڑی وسیع وعریض جیل میں پتھر ہی پتھر تھے' تو مزید پتھروں کے اضافے سے کسی کو کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا تھا۔جیل کھودنے کا مشقت بھرا آزمائشوں سے گھرا ہوا یہ سلسلہ ایک مہینے تک جاری رہا۔ساری رات مجاہدین پہرا دیتے تھے اور دن کو بھی محنت کرتے تھے۔ساتھ دعاؤں کا بھی سلسلہ جاری رہتا تھا۔بہت عجیب مناظر تھے۔ایک تو وہاں مٹی بہت بھربھری ہے اور پتھریلی زمین ہے جس کی وجہ سے کئی بار مٹی اوپر سے گری اور سرنگ بند ہوگئی اور پھر اس کو کھولنے کے لئے کئی کئی دن لگ گئے۔لیکن مجاہدین نے ہمت نہیں ہاری اور چونکہ سرنگ کو دیوار کے قریب سے شروع کیا گیا تھا اس لئے ابھی ساٹھ فٹ ہی کھودا تھا کہ وہ دوسری دیوار تک پہنچ گئے۔

لیکن پھر ایک صبح اتوار کے دن نومبر کے مہینے میں جیل حکام نے سی آر پی ایف کی سات کمپنیوں اور دوسری فورسز کے ساتھ اچانک حملہ کر دیا۔اتوار کا دن ہونے کی وجہ سے مجاہدین پہرے سے کچھ غافل تھے کہ آج چھٹی کا دن ہے' حملے کا امکان نہیں ہے۔بس اسی غفلت کا فائدہ اٹھا کر انہوں نے مجاہدین کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔لڑائی ہوئی لیکن زیادہ مضبوطی سے لڑنے کا موقع ہی نہیں ملا' کیونکہ لڑائی کی حکمت عملی یہ تھی کہ اگر حملہ ہوا تو سب مجاہدین چھتوں پر چڑھ جائیں گے۔جہاں بڑی مقدار میں پہلے سے پتھر جمع کر رکھے گئے تھے' لیکن چھت پر چڑھنے کا

موقع سب مجاہدین کو نہ مل سکا البتہ تھوڑے سے چڑھ سکے جنہوں نے پولیس پر سخت پتھراؤ کر کے اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا' لیکن دوسری بار انہوں نے بہت شدید فائرنگ شروع کر دی۔ جس سے ہمارے ایک ساتھی نوید انجم رحمۃ اللہ علیہ جامِ شہادت نوش فرما گئے اور کئی ساتھی زخمی بھی ہوئے اور بالآخر جیل حکام ہمیں وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر ان پر سرنگ کا راز بھی کھل گیا۔ یہ ایک بہت منظّم اور مربوط کوشش تھی جو جیل میں کی گئی۔ سرنگ کھودنے کا یہ واقعہ انڈین حکومت کے لئے بہت پریشانی کا باعث بنا اور ان کے جن ماہرین نے سرنگ کی تفتیش کی اور اسے قریب سے دیکھا' وہ مجاہدین پر بے انتہاء تشدد کرتے رہے کہ آپ لوگوں کے پاس کون کون سے آلات تھے جن کی مدد سے آپ نے یہ کام کیا؟ جبکہ ایسا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا۔ بالآخر وہ مار مار کر تھک گئے مگر یہ عقدہ ان سے نہ کھل سکا اور کھلتا بھی کیسے؟ یہ علم تو سرنگ کھودنے والوں کو بھی نہیں تھا کہ اتنا بہترین کام ان کے ہاتھوں سے کیسے ہوا؟ یقیناً یہ سب اللہ کریم کی نصرت تھی۔

سرنگ کھودنے کا دوسرا واقعہ ۱۹۹۹ء میں پیش آیا جب جیل میں ہم پاکستانی مجاہدین کو کشمیری ساتھیوں سے الگ تھلگ دو بلاکوں میں منتقل کر دیا گیا۔ ان دونوں بلاکوں کے درمیان ایک دیوار تھی' جسے مجاہدین آپس کے رابطوں کے لئے آسانی سے عبور کر لیا کرتے تھے۔ یہ دیوار تقریباً نو فٹ اونچی تھی۔ ہمارے آپس کے مشوروں سے یہ طے پایا کہ بارہ نمبر بلاک میں ایک گٹر جو تعمیراتی ضرورتوں کے لئے بنایا گیا تھا' اور اسے کیموفلاج کر کے چھپا دیا گیا تھا' مجاہدین نے اسے دیکھ لیا اور ارادہ کر لیا کہ اس کے اندر سے ایک سرنگ کھودی جائے۔ مگر اس بار سرنگ کا کھودنا پہلے کی نسبت کافی مشکل کام تھا۔ اور اس کی داستان واقعی ایک داستانِ عزیمت ہے۔ مختصر یہ کہ ڈھائی تین مہینے کی مسلسل محنت سے ساٹھ ستر مجاہدین نے مل کر ایک سو بیس فٹ لمبی سرنگ کو تیار کیا تھا۔ لیکن جون ۱۹۹۹ء کی چودہ تاریخ کی رات کو بلکہ اس وقت پندرہ تاریخ شروع ہو چکی تھی جب یہ سرنگ پکڑی گئی اور جیل حکام کے وحشیانہ تشدد کی وجہ سے برادرِ محترم کمانڈر سجاد افغانی شہید ہو گئے جبکہ باقی دس ساتھیوں کو بہت زیادہ زخم آئے ان میں سے بعض ساتھیوں کے دونوں گھٹنے ٹوٹ گئے' بعض کے ہاتھوں اور پاؤں میں فریکچر آئے۔ یوں یہ کوشش بھی اپنا ظاہری نتیجہ حاصل کئے بغیر ختم ہو گئی۔

یہ تو وہ دو کوششیں تھیں جن پر بہت زیادہ محنت خرچ ہوئی۔ اس کے علاوہ جہاں تک منصوبوں کا تعلق ہے تو جیل میں رہنے والے قیدی جو کہ اس قید کو غلامی سمجھتے ہیں اور میدانِ عمل

میں نکلنے کے لئے بے قرار ہوتے ہیں‘ ان کی مثال اس شاہین کی طرح ہوتی ہے جو پھڑ پھڑا کر اپنی بساط کے مطابق طاقت سے پنجرے کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے‘ اور بار بار اس کوشش میں زخمی ہوتا ہے مگر اپنی کوشش سے باز نہیں آتا۔ اس لئے کہ اس کی فطرت غلامی کو گوارہ نہیں کرتی۔ اس لئے منصوبے تو بے شمار بنے اور بعض عقوبت خانوں میں بھی منصوبے بنائے گئے‘ جن میں جیل حکام کو خرید کر ان کے ذریعے سے رہائی کی کوششیں بھی شامل تھیں۔ لیکن وقت آنے سے پہلے ہمیں ان جگہوں سے منتقل کر دیا گیا۔ اسی طرح کچھ اور کوششیں بھی ہوئیں جو بیرونی مدد نہ ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس لیے کہ طویل عرصہ تک اندر رہنے کی وجہ سے ہر آدمی باہر نکلنے کے لئے کچھ نہ کچھ بیرونی مدد اور تعاون کا محتاج ہوتا ہے۔ بہر حال یہ چھ سال چوبیس دن کی قید ایسی درجنوں کوششوں سے عبارت ہے جس میں مجاہدین نے رہا ہونے کے لئے اپنا سارا زور لگایا اور اپنی سی محنت خرچ کی اور دشمنانِ اسلام پر یہ تاثر چھوڑا کہ مسلمان کبھی بھی مشرکین اور کافروں کی غلامی برداشت نہیں کر سکتا۔ انہی کوششوں کی وجہ سے حکومتِ بھارت کا ایک بہت بڑا نقصان یہ ہوا کہ اس نے جہاں بھی ہم میں سے کسی کو رکھا وہاں اس کو سیکورٹی پر بے شمار اخراجات کرنے پڑے جن کا تخمینہ کروڑوں تک پہنچتا اور بعض اوقات تو اس سے تجاوز کر جاتا۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ ہم تہاڑ جیل کے جس بلاک میں تھے وہ دس سیلوں پر مشتمل تھا۔ ان سیلوں کے باہر ایک کھلی جگہ تھی جہاں قیدی چہل قدمی کرتے تھے اور اس جگہ پر انہیں صبح وشام کھولا جاتا تھا‘ لیکن معلوم نہیں انڈیا حکومت کو کیا شبہ ہوا کہ اس نے اس جگہ پر بھی لاکھوں روپے خرچ کر کے لوہے کی سلاخوں کی ایک چھت بنا دی جس پر اس کے بے پناہ مصارف ہوئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انہیں یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ ان کے مجاہد ساتھی کہیں ہیلی کاپٹر کے ذریعے انہیں اٹھا کر نہ لے جائیں۔ حالانکہ تہاڑ جیل بہت ہائی سیکورٹی جیل ہے اور اس میں بہت زیادہ اونچے اونچے بینکر اور مسلح دستے موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے کوٹ بھلوال میں بھی جس جیل میں ہمیں رکھا گیا‘ جموں میں بھی جس جگہ ہمیں رکھا گیا وہاں طرح طرح کی فورسز کو عجیب وغریب آلات سے لیس کیا جاتا تھا۔ پھر بار بار ان کی تبدیلی بھی عمل میں آتی تھی اور انہیں مواصلات کا بھی ایسا نظام دیا جاتا جو ان کے ہم منصب لوگوں کے پاس عام طور پر نہیں ہوتا تھا۔ اسی طرح اگر ہمیں کبھی کورٹ لے جانا ہوتا یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ہوتا تو اس کے لئے بھی باقاعدہ انتظامات کئے جاتے تھے۔ بعض اوقات ہمیں جہازوں میں لے جایا جاتا تھا کہ زمینی راستے غیر محفوظ ہیں۔ تو

مجاہدین کی ان مسلسل کوششوں اور محنتوں کی وجہ سے بھارتی حکومت بہت پریشانی الجھن اور تکلیف کے عالم میں رہی اور اس کا بہت زیادہ مالی خسارہ ہوا اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ بلکہ میری رہائی کے بعد اور بڑھ گیا ہے۔ کیونکہ ان کے خوف میں اضافہ ہو چکا ہے۔ اللہ کرے کہ انہیں دنیا و آخرت میں مزید خساروں کا سامنا کرنا پڑے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم : سجاد شہید رحمۃ اللہ علیہ آپ کے دیرینہ رفیق تھے۔ ان کے بارے میں آپ کے تاثرات کیا ہیں؟

جواب : سجاد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں انشاء اللہ تفصیلی تاثرات تو جب آپ کا ''سجاد شہید رحمۃ اللہ علیہ نمبر'' نکلے گا' اس میں بیان کروں گا۔ اکثر و بیشتر مضامین اور تقاریر میں بھی ان کا تذکرہ آتا رہتا ہے۔ ان کی شہادت کا دردناک واقعہ بھی مختلف مجالس میں بیان ہو چکا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ۱۹۹۹ء میں جو دوسری سرنگ کھودی گئی اس میں زیادہ کوشش اور محنت انہیں کی تھی۔ کام کا زیادہ بوجھ بھی انہوں نے اپنے سر لیا ہوا تھا۔ کھدائی کی ذمہ داری بھی انہیں کے پاس تھی۔ کیونکہ انہوں نے زیادہ محنت کی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا صلہ انہیں شہادت کی صورت میں عطا فرمایا اور جیل کی غم آلود زندگی سے انہیں آزاد فرما دیا۔ اور مظلومانہ شہادت کی وجہ سے انہیں دوسرے شہداء سے ممتاز فرما دیا۔ وہ شہادت کو ہم سب سے پہلے پا گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شہادت کی سعادت نصیب فرما دے اور ہم میں سے کسی کو محروم نہ فرمائے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم : آپ کی رہائی کے لئے جو طریقہ اختیار کیا گیا' کیا اس کے بارے میں آپ پہلے سے جانتے تھے؟

جواب : مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ ایک دن جب میں نماز پڑھ کر اپنے سیل میں داخل ہوا اور حسبِ معمول میں نے خبریں سننے کے لئے ریڈیو آن کیا تو ہائی جیکنگ کی خبر سنی۔ یہ سن کر اتنا حیران اور ششدر ہوا کہ زمین پر بیٹھنے کی بجائے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور کافی دیر تک اس خبر کو سنتا رہا اور پھر خاموش ہو کر اس سوچ میں کھو گیا کہ آخر یہ کیا ہوا ہے؟ مجھے پہلے سے اس کی کوئی خبر نہ تھی' لیکن میں خود یہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ ضرور بالضرور مجاہدین ہی کی کارروائی ہو گی اور ممکن ہے کہ یہ ہماری رہائی کی کوششوں کے سلسلے کی ایک کوشش ہو۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم : ہائی جیکنگ کا واقعہ شروع ہونے کے بعد بھارتی حکام کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا تھا؟

جواب : یہ بہت عجیب بات ہے کہ اس طرح کی کارروائیوں کے بعد قیدیوں پر عام طور سے بہت سختی ہو جاتی ہے اور حالات میں تنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر اس واقعہ نے انڈین حکومت کے ہوش وحواس ایسے اڑائے کہ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں؟ ہم ہندوستان ہی میں تھے' وہاں کے اخبارات پڑھ رہے تھے' وہاں کے ریڈیو سن رہے تھے اور جیل حکام بھی ہم سے مل رہے تھے۔ اس صورت حال میں ہمیں یہ تاثر مل رہا تھا کہ کرگل کی لڑائی کی طرح اس واقعہ نے بھی انڈین حکومت کو سخت پریشانی کا شکار کر دیا ہے۔ ابتدائی دو تین دنوں تک تو بیرونی طور پر انہوں نے سیکورٹی سخت رکھی' لیکن اندر ہم سے کوئی بات چیت نہیں کی۔ لیکن چوتھے یا پانچویں دن جبکہ ہم رمضان المبارک کے مہینے میں ظہر کے بعد اپنے معمولات میں مشغول تھے مجھے جیل کے دفتر میں طلب کیا گیا اور وہاں معلوم ہوا کہ کچھ آفیسر آئے ہیں جو بات کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے یہی سوال کئے کہ کیا آپ کو اس ہائی جیکنگ کے بارے میں کچھ علم ہے؟ جب میں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو انہوں نے کہا آپ ہائی جیکروں سے اپیل کریں کہ وہ جہاز چھوڑ دیں۔

میں نے انہیں کہا مجھے آپ پر حیرانی ہے کہ آپ لوگ اپنی طاقت پر اتنا ناز بھی کرتے ہیں اور آپ کے پاس قوت بھی ہے مگر پھر بھی آپ ہم جیسے بے بس قیدیوں کے پاس تعاون لینے کے لئے آئے ہیں۔ جب الفاران کا واقعہ ہوا تو تین چار آدمی چھڑانے کے لئے آپ کے پاس اتنی فورسز تھیں' مگر پھر بھی آپ ہمارے پاس چکر لگاتے رہے اور یہاں موجود مجاہدین کے کمانڈروں سے اپیلیں لکھوا لکھوا کر ساری دنیا میں شائع کراتے رہے تو اگر آپ ان قیدیوں کو اتنا مؤثر سمجھتے ہیں تو پھر ان پر اتنے زیادہ مظالم کیوں ڈھاتے ہیں؟ کہ آپ کا ادنیٰ سے ادنیٰ سپاہی جب چاہتا ہے انہیں ستاتا ہے' مارتا ہے۔ اس گفتگو کے دوران میں نے دیکھا کہ وہ کافی پریشان ہیں اور ایسا لگ رہا تھا کہ جس طرح چوہے کا سر کڑکی میں پھنس جاتا ہے اسی طرح انڈین حکومت بری طرح پھنسی ہوئی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جیل حکام کا انداز انتہائی محتاط تھا اور وہ بہت اچھے طریقے سے گفتگو کر رہے تھے۔ البتہ ان کا پورا زور اس بات پر تھا کہ میں کوئی بیان جاری کر دوں اور ہائی جیکروں سے اپیل کروں کہ وہ جہاز کو چھوڑ دیں۔ اس مطالبے کے جواب میں' میں نے کہا کہ میں اپیل کرنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن جس طرح آپ کے دل میں طیارے کے مسافروں کا درد ہے اسی طرح میرے دل میں کشمیر کے ان لاکھوں مسلمانوں کا درد ہے جو روزانہ شہید کئے جا رہے ہیں۔ لہٰذا میں یہ اپیل کروں گا کہ بھارتی حکومت کشمیر کو آزاد کر دے اور ہائی جیکر جہاز کو چھوڑ دیں

اور یہ اپیل بھی غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے سامنے کروں گا۔

میری یہ بات سن کر وہ کہنے لگے کہ آپ کشمیر کی بات نہ کریں کیونکہ یہ پرانا مسئلہ ہے۔ جبکہ یہ ہائی جیکنگ نیا مسئلہ ہے اور مسافروں کی جان خطرے میں ہے۔ میں نے کہا کہ کشمیر میں بھی تو جانوں کا مسئلہ ہے اور وہاں روزانہ کئی افراد مارے جا رہے ہیں اور کشمیری قوم کے ساتھ تو میری دلی وابستگی بھی ہے جبکہ طیارے کے مسافروں سے صرف انسانیت کے ناطے واسطہ ہے اور یہ بات کہ یہ پرانا مسئلہ ہے۔ پھر تو پہلے اسے حل ہونا چاہئے۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد میں نے ان کے سامنے یہ کہہ کر بیان دینے سے انکار کر دیا کہ اگر آپ نے تشدد کرنا ہے تو رکھ رکھاؤ نہ کریں' بلکہ تشدد شروع کر دیں۔ جب تک میرا جسم برداشت کرے گا میں کچھ نہیں بولوں گا اور جب میرا جسم برداشت سے انکار کر دے گا تو پھر میں سوچوں گا کہ اب کیا کروں؟ البتہ آپ انسانی قدروں کی پاسداری کرتے ہوئے اگر تشدد نہیں کرنا چاہتے تو پھر میں آپ کو اس طرح کا کوئی بیان دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: جیل سے نکالے جانے کے بعد قندھار پہنچنے تک کے حالات کیسے رہے؟

جواب: اس دوران کی پوری کارگزاری میں نے آتے ہی ضربِ مومن میں ''معرکہ'' کے عنوان سے دو' تین قسطوں میں لکھی تھی۔ اگر ہمارے قارئین اسی کا مطالعہ کر لیں تو بہت مناسب ہوگا۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: رہائی کے وقت آپ کے تاثرات کیا تھے؟

جواب: مجھے معلوم نہیں کہ میری رہائی کے عمل کی ابتداء کہاں سے مانی جائے گی؟ اگر جیل سے نکلنے ہی کو رہائی قرار دیا جائے تو اس وقت تاثرات کافی مختلف تھے اور اگر قندھار میں طیارہ اترتے وقت کے لمحات کو رہائی کا وقت قرار دیا جائے تو اس وقت میرے تاثرات بالکل مختلف تھے۔ مجموعی صورت حال یہ رہی کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کر رہا تھا اور میرے دل میں بہر حال ایک خوشی اور مسرت بھی تھی اور اپنی رہائی سے زیادہ اسلام کی فتح یابی اور مجاہدین کی کامیابی کی خوشی مجھ پر طاری تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت کیفیت کا جو ہجوم تھا اسے زبان سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا تھا اور اب جب بھی مجھے وہ واقعہ یاد آتا ہے تو میرا دل جذبۂ شکر سے لبریز ہو جاتا ہے۔

جیش محمد ﷺ : جیل میں آپ کے ساتھ بہت سے ساتھی تھے۔ جب آپ رہا ہو رہے تھے اس وقت ان کے بارے میں آپ کے جذبات کیا تھے؟

جواب : ان کی جدائی میرے لئے ایک بہت بڑا صدمہ تھی۔ وہ میرے بہت قریبی رفقاء تھے جن کے ساتھ ایمانی اور جہادی رشتہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ان سب سے محبت تھی۔ ہماری زندگی کے کئی سال دکھ کی حالت میں ایک ساتھ ہی گذرے تھے۔ انہوں نے جس انداز میں مجھ جیسے کمتر انسان کی خدمت کی اور ہر طرح سے سہولت اور راحت پہنچانے کی کوشش کی اور جس طرح جیل میں رہتے ہوئے انہیں میری حفاظت کی فکر تھی میں ان چیزوں کو کبھی نہیں بھلا سکتا۔ میں بہت احسان مند ہوں اور اب بھی اکثر انہیں یاد کرتا رہتا ہوں اور اب میری زندگی کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بن چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جلد رہائی عطا فرمائے۔

جیش محمد ﷺ : آپ کا کیا خیال ہے کہ بھارتی حکومت ہائی جیکنگ کو ناکام بنانے میں کیوں کامیاب نہ ہو سکی؟

جواب : بھارتی حکومت اس پورے واقعہ میں کیوں ناکام رہی؟ اس کی کوئی ایک وجہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ بے شمار ایسی داخلی اور خارجی وجوہات نظر آ رہی ہیں جن کے سبب بھارت کو اس عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

ایک تو ایسا لگتا ہے کہ وہ مجاہدین جنہوں نے یہ کارنامہ سرانجام دیا وہ پوری طرح مخلص اور پرعزم تھے اور جب اخلاص اور پورے عزم کے ساتھ جان کو ہتھیلی پر رکھ کر جہاد کے میدان میں کوئی قدم اٹھایا جائے تو ساری دنیا کی طاقتیں مل کر بھی اس قدم کو اٹھنے سے نہیں روک سکتیں۔ یہ صدیوں کا تجربہ ہے جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔

دوسری چیز جو ہندوستان کی شکست کا باعث بنی وہ جہاز کو اغواء کرنے والے افراد کی بروقت کارروائیاں تھیں جن میں انہوں نے کسی قسم کی تاخیر نہیں کی۔ آپ حضرات تو اخبارات میں تفصیلات پڑھتے رہے ہوں گے۔ جن سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کی ایسی راہنمائی ہو رہی تھی کہ وہ بروقت اقدامات کر رہے تھے۔ مثلاً اگر جہاز شروع میں ہی لاہور اتر جاتا تو بظاہر ہائی جیکنگ ناکام ہو جاتی۔ امرتسر میں اتر کر اگر چند منٹ مزید وہاں ٹھہرا رہتا تو یہ بھی اس کے لئے نقصان دہ تھا جیسا کہ ابھی حال ہی میں چھپ کر آنے والی ایک کتاب میں انکشاف کیا گیا ہے کہ بھارتی حکام اس وقت ہندوستان کے نمبر ایک

’’شوٹر‘‘ کو ایئر پورٹ پر لا چکے تھے۔ جس نے فائر کر کے جہاز کے ٹائر برسٹ کرنے تھے۔ اس کے علاوہ کسی میں یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ جہاز کی طرف فائر کر کے کسی قسم کا خطرہ مول لے۔ لیکن اس ’’شوٹر‘‘ کی گاڑی ابھی امرتسر ایئر پورٹ میں داخل ہوئی ہی تھی کہ طیارہ رن وے چھوڑ کر فضاء میں بلند ہو گیا۔

اسی طرح ہائی جیکروں کے کئی دوسرے بروقت فیصلے بھی دیکھنے میں آئے۔ چنانچہ قندھار میں بھی ایسا ہی ہوا۔ جہاز کے اندر کے حقیقی حالات تو وہی حضرات جانتے ہیں جنہوں نے یہ کام کیا البتہ ظاہری حالات و ذرائع سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہائی جیکروں کی قوتِ فیصلہ بھارتی شکست کا ایک بہت بڑا سبب بنی۔

تیسری بڑی وجہ ہندوستان کے داخلی حالات بھی تھے۔ بی جے پی کی حکومت اب دوسری مرتبہ بہت مشکل سے بنی ہے۔ جبکہ اس کا پہلا دور اقتدار بہت کم ثابت ہوا تھا۔ چنانچہ اب وہ اپنے ماتھے پر شکست کا اتنا بڑا داغ نہیں لگانا چاہتی تھی۔ جبکہ کرگل کی فتح کا جشن پورے انڈیا میں منایا جا رہا تھا۔ حالانکہ کرگل میں بھی انڈیا کو کوئی فتح حاصل نہیں ہوئی تھی۔ صرف وہاں کے ذرائع ابلاغ اور حکومت نے اپنی عوام کو یہ تاثر دیا کہ انہوں نے کرگل کا معرکہ جیت لیا ہے۔ جبکہ حقیقت میں وہ کرگل کے زخم ابھی تک چاٹ رہے تھے۔ ان حالات میں یہ دوسری شکست کہ جہاز میں سوار اتنے سارے افراد۔ بی جے پی کی حکومت میں مار دیئے جائیں، بی جے پی کی حکومت میں اس نقصان کو برداشت کرنے کی سیاسی طاقت ہرگز نہ تھی۔ میرا اندازہ ہے کہ اگر کانگریس حکومت ہوتی تو وہ اس حکومت کی نسبت زیادہ بڑا رسک لے سکتی تھی۔ کیونکہ اسے حکومت کرنے کا چھیالیس سالہ تجربہ تھا، جبکہ موجودہ حکومت اتنے بڑے جھٹکے کو برداشت کرنے کے قابل نہ تھی اور پھر کچھ ہی دنوں بعد بھارت کی کئی ریاستوں میں الیکشن ہونے والے تھے۔ یہ چند ظاہری وجوہات ہیں جو انڈیا کی شکست کا سبب بنیں۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: بہت سے ذرائع ابلاغ نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ ہائی جیکنگ بھارت کا اپنا تیار کردہ منصوبہ تھا جو بعد میں خود اسی کے گلے میں پڑ گیا۔ اس بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: کوئی بھی ایسا شخص جس کے سر میں دماغ موجود ہو وہ نہ ایسی بات کر سکتا ہے اور نہ اس پر اعتبار کر سکتا ہے۔ حکومتوں کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ پاکستان اور بھارت آپس میں

ایک دوسرے کے خطرناک حریف ہیں۔ چنانچہ ہر کارروائی میں پاکستان بھارت کو اور بھارت پاکستان کو موردِ الزام ٹھہراتا ہے۔ ہائی جیکنگ میں چونکہ پاکستانی حکومت ملوث نہ تھی اس لئے بعض ''دانشوروں'' نے یہ بات کہہ دی کہ انڈیا خود اس واقعہ میں ملوث ہے لیکن اس کے بعد جو واقعات سامنے آئے ان سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوگئی کہ اس طرح کے بیانات محض سیاسی تھے جن کی کوئی حیثیت یا حقیقت نہیں۔ جو مسلمان حضرت امیر المؤمنین ملا محمد عمر صاحب مدظلہ العالی پر اعتماد کا اظہار کرتے ہیں وہ بھی اگر ایسی بات کہیں تو ایسے لوگوں کے لئے صرف یہی دعا کی جاسکتی ہے کہ اللہ انہیں سمجھ عطا فرمائے کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی فتح کو کافروں کے قدموں میں ڈال دینا نہ ہی عقل مندی ہے اور نہ ہی دانشمندی۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ ''بھارت نے آپ کو اپنے مذموم مقاصد کے پورا کرنے کے لئے رہا کیا ہے۔'' تو آپ کا کیا جواب ہوگا؟

جواب: بھارت کو اپنے یہ مفادات اور مقاصد چھ سال چوبیس دن بعد ہی کیوں یاد آئے۔ حالانکہ جس وقت میں گرفتار ہوا تھا۔ اس وقت میری پوزیشن رہائی کے وقت سے زیادہ مضبوط تھی۔ میرا تعلق ایک مضبوط تنظیم سے تھا اور میں اس کا ایک بااختیار ذمہ دار تھا۔ اگر خدانخواستہ اس قسم کا کوئی سودا ہونا ہوتا تو وہ اس وقت بھی ہوسکتا تھا۔ پھر مجھے جن جیلوں میں رکھا گیا تھا وہ کوئی علیحدہ جیل نہیں تھی وہاں اور بھی سینکڑوں قیدی موجود تھے۔

البتہ جو مسلمان اللہ پر یقین نہیں رکھتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی کام کافروں کے اشاروں کے بغیر نہیں ہوسکتا، وہی ایسی بات کرسکتے ہیں۔ میری رہائی پر پورے انڈیا میں ماتم کا عالم ہے، وہ لوگ جس قدر پریشان ہیں اس کا اندازہ بھارتی پارلیمنٹ میں ہونے والی گرماگرم بحثوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ تو اگر کوئی مجھ سے اس طرح کے سوال کرے گا تو میں اس کے جواب میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایک دوسرے کا درد سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: کیا یہ صحیح ہے کہ ہائی جیکروں نے پینتیس مجاہدین اور تیس کروڑ کا مطالبہ کیا تھا؟

جواب: ہمارے ذرائع اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ بلکہ میں نے بعض طالبان حکام کے پاس وہ کاغذ بھی دیکھا جس میں ان اڑتیس مجاہدین کے نام درج ہیں جن کی رہائی کا ہائی

جیکروں نے بھارتی حکومت سے مطالبہ کیا تھا۔ ان میں کمانڈر نصر اللہ لنگڑیال اور مولانا ابو جندل جیسے سرکردہ افراد کے نام بھی شامل تھے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ انہوں نے ایک بہت بڑی بھاری رقم کا مطالبہ بھی کیا تھا۔ لیکن طالبان انتظامیہ کی مداخلت پر انہوں نے یہ مطالبہ واپس لے لیا اور کافی لمبے مذاکرات کے بعد بالآخر تین افراد کی رہائی پر راضی ہوئے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: رہا ہونے والے تین افراد کا انتخاب ہائی جیکروں نے کیا تھا یا انڈیا نے؟

جواب: طالبان ذرائع کا کہنا ہے کہ ہائی جیکروں نے اگرچہ باقی مطالبات سے دستبرداری کا اعلان کر دیا تھا مگر وہ اڑتیس مجاہدین کی رہائی پر مصر تھے۔ لیکن طویل بات چیت کے بعد بھارتی حکام اس بات پر راضی ہوئے کہ وہ تین افراد کو چھوڑیں گے۔ البتہ ان تین افراد کے انتخاب کا اختیار طیارہ اغواء کرنے والے مجاہدین کے پاس تھا اور انہوں نے میرا اور باقی دو ساتھیوں کا انتخاب کیا۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: آپ کے خیال میں یہ سودا کیا رہا؟

جواب: رَبِحت تِجَارَتُھُم (ان کی تجارت سودمند رہی)

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ہائی جیکنگ جیسے واقعات پوری دنیا کی نظر میں مذموم سمجھے جاتے ہیں۔ کیا ان واقعات سے بھارت کو زیر کیا جا سکتا ہے؟

جواب: کسی کو زیر کرنے یا نہ کرنے کا تعلق تو ان نظریات سے ہے جن کی وضاحت عام طور پر ہوتی رہتی ہے۔ غالباً آپ ہائی جیکنگ کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہوں گے تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ اگرچہ ہائی جیکنگ ایک غیر صحیح اقدام ہے، لیکن بھارت کے اس رویہ کے مقابلے میں جو اس نے کشمیری اور خود بھارتی مسلمانوں اور قیدی مجاہدین کے ساتھ اختیار کر رکھا ہے یہ اقدام کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ بھارت کی لاقانونیت اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ہائی جیکروں نے آپ تینوں ہی کا انتخاب کیوں کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری رہائی کا وقت آچکا تھا۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: جن لوگوں نے آپ کی رہائی کا سامان کیا۔ ان کے بارے میں آپ کے جذبات کیا ہیں؟

جواب: میری کیا بے شمار مسلمانوں کی ان کے لئے خیر' برکت اور حفاظت کی دعائیں ہیں۔ کتنے آنسو ہیں جو ان کے اظہارِ تشکر میں معصوم چہروں سے گرے۔ ان کے کام کو جس نے قابلِ مذمت بھی کہا اس نے بھی راتوں کو اٹھ کر ان کے لئے دعاؤں سے دریغ نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے لئے ایک ایسا صدقہ جاریہ چھوڑا ہے جسے رشک کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ امتِ مسلمہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کا سکون بن کر آئے۔ ہمیں ایسے لوگ بھی ملے جو اللہ کے ان شیروں کو ایک نظر دیکھنے کے لئے بے تاب ہیں۔ مگر کون ہے جو انہیں دیکھ سکے......؟؟

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: آپ کا کیا خیال ہے کہ امت مسلمہ میں ایسے افراد اور بھی ہیں جو ایسے کارنامے سرانجام دے سکیں؟

جواب: ہیں یا نہیں...... بہر حال ہونے چاہئیں۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: طالبان حکومت کا اس معاملے کو نمٹانے میں بہت بڑا کردار رہا۔ آپ نے ان کی سیاسی بصیرت کو کیسا پایا؟

جواب: طالبان نے اس پورے معاملے میں جس طرح اپنی سیاسی بصیرت اور اعلیٰ سوچ کا مظاہرہ کیا اسے دیکھ کر دنیا کے وہ لوگ جو طالبان کو پسماندہ سمجھتے ہیں ان کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ہم تو طالبان کے پہلے سے ہی معترف ہیں اور ان کی سیاسی بصیرت اور قیادت کو پہلے سے ہی سلام پیش کرتے ہیں۔ اس واقعہ نے ان کے ساتھ ہماری عقیدت اور محبت میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: اگر بھارت اس واقعہ میں طالبان کو ملوث قرار دے تو آپ کا کیا تبصرہ ہوگا؟

جواب: یہ بھارت کی ایک بہت بڑی بے وقوفی ہوگی کہ وہ طالبان کو ملوث قرار دے۔ کیونکہ جس طرح ہم پر طالبان کا بہت بڑا احسان ہے اسی طرح بھارت پر بھی ان کا احسان ہے کہ نئی صدی کے آغاز کے موقع پر بھارت کو اتنے بڑے نقصان سے بچا لیا۔ اور پھر جبکہ بھارت طالبان کو تسلیم نہیں کرتا اس کے باوجود طالبان نے اس کے وفود اور نمائندوں کو اپنے ملک میں آنے کی نہ صرف اجازت دی' بلکہ ان کے ساتھ ہر طرح سے تعاون بھی کیا اور ان کی حفاظت بھی کی۔ طالبان ہی کی مداخلت پر بھارت ہائی جیکروں کے باقی مطالبات پورے کرنے سے بچ گیا۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم: قندھار ایئرپورٹ سے نکلنے کے بعد آپ نے کس طرف رخ کیا؟

جواب: سامنے کی جانب۔

یہ انٹرویو مولانا محمد مسعود ازہر کی رہائی کے ایک سال بعد پاکستان کے معروف ومقبول دینی رسالے پندرہ روزہ جیش محمد ﷺ کے مدیر نے کیا تھا انٹرویو کا ایک حصہ رسالے کے دفتر میں بم دھماکے کی وجہ سے ضائع ہوگیا جبکہ مذکورہ بالا حصہ محفوظ رہا اور رسالے میں شائع ہوا۔ ۱۲ جنوری ۲۰۰۲ جب حکومت پاکستان نے جہادی تنظیم جیش محمد ﷺ پر پابندی لگادی تو تنظیم کا ترجمان رسالہ پندرہ روزہ جیش محمد ﷺ بھی بند ہوگیا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیّدنا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین